اسلام اور جادوگری

مصنف کی دیگر تصانیف

مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے (انعامی کتاب)
دینِ ساحری
ترقی پسند ادب کا مسئلہ
سرکش روحیں
نامور جاسوس عورتیں
لمبی عمر اور تندرستی
روس میں اسلام کا خطرہ
رام پیاری (زیرِ اشاعت)
بچوں کا ادب
نور پور کی بستی (ناول)
بھُورے خاں اور بھیڑیا
لکڑ ہارا اور چور (انعامی کتاب)
فرعون کا خزانہ
لوہے کا آدمی
بچوں کی الف لیلہ (زیرِ اشاعت)

بہ سلسلہ

اسلام سے قبل کے اُدیان

اسلام اور جادوگری

رحمان مُذنب

مقبول اکیڈمی شاہراہ قائداعظم لاہور

١٩٩٠ء

مقبول اکیڈمی

١٠- دیال سنگھ مینشن شاہراہ قائداعظم لاہور

پرنٹرز، معراج پریس لاہور

Rs. 100.00

انتساب

شاعر، سکالر اور سدا بہار دوست

افضل پرویز

کے

نام

فرعون رع موسیٰ سوم سب سے بڑی دیوی آئی سس کو ہاتھ سے پکڑ کر
لے جا رہا ہے۔ یہ تصویر فرعون کے بیٹے عموٗن خیف الیشیف کے مقبرے
میں ہے۔

ترتیب

پیش لفظ

سحر و طلسم کو سمجھنے اور سمجھانے میں علمائے بشریات اور ماہرین آثار قدیمہ کو عمریں صرف کرنی پڑیں۔ ہزاروں سال پرانی دستاویزیں... پیپیرس کے مخطوطے، عبادت گاہوں کے نقش و نگار، در و دیوار کی علامتی تصاویر، فرش و عرش کی پراسرار تحریریں، لاٹھوں اور خشت و سنگ پر کندہ عبارتیں ایسی صاف ستھری اور تازہ ہیں جیسے مصور اور خوشنویس ابھی ابھی اپنے اپنے قلمدان، قلم اور مُوقلم سنبھال کر کارگاہ سے رخصت ہوئے ہوں لیکن جب عہد حاضرہ میں انہیں پڑھنے والے آئے تو ان پر پڑے ہوئے بوجھل پردے دیکھ کر ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ ایک لکیر ایک تصویر، لفظ کا ایک شوشہ بھی تو سمجھ میں نہ آیا۔

کیسی عجیب بات ہے جو زبانیں صدیوں دنیا میں رائج رہیں، عظیم القدر علوم و فنون، تہذیبوں اور ثقافتوں کی امین رہیں، اپنے پیچھے ان مٹ نقوش چھوڑ گئیں، یوں غائب ہوئیں کہ انہیں ایک بھی بولنے والا نہ رہا۔ ہائروگلیفکس اور خشتی میخی خط کو جاننے پہچاننے والا کوئی نہ تھا پھر یہ زبانیں اور ان کی پراسرار تحریریں کیسے پڑھی اور سمجھی گئیں؟ ان کی ایک الگ کہانی ہے۔ بس یوں سمجھئے کہ برسوں کچھ دیوانے رات دن آنکھیں پھوڑتے رہے۔ انہوں نے رتجگوں پر رتجگے کئے۔ کام ہی کام، ہر لحظ ہمت شکنی، بے چارے پاگل ہو ہو گئے لیکن پھر بھی اپنے مشن سے دستبردار نہ ہوئے ان کے اندر ذوق و شوق کی جوالا مکھی جلتی ہی رہی۔ انتہائی لگن سے ناقابل فہم حروف و نقوش کو پڑھنے کے لئے دیدہ ریزی کرتے رہے، سوچتے رہے، آخر خدا خدا کر کے مشکل آسان ہوئی۔

نقوش مسکرانے لگے، لفظ بولنے لگے۔ سب کچھ قابلِ فہم ہوگیا اور پھر السا مرحلہ آیا کہ مفاہیم و مطالب کے سلسلے میں یہ سرپھرے باہم بحث و مباحثہ بھی کرنے لگے۔

ایسے ہی چند دیوانے آج کل ہڑپہ اور موہنجو دڑو کے کھنڈروں میں بکھری ہوئی تہذیب کی گمشدہ زبان کو سمجھنے کے لئے سر کھپا رہے ہیں۔

تحقیق و تفتیش کے سلسلے میں گڑے مردے بھی اکھاڑے گئے، محاورتاً نہیں، سچ مچ، اتنا ہی نہیں بلکہ مردوں میں جان ڈالی گئی، انہیں زبان دی گئی اور پھر ان سے ہزاروں سال پرانے تہذیبی و ثقافتی مخفی راز اگلوائے گئے۔ روزمرہ کی باتیں معلوم کی گئیں۔

اس طویل کاوش کا ثمر..... ہزاروں مردے جو اکھاڑے گئے آج وہ حنوط شدہ لاشوں کی صورت میں دنیا کے بڑے بڑے عجائب خانوں کا بے بہا اثاثہ ہیں۔ اگرچہ انتہائی اہم مخفی صورتیں پردے پھاڑ کر سامنے آگئی ہیں تاہم کام ابھی تمام نہیں ہوا۔

ایک ایک مُردے نے معلومات کے ڈھیر لگا دیے ہیں، اسکے سامنے زندہ لوگ گُنگ ہو گئے ہیں۔ اہرام کے تاریک نہ خانوں سے علم کے جو خزانے ملے، ان کی بدولت جو گتھیاں سلجھیں، ذہنی افکار نیاں ہوئے، علمی و فنی فتوحات ہوئیں ان کی تفصیل ایک نہایت ہی عام لفظ جادو میں سما جاتی ہے۔

مصر، عراق، شام اور ہند تو اس کے گڑھ تھے لیکن دنیا میں کوئی ایسا خطہ نہیں ملے گا جہاں جادو کا سکہ رواں نہ تھا۔ ایشیا اور افریقہ ہی نہیں جدید آسٹریلیا میں بھی اوائلی دور کے ایسے قبائل پائے جاتے ہیں جو ہزاروں سال پرانی کینچلی اتارنے کے لئے تیار نہیں۔

جادو کی تشریح و توضیح کے لئے سوشل اینتھروپولوجی کے جید علماء..... بابائے بشریات سر جیمز جارج فریزر، والس بج، مس جین ایلن ہیریسن، ایڈتھ ہملٹن، گلبرٹ مرے، ویسٹر مُن، جیمز ہنری بریسٹیڈ، آئی ای ایس ایڈورڈز، جارج بی ویٹر، ڈبلیو بی ایمرے اور دیگر حضرات نے بڑا کام کیا ہے۔ ان کی توجیہات، تصریحات اور انکشافات حیرت خیز بھی ہیں اور نئے بھی، ان کی

ساحری سے نہایت مربوط دینی تاریخ مرتب ہوئی ہے۔ انگریزی میں جادو کا لفظ جس قدر واضح ہے اردو میں اسی قدر اجنبی ہے۔ ہمارے یہاں گنتی کے چند لوگ ملیں گے جنہیں اس سے سچا شغف ہو، حالانکہ ہر دانشور کو بالعموم اور عالم دین نیز مبلغ اسلام کو بالخصوص اس کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنا چاہیئے۔ یہ مطالعہ نہ صرف لابدی بلکہ نہایت دلچسپ علم و دانش سے بھرپور اور فکر انگیز ہے۔ سوشل اینتھروپولوجی، جادو جس کا ایک شعبہ ہے قطعاً خشک موضوع نہیں۔

اس لفظ کے گرانقدر تہذیبی، ثقافتی اور علمی و فنی سرمایے کے پیش نظر میں اسے دین ساحری کہتا ہوں۔ اس کی عظمتیں کارنامے اور فتوحات حیران کن ہیں۔ صدیوں ناقابل شکست رہا۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ نے مزاحمت تو کی لیکن اس کا ڈنکا بجتا ہی رہا۔ آخر ۵۷۱ عیسوی میں وہ آفتاب طلوع ہوا۔ جس نے اسے گہنا دیا، اس کے تار و پود بکھیر دیئے۔ اگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم احسان نہ فرماتے، حضورؐ کے ذریعے ہمہ گیر معاشرتی، تہذیبی اور ثقافتی انقلاب برپا نہ ہوتا تو مخلوق خدا جادوگری کی غلام گردشوں میں بھٹکتی پھرتی۔ اس کی توانائی، اثر و نفوذ، وسعت، گہرائی اور اونچائی پاتال سے فلک تک تھی۔ اس کی پھیلی ہوئی مضبوط اور پیچ در پیچ جڑیں اور ٹہنیاں دیکھ کر کسے گمان تھا کہ یہ نسیت و نابود بھی ہو سکتا ہے۔ محمد عربیؐ کی ذات گرامی توانائی کا لازوال اور بیکراں سرچشمہ تھی۔ آپؐ کی انقلابی تحریک اس قدر مستحکم اور زور دار تھی روشن خیالی اور انسان دوستی کی اقدار سے اس قدر آراستہ تھی کہ اس کے سامنے جادو کا فریب نہ چل سکا۔ اسلام کے ریلے نے اسے بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکا۔ محمد عربیؐ کا یہ انقلاب ناقابل یقین ہوتے ہوئے بھی قابل فہم اور حقیقی تھا۔ آپؐ نے نسل انسانی کو جادو کے بندھن سے آزاد کیا۔ دنیا کو نیا حسن و جمال دیا۔ آدمی کو قدر عافیت معلوم ہوئی اسے نئی پہچان ملی، خالق اور مخلوق کا صحیح رشتہ دریافت ہوا۔

میرے نقطہ نظر سے دین ساحری کا جس قدر مطالعہ کیا جائے گا اسی قدر اسلام کی سچائی اور بڑائی کا ادراک ہوگا۔ اس طرح اسلام کی سچائی اور بڑائی کے لیے بڑا عمدہ حوالہ مل جائے گا۔

رحمان مذنب ، جنوری ۱۹۸۸ء

پہلا حصّہ

اسلام اور جادوگری

اسلام اور دینِ ساحری

مذاہبِ عالم میں اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس کی روحانی اور اخلاقی وسعتوں میں ہر زمانے کے لوگ اکائی بن کر سما سکتے، انتہائی سکون، فرحت اور خوش اسلوبی سے زندگی گزار سکتے ہیں۔ ہر رنگ، ہر نسل، ہر حیثیت اور ہر خطۂ ارض کے لوگ کسی دقت اور خوف و خطر کے بغیر اسلام کو اپنانے کے اہل ہیں۔ اسی میں خیریت اور عافیت ہے۔ اسی سے جملہ انواع کے دینی و دنیوی معاملات و مسائل کا بہترین تشفی بخش اور قابلِ قدر حل مل سکتا ہے۔

یہ انتہائی سہل مذہب ہے فرسودہ رسوم و قیود اور توہمات سے آزاد ہے ایسا مذہب ہے کہ کسی پروہت، برہمن یا اجارہ دار پیشوا کی مدد یا وساطت کے بغیر ہر کس و ناکس اسے سمجھ سکتا اور اختیار کر سکتا ہے۔ اس پر عمل کر کے اپنی ذات اور اپنے معاشرے کو سنوار سدھار سکتا ہیں۔ اسلام نہایت مفید جمالیاتی قدر ہے۔ نظریاتی اعتبار سے اس کا مقصد دنیا کو حسین و جمیل بنانا اور ہر انسان کے لئے فلاح و بہبود کو عام کرنا ہے۔ اس کا مخصوص رویہ ہے جس کی رو سے حسین سے حسین شے اگر افادیت سے محروم ہے تو بیکار ہے۔ انسانی فلاح بہر طور لابدی ہے۔ افادیت حسن کی سچائی ہے

اسلام تمام انفرادی و اجتماعی تقاضے بطریق احسن پورے کرتا ہے.... بیک وقت امن و سلامتی کا ضامن اور قوت و توانائی کا سرچشمہ ہے۔ اس کی سچائیاں عالمگیر اور لازوال ہیں۔

قرآن زندہ کتاب ہے۔ اس کی صداقتوں اور اس کے ضابطوں میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اس کی تعلیمات ہر ایک کے لئے قابلِ عمل ہیں۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ۲۳ سال

کی زندگی میں اسے عملاً پیش کیا۔ آپؐ اگر آیاتِ کریمہ کو عملی زندگی میں نہ ڈھالتے تو لوگ کہہ سکتے تھے کر قرآن قابلِ عمل نہیں۔

آپؐ نے ثابت کر دکھایا کہ اسلام عملی نظریہ ہے، مفروضہ نہیں۔ آپؐ نہ صرف اپنے عہد کے بے مثال رہبر اور انقلابی پیغمبر تھے بلکہ آپؐ کی سیادت اور انقلابی قیادت قیامت تک کے لئے ہے۔ آپؐ ہر دور میں اقوام عالم کو زندگی گزارنے کے لئے سچ کا راستہ دکھاتے رہیں گے۔ آپؐ نور کی وہ لکیر کھینچ گئے ہیں جو اَبد تک نظر آتی اور راستہ دکھاتی رہے گی۔ ہر درد کی دوا اور ہر روگ کی شفاء آپؐ کے دم سے ہے۔

اسلام سے قبل پوری دنیا میں دینِ ساحری کا دور دورہ تھا۔ رسولِ اکرمؐ کو اسلام کی تبلیغ و ترویج میں یہی سدِ راہ ہوا۔ اس وقت عرب میں پروہتی نظام یعنی موروثی مذہبی اجارہ داری (PRIESTHOOD) اور وڈیرہ شاہی نے سخت خطرناک شکل اختیار کر لی تھی ان کا گٹھ جوڑ سادہ لوح عوام کے خلاف بدترین سازش تھا۔

پروہتی نظام، دینِ ساحری کی پیداوار تھا، جادوگروں ـــــ پروہتوں نے سحر و طلسم کے ایسے تانے بانے بُنے تھے کہ ان کے سوا ساری دنیا شکنجے میں جکڑی گئی۔ پروہت یا جادوگر خود تو ہر بلا سے محفوظ رہتا لیکن مخلوقِ خدا کو ہر بلا میں مبتلا رکھتا، وہموں اور وسوسوں کے ہجوم نے آدمی کا گھیراؤ کر لیا۔ پروہت ہی اس کے آڑے آتا اور اسے آفات سے بچاتا۔ خود حکومت کرتا، اہلِ قبیلہ کو محکوم رکھتا۔

پروہت ہی سردارِ قبیلہ ہوتا اور پھر ایک زمانے کے بعد جب تمدن، معاشرت اور سیاست کا میدان بڑھ پھیل گیا۔ فراعنہ ایسے ذہین و فطین فرماں روا پیدا ہوئے جنہوں نے سیاسی سوجھ بوجھ اور حربی ہنرمندی یا اسے اقطاعِ ارض پر تسلط جمایا تو جادوگر سکڑا اس نے بوریا بستر گول تو نہ کیا تاہم سمیٹ ضرور لیا۔ لیکن سمٹی سکڑی حالت میں بھی وہ کم خطرناک نہ رہا۔ اس نے پروہتی موروثی نظام بنایا اور اپنا سکہ منوانے کے لئے انواع و اقسام کے ہتھکنڈے اختیار کئے۔ وڈیرہ شاہی سے یارانہ کیا اور پھر

حسنِ تدبُّر، چالاکی اور مکّاری سے فراہئہ کو زیر کر لیا اس نے شاعرانہ تخلیقی صلاحیت سے کام لے کر خوبصورت دیومالا مرتب کی۔ خداؤں کے خاندان بنائے اور دنیا جہان کے اُمور و فرائض ان کے سپرد کر دیے اپنے توسّط بلکہ حکم سے اپنی نگرانی میں لوگوں کی گردنیں ان کے آگے جھکا دیں۔

چونکہ اسی نے خدا گھڑے تھے اس لئے وہ نہ صرف ان کا رازداں اور ادا شناس تھا بلکہ ان پر حکم بھی چلاتا تھا۔ اس کے تخلیق کئے ہوئے خدا اس کا حکم مانتے لیکن جب یہ خدا (آندھی، طوفان، گرج چمک، مینہ اور زلزلہ وغیرہ) زور دکھاتے اور تباہی مچاتے تو وہ ان کی خوشامد بھی کرتا، ان سے فریاد بھی کرتا۔

خدا سازی کا عمل ہزاروں سال تک بڑی کامیابی سے جاری رہا۔ قدم قدم پر بت خانے تعمیر کئے گئے۔ خداؤں کی تماثیل ــــ مُورتیں اور مُورتیاں بنائی جاتے لگیں۔ گھر گھر بھجن گائے جانے لگے نوبت بایں جا رسید کہ دو ہزار برس قبل مسیح ابراہیم عَلَیْہِ السَّلام نے خدائے واحد کی عبادت کے لئے جو کعبہ تیار کیا رفتہ رفتہ وہ بھی جادوگروں اور پروہتوں کی عملداری میں آگیا اور مندر بن گیا۔ اس میں کالی، چنڈی اور درگا کے مثل، منات، عُزّیٰ، نُوحؑ کے عہد کے یَغوُث، یَعُوق اور نَسْر کی پوجا ہونے لگی۔

محمد بن عبدالوہاب بن سلیمان التمیمیؒ "کتابُ التوحید" میں رقمطراز ہیں۔

"یَغوُث، یَعُوق اور نَسْر قوم نوح کے نیک دل لوگ تھے۔ جب یہ مر گئے تو شیطان نے اس قوم کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ ان بزرگوں کی نشست گاہوں پر یادگار پتھر نصب کر دینے چاہئیں اور ان پتھروں کو ان کے نام سے پکارا جانا چاہیئے چنانچہ قوم نے شیطان کی یہ بات مان لی۔ ابتدا میں ان پتھروں کی عبادت نہیں کی گئی لیکن جب پہلی نسل ختم ہو گئی اور بعد میں پیدا ہونے والی نسلوں کو ان کے بارے میں معلومات نہ رہیں تو انہوں نے ان پتھروں کی عبادت شروع کر دی"۔

زعیم پرستی (ہیرو ورشپ) قدیم مسلک ہے۔ مصر میں پہلی بار کھیت میں گندم اگانے والے فرعون اوسائی رس کو اس کی شہادت کے بعد خدا بنا لیا گیا اور پاتال کی خدائی اسے سونپ دی گئی۔ مصر کے ریزہ چین اور شاگرد ـــــ اہل یونان کے جادوگروں نے کتنے ہی زعیموں کو خدا کا درجہ دیا۔ ہیراکلیز (ہرقل) اس کی مثال ہے۔ ہند کے رام، سیتا، ہنومان اور کرشن وغیرہ بھی اسی زمرے میں آتے ہیں (رام اور رحیم کو ایک کہنے والے شاعر اور صلح پسند مصلحین مغل بادشاہ اکبر کے دین الٰہی کی ضلالت میں گرفتار ہیں۔ وہ بندے اور خالق کے فرق کو نہیں پہچانتے۔ پروہتوں نے بندوں کو خدا بنا لیا اور انہیں پوجنے لگے۔ دینِ الٰہی کو ماننے والے بت پرستی اور توحید پرستی میں کوئی امتیاز نہیں رکھتے)

پروہتوں، پادریوں اور ساحروں کے فریب میں آکر "لوگوں نے اللہ کو چھوڑ دیا اور اپنے عالموں، درویشوں اور عیسیٰ ابنِ مریم کو اپنا خدا مان لیا" (سورۂ توبہ ۹، آیت ۳۱)

وہ اہلِ کتاب جنہیں توحید پرستی کی تعلیم دی گئی تھی، گمراہ ہو گئے اور انہوں نے نئے نئے خدا گھڑ لیے ... کتاب التوحید ص ۸۹ ... ان مصنوعی خداؤں کو پوجنے اور ان سے مُرادیں مانگنے لگے

اس ضمن میں یہ آیاتِ قرآنی قابلِ توجہ ہیں۔

"اور اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی کو نہ پکار جو تجھے نہ فائدہ پہنچا سکتی ہے نہ نقصان"

(سورۂ یونس، آیت ۱۰۶)

"کیسے نادان ہیں یہ لوگ کہ ان کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں جو نہ ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی مدد پر قادر ہیں"۔

(سورۂ اعراف، آیات ۱۹۱، ۱۹۲)

"اسے چھوڑ کر جن دوسروں کو تم پکارتے ہو وہ ایک پرِکاہ کے مالک بھی نہیں۔ انہیں پکارو تو وہ تمہاری دعائیں نہیں سن سکتے اور سن لیں تو ان کا تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے"۔ (سورۂ فاطر آیات ۱۳، ۱۴)

پر دہت اور جادوگر لحظہ بھر کے لئے بھی اپنے مفادات سے غافل اور اختیارات سے دستبردار نہ ہوئے۔ خدائے واحد کے تصور کو خالص نہ رہنے دیا۔ اس میں اپنے بت شامل کر دیئے۔ یہ شرک ان کی مکاری اور ہوشیاری کا ثبوت ہے۔ اللہ کا نام لیا جاتا تو اس کے ساتھ بتوں کو بھی یاد کیا جاتا۔ عرب میں اللہ کا تصور اسلام سے قبل بھی موجود تھا۔ رسولِ اکرمؐ کے والدِ گرامی کا نام عبداللہ تھا۔

رفتہ رفتہ اللہ کو ثانوی حیثیت دے دی گئی۔ دیوی دیوتا مقدم ہو گئے۔

اسلام کی پہلی اور سب سے بڑی جنگ شرک کے خلاف تھی۔ پروہتی نظام کی جکڑ بندی بڑی سخت تھی۔ دیوی دیوتاؤں نے لوگوں کے دلوں میں جڑ پکڑ لی تھی۔ اس جڑ کو اکھاڑنا اور صدیوں کی قوت کو للکارنا آسان نہ تھا۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ نے اپنے اپنے زمانے میں اس قوت کو للکارا لیکن یہ شکست نہ ہوئی۔ ابھرتی ہی چلی گئی۔ عہدِ جاہلیت میں اس نے کعبے پر قبضہ کر لیا اور مسجدُ الحرام کو بتکدہ بنا دیا۔ وہاں تین سو ساٹھ بت بٹھا دیئے۔ کاٹھ اور پتھر کے بدوضع بت فنِ بت گری سے ناآشنا پروہتوں نے گھڑے تھے یا پھر باہر سے منگواتے تھے۔ لوگ ان کے گرویدہ تھے۔ کاہنوں کا راج تھا۔

کعبے کے پروہتوں کی طاقت کا پتہ ایک مثال، مکّے کے والی عبدُالمطّلب کے بیٹے عبداللہ (رسول اکرمؐ کے والد) کی زندگی سے ملتا ہے۔

عبدُالمطلب نے قسم کھائی کہ ان کے یہاں دس لڑکے ہوئے تو ایک کو بتوں پر قربان کر دیں گے۔ چنانچہ مراد پوری ہوئی تو انھوں نے ایک لڑکے کو قربان کرنے کا قصد کیا۔ پروہت سے فال نکلوائی تو عبداللہ کا نام نکلا۔ پھر جب لوگوں کے اِصرار پر بیٹے کی جان کے بدلے حیوانی قربانی کا طے کیا تو از سرِ نو فال نکلوائی۔ بالآخر سو اونٹوں کی قربانی کے عوض بیٹے کی خلاصی ہوئی یہ سب پروہتوں کا گورکھ دھندا تھا۔

کعبے کے معمار ــــ حضرت ابراہیم عَلیہِ السّلام نے انسانی قربانی موقوف کر کے حیوانی قربانی

رائج کی۔ اولادِ آدم پر زبردست احسان کیا لیکن پروہتی نظام نے انسانی قربانی کی ریت قائم رکھی (انسانی قربانی کی تازہ ترین مثال بھارت کے ایک شہر میں پتی کے مرنے پر اس کی نوخیز پتنی کے شوہر کی چتا پر جل مرنے (ستی ہونے) سے تازہ ہوئی ہے۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی زبردست، قوی اور مستحکم سحری نظام سے سابقہ پڑا۔ اسلام کسی صورت میں پریسٹ ہڈ (پروہتی نظام) کو گوارا نہیں کرتا۔ آپؐ کی طویل جدوجہد کا بھی بڑا مقصد تھا کہ شرک کی بیخکنی کی جائے۔ پروہتی نظام یعنی مذہبی اجارہ داری کا خاتمہ کیا جائے اور فریب آلود دینِ ساحری کی جگہ لوگوں کو صاف ستھرا اور ترقی پسند مسلک دیا جائے اسلام ایسا نظام تھا جس میں کوئی اجارہ داری نہ تھی، اس پر عمل کرنے کے لئے کسی پروہت کسی ساحر کی ضرورت نہ تھی۔ قرآن اور رسولؐ کی سیرتِ پاک ہر ایک کے لئے قابلِ فہم تھی۔

اسلام سہل ہے، سادہ ہے، رسوم و قیود کے گورکھ دھندوں سے پاک ہے دنیا میں کوئی دوسرا مذہب اتنا ہمہ گیر اور اتنا مفید نہیں۔

ایک معبود ہے، ایک پیشواؐ ہے۔ باقی سب لوگ اپنے پیشوا کے تابع ہیں۔

اخوت اور مساوات اسلام کی بے بدل اساسی قدریں ہیں۔ دنیا کا ہر مذہب اور ہر فرقہ ان سے متاثر ہوا۔ تمام غیر مسلم مصلحین اور مفکرین نے نسل پرستی کے معتقدات اور فرقہ وارانہ امتیازات کو مسترد کر کے کسی نہ کسی صورت میں اسلام کی ان دونوں قدروں کو قبول کیا۔ ہند میں تو منظم طور پر بھگتی تحریک شروع ہوئی جس نے منو کی چھوت چھات اور چار ورنوں (برہمن، کشتری، ویش اور شودرا) کے غیر انسانی نظریے کے خلاف آواز اٹھائی، اخوت اور مساوات کا پرچار کیا۔ درحقیقت یہ سب کچھ ڈھونگ تھا۔ ہوا یوں کہ جب مسلمان آقا اور غلام کا فرق مٹا کر، اخوت و مساوات کا قابلِ رشک نمونہ بن کر توحید اور عدل و انصاف کا پرچم لئے کفرستانِ ہند میں آئے تو بت خانوں میں زلزلہ آ گیا اور پروہتی ٹولے میں سراسیمگی کی لہر دوڑ گئی۔ برہمنی سامراج کو فکر لاحق ہوا کہ کہیں اس کے زخم خوردہ اور پامال کئے ہوئے کروڑوں بے بس انسان مسلمان نہ ہو جائیں انکے غلاموں

کی بستیاں ان کی گرفت سے نہ نکل جائیں۔ چنانچہ اسلام کے ریلے کو روکنے کی غرض سے برہمنی سامراج نے بڑی مکاری سے اخوت و مساوات کو اپنایا اور بھگتی تحریک کو ملک کے طول و عرض میں پھیلایا لیکن یہ دکھاوے کے لئے تھا۔ اسلام کا جادو سر چڑھ کر بولا۔ جب تک مبلغینِ اسلام، علماء، حکمران اور صوفیاء مستعد رہے اسلام پھیلتا چلا گیا۔ مسلمان دنیا کی سپر پاور بنے رہے لیکن جب غافل ہوئے تو بلندی سے پستی پر آ گئے۔

ہند میں آج بھی منو کی خود ساختہ ذات پات کی تمیز اور چھوت چھات اپنی تمام ہولناک خرابیوں کے ساتھ موجود ہے۔ پروہتی نظام اور دیو مالا کے موجدوں نے انسان کو آقا اور غلام کے دو واضح طبقوں میں بانٹ رکھا ہے۔

پروہتی نظام ابتداء میں دینی اور دنیوی دونوں نوع کی وجاہتیں اپنے اندر سموئے ہوئے تھا۔ پھر جب آبادی بڑھی، بستیاں اور گروہ بڑے ہوئے، مسائل میں اضافہ ہوا اور انتظامی پیچیدگیاں پیدا ہوئیں تو پروہتوں نے مندر سنبھال لئے، قبائلی سرداروں نے تخت و تاج پر قبضہ جمالیا۔ محل اور قلعے بنا لئے۔ موقع شناس پروہتوں نے قبائلی سرداروں اور وڈیروں سے گٹھ جوڑ کر لیا۔ پروہتوں کے پاس خدائی طاقت کا حربہ تھا۔ انہوں نے جو خدا تراشے تھے، انہیں وہ کٹھ پتلیاں سمجھتے اور تار ہلاتے رہتے چنانچہ ان کی برتری تسلیم کی گئی۔ انہوں نے اس کے عوض وڈیروں کو ان کی سلامتی کی ضمانت دی۔

فرعون آخن عطون نے پرانے پروہتی نظام کو برباد تو کیا لیکن اس کے لئے اسے خود پروہت بننا پڑا۔ اس نے ربّ عمون کے دین کو مسترد کر کے عطون کا جو مسلک رائج کیا اس کا وہ خود ہی خالق تھا۔ اسی نے ربّ عطون کی طویل حمد لکھی اور اس کی تبلیغ کی۔ ربّ عطون کا مندر بنایا اس کی پوجا پاٹ کا اہتمام کیا۔ فرعون آخن عطون کی موت کے بعد اس کا دینی شیرازہ بکھر گیا۔

بہرحال یہ ایک استثنائی صورت ہے ورنہ پروہتی نظام بے روک ٹوک دنیا میں برقرار رہا۔ پروہتی نظام اور وڈیرہ شاہی میں از سرِ نو سمجھوتہ ہوا۔ اب دینِ ساحری کو پہلے سے بھی زیادہ

قوت ملی۔ پروہت زیادہ قوی ہو گیا۔ اگرچہ دونوں میں رقابتیں رہیں "جیو اور جینے دو" کے اصول پر زندگی گزرتی رہی۔

پروہتی راج اور وڈیرہ شاہی کی ابتداء، ایگری کلچر (زرعی تہذیب / ثقافت) سے ہوئی مصریات والوں کے نزدیک اس کی تاریخ کم و بیش سات ہزار سال پرانی ہے۔ جب لوگ غاروں، جنگلوں اور پہاڑوں سے باہر نکلے تو انہوں نے کھیتی باڑی کا آغاز کیا۔ نیل کنارے کی خودرو گندم کو کھیت میں لے آئے۔ مصریوں کے آدم ــــ فرعون اوسائی رس نے پہلے پہل گندم اگائی اور زرعی نظام کی بنیاد رکھی۔ یہیں سے پروہتی نظام اور وڈیرہ شاہی کا مستقل بنیادوں پر قیام ہوا۔ زمین، دریا، دھوپ، مینہ گرج چمک اور جانوروں کے حوالے سے دیوی دیوتا معرضِ وجود میں آ گئے۔ حد تو یہ ہے کہ بانر (بندر) ناگ اور لنگ بھی دیوتا بن گئے۔ ہند میں اب بھی ناگ پوجا اور لنگ پوجا ہوتی ہے۔ دینِ ساحری منظّم و مستحکم ہوا۔ اس کا عروج انتہائی بلندی پر پہنچا۔

اقطاعِ عالم کے عوام پروہتوں اور وڈیروں کے تابعِ فرماں ہوئے۔ بیشتر لوگ شہری حقوق اور زندگی کی آسائشوں سے محروم رہے۔ انہیں اپنی تقدیر پر شاکر رہنے کی تلقین کی گئی۔ پروہتوں اور وڈیروں نے مل کر ایک دوسرے کو سہارا دیا۔ دنیا کی تمام آسائشیں اور جملہ اختیارات اپنے لیے مخصوص و محفوظ کر لیے۔ قبیلے کی تمام املاک (عورتوں سمیت) ان کی مِلک ہوتیں۔ وڈیرے کے مرنے یا اسے قتل کرنے پر اس کا بڑا بیٹا اپنے باپ کی عورتوں اور املاک کو اپنی تحویل میں لے لیتا راعی کے لیے سب کچھ تھا، رعایا کے لیے صرف صبر و شکر تھا۔

ظہورِ اسلام سے قبل تک دینِ ساحری ہی کرۂ ارض پر مسلط تھا۔ کسی کے پاس اس کا توڑ نہ تھا۔ اسلام آیا تو اس کا زور ٹوٹا۔ جہاں جہاں اسلام پہنچا، جہاں جہاں مسجد بنی وہاں وہاں سے دینِ ساحری رخصت ہوا۔

دینِ ساحری نے دنیا کو عذاب میں مبتلا کیے رکھا۔ ہزاروں تماثیل (مورتیں اور مورتیاں) گھڑی گئیں دیو مالا کا لامتناہی سلسلہ تیار کیا گیا۔ یہ سارا گورکھ دھندا عام آدمی کی فہم و فراست اور گرفت

سے دور دور رہا۔ رسومات کا ہجوم اور ان کا رواج اتنا بڑھا کہ روز و شب کا کوئی لمحہ ان سے خالی نہ رہا، توہمات اور خدشات کا بوجھ ناقابلِ برداشت ہوگیا۔ زندگی جادوگر کی بھول بھلیاں میں کھوگئی۔ آدمی غائب ہوگیا۔ وڈیرہ شاہی نے بنی نوعِ انسان کو ان گنت قبیلوں میں بانٹ دیا۔ اس تقسیم در تقسیم سے ان میں پھوٹ پڑگئی۔

جب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تو عرب پر وڈیروں، کاہنوں اور پروہتوں کا تسلط تھا۔ مخلوقِ خدا ان کے زیرِ نگیں تھی۔ یہ مطلق العنان حکمران تھے۔ حضورؐ نے انہیں للکارا تو یہ بپھر گئے اور پوری قوت سے نبرد آزما ہوئے۔ اسلام انہیں مٹانے اور عوام کو ان سے نجات دلانے آیا تھا۔ دینی اور دنیوی وجاہتیں، اونچی مسندیں مسترد کردی گئیں۔ پروہتوں اور قبائلی سرداروں یعنی مطلق العنان حکمرانوں نے اپنی ذات کی نفی کا سامان دیکھا تو انہوں نے حضورِ اکرمؐ اور ان کے پیروکاروں کے خلاف پہلے تو سرد جنگ چھیڑی اور جب دال نہ گلی تو عاجز آکر بڑے بڑے لشکر تیار کئے اور پورے ساز و سامان سے چڑھائی کی۔ اسلام جہاں امن و آشتی اور صلح و صفائی کا مذہب ہے وہاں توانائی کا لازوال اور بے پایاں سرچشمہ بھی ہے۔ یہ دولت کے انباروں، رئیسانہ ٹھاٹھ اور نمائش و زیبائش کی بجائے سادگی، اعلیٰ اخلاق، اعلیٰ کردار اور پاکبازی کو وجہ احترام قرار دیتا ہے۔ یہی سبب تھا کہ اسلام کی اخلاقی اور روحانی قوت کے سامنے کاہنوں اور قبائلی سرداروں کی ناپائیدار اور ناقص مادی، دنیوی اور سحری قوت ہیچ ثابت ہوئی۔

یہ صرف کہنے کی بات نہیں بلکہ حرف بحرف درست ہے۔ رسولِ عربیؐ نے ہر موقع پر اس کا عملی ثبوت دیا۔ آپؐ نے زندگی کے کسی مرحلے پر دولت مند بننے کے لیے کوئی طریقہ اختیار نہ کیا۔ جب آپؐ نے مکے کی سب سے مالدار اور خوشحال خاتون ـــ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بیاہ کیا تو انہیں بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ وہ بھی درویش بن گئیں اور انہوں نے ویسی ہی سادگی اختیار کی جو حضورؐ کا خاصہ تھی۔ اپنی دولت خدا کی راہ میں بے دریغ خرچ کی۔

سادگی اور سچائی وہ ایسے ہتھیار تھے جن سے پروہتوں اور قبائلی سرداروں کے چھکے چھوٹ

گئے۔ آپؐ کا فرمان ان کی موت کا سامان لایا۔ مکے کے قریب خوردہ بڑوں نے آپؐ کو سنہری زر کے جال میں پھانسنے کی تدبیر کی چنانچہ تمام سرداروں کے مشورے سے نامور وڈیرہ اور مدبر عُتبہ بن رَبیعہ آپؐ کے پاس آیا اور بولا۔

"میرے بھتیجے محمدؐ! اگر تم اس کارروائی سے مال و دولت جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم خود ہی تمہارے پاس اتنی دولت جمع کر دیتے ہیں کہ مالا مال ہو جاؤ۔ اگر عزت کے بھوکے ہو تو ہم سب تمہیں اپنا رئیس مان لیتے ہیں۔ اگر حکومت کی خواہش ہے تو ہم تمہیں بادشاہ عرب بنا دیتے ہیں۔ جو چاہو سو کرنے کو حاضر ہیں مگر تم اپنا طریق چھوڑ دو" یعنی دینِ ساحری کی تکذیب مت کرو، وڈیرہ شاہی اور پروہتی راج کو کھلی چھٹی دو۔ "نبیِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ۔۔۔ "جو کچھ تم نے میری بابت کہا وہ ذرا بھی صحیح نہیں۔ مجھے مال عزت دولت، حکومت کچھ درکار نہیں"

اس کے بعد آپؐ نے قرآن کی چند آیات پیش کیں" کلام پاک سننے سے عُتبہ بن رَبیعہ پر محویت کا عالم طاری ہو گیا وہ ہاتھوں پر سہارا دیئے، گردن، پشت پر ڈالے ہوئے سنتا رہا اور بالآخر چپ چاپ اٹھ کر چلا گیا۔ قریش (جنہوں نے اسے بھیجا تھا) ملاقات کا نتیجہ معلوم کرنے کے مشتاق بیٹھے تھے انہوں نے پوچھا، کیا دیکھا، کیا کہا، کیا سنا؟"

عُتبہ بولا، معشرِ قریش! میں ایسا کلام سن کر آیا ہوں جو نہ کہانت ہے، نہ شعر ہے، نہ جادو ہے، نہ منتر ہے،

میرا کہا مانو، میری رائے پر چلو! محمدؐ کو اپنے حال پر چھوڑ دو!"

"لوگوں نے یہ رائے سن کر کہا، تو عتبہ پر بھی محمدؐ کی زبان کا جادو چل گیا"

"جب لالچ کی تدبیر نہ چلی تب سارے قبیلوں کے سردار اکٹھے ہوئے اور انہوں نے نبی صلعم کے چچا کے پاس آ کر یوں تقریر کی"۔۔۔

"ہم نے آپ کا بہت ادب کیا۔ آپ کا بھتیجا ہمارے ٹھاکروں اور بتوں کو جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں کہ اتنا سخت سست کہنے لگا ہے کہ اب ہم صبر نہیں کر سکتے۔ آپ اسے سمجھا کر چپ رہنے کی ہدایت کر دیں ورنہ ہم اسے جان سے مار ڈالیں گے اور تم اکیلے ہم سب کا کچھ نہیں کر سکو گے"

یہ محض دھمکی نہیں تھی کفارِ مکہ رسولِ اکرمؐ کے انکار پر اسے عملی شکل دینے کا تہیہ کر چکے تھے سچ تو یہ ہے کہ اس سے ابوطالب بھی ڈر گئے۔ وہ والیٔ مکہ بھی تھے اور خاندان کے سربراہ بھی اور اپنے بھتیجے کی سلامتی کے ضامن۔ انہوں نے آپؐ کو بلایا اور صاف صاف کہا "بت پرستی کا رد نہ کیا کرو ورنہ میں تمہاری حمایت نہیں کر سکوں گا"!

لیکن رسولِ اکرمؐ پر کفار کی دھمکی کا ذرّہ بھر اثر نہ ہوا۔ آپؐ لالچ میں آئے نہ خوفزدہ ہوئے۔ آپؐ نے ابوطالب سے کہا ۔۔۔۔۔

"چچا! اگر یہ لوگ سورج کو میرے دائیں ہاتھ پر اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر لا کر رکھ دیں تب بھی میں اپنے کام سے نہ ہٹوں گا اور خدا کے حکم میں سے ایک حرف بھی

کم و بیش نہ کروں گا خواہ میری جان ہی چلی جائے"

کفر و شرک کے بارے میں کفارِ مکہ کا رویہ نہایت شدید اور ارادہ نہایت سخت تھا۔ لیکن رسول اکرمؐ کا رویہ شدید تر اور ارادہ سخت تر تھا۔ تبھی تو آپؐ دینِ ساحری کی جڑیں اکھاڑ پھینکنے میں کامیاب ہوئے۔

وہ لوگ جو مکے کے حکمران اور کعبے کے منصب دار تھے، سرنگوں ہوئے۔ حضورؐ سے لڑے اور لڑائی میں مارے گئے یا پھر اپنے گھر میں ذلیل و خوار ہو کر مرے۔ حضورؐ کا چچا ابولہب مرا تو حال یہ ہوا کہ اس کی لاش گل سڑ گئی۔ بیٹوں نے اسے ہاتھ تک نہ لگایا اور غلاموں نے جا کر اسے باہر پھینکا۔

آپؐ نے ایک ایک کر کے دینِ ساحری کے آثار مٹائے۔ فرقہ پرستی، گروہ بندی اور طبقاتی تمیز کا پوری طرح قلع قمع کیا۔ ایک ہی گروہ رہ گیا جس میں سبھی محکوم تھے۔ بلالؓ اور سلمان فارسیؓ اسلام سے قبل غلام تھے۔ لیکن مسلمان ہونے کے بعد انہیں عزت و احترام کا وہ مقام ملا جو کفار کے بڑے سے بڑے سردار کو نصیب نہ ہوا۔ ابوہریرہؓ اپنے افلاس کے باوجود عالی قدر مسلمانوں میں شمار ہوئے۔ حدیث کے راویوں میں ان کا مرتبہ بہت اونچا ہے۔ زیدؓ، خبابؓ اور صہیبؓ بھی امتیازی شان رکھتے تھے۔ وڈیرہ شاہی میں افلاس کو نفرت کے قابل سمجھا جاتا تھا لیکن اسلام میں اسے وجہِ شرف قرار دیا گیا۔ اس کے سامنے کفار کی امارتیں اور عزتیں خاک میں مل گئیں۔

کیسا حیرت خیز اور ناقابلِ یقین معجزہ تھا کہ کلمہ پڑھتے ہی دینِ ساحری کی سوچ دل سے محو ہو جاتی۔ مورتیں اور مورتیاں ریزہ ریزہ ہو جاتیں۔ وڈیرہ شاہی اور پیروہتی نظام کے تانے بانے بکھر جاتے۔ مفلس اور غنی میں فرق نہ رہا۔

اخلاقی، روحانی اور معاشرتی اعتبار سے یہ انقلاب اس قدر عظیم اور ہمہ گیر تھا کہ ہزاروں سال کی تہذیبی تاریخ میں

اسلام کے سواء اور کہیں اس کی مثال نہیں ملتی۔ کوئی سوچ
بھی نہ سکتا تھا کہ اس قدر مقبولِ عام اور مستحکم دینِ ساحری
یوں "آناً فاناً" غارت ہو جائے گا۔

دینِ ساحری کی بیخ کنی اس بے مثال انقلاب کا اصل مقصد تھا کیونکہ اس کے بغیر اسلام کے کوئی معنی نہ تھے۔ دینِ ساحری کی زیرِ نگرانی ایسا معاشرتی ڈھانچہ، معاشی انتظام اور نظامِ عدل قائم ہی نہ ہو سکتا تھا جو فرد کو اس ملّت کا حصہ بنا دیتا جس میں وہ اپنے لئے نہیں بلکہ سب کے لئے جیتا، اپنی دولت میں دوسروں کو شریک کرتا، خود کو کسی سے برتر نہ گردانتا۔ اور جب عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہوتا تو ادنیٰ اور اعلیٰ میں تمیز نہ کی جاتی۔ قاضی کے سامنے عام شہری اور خلیفۂ وقت ایک برابر ہوتے، بڑے کو وہی سزا ملتی جو چھوٹے کے لئے ہوتی۔

اسلام صاف ستھرا، سادہ کھرا مذہب ہے۔ اسے دینِ فطرت بھی کہتے ہیں۔ یہ واضح احکام لے کر آیا ہے اس نے کرنے اور نہ کرنے والے کاموں کی فہرست مہیا کی ہے تاکہ امر و نہی میں کسی حیلہ گر یا بہانہ ساز کے لئے شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔

یہ درست ہے کہ دینِ ساحری کے دور کی بعض رسوم اسلام میں داخل ہوئیں لیکن ان کی غایت اور مفہوم یکسر بدل گیا۔ قربانی اس کی بہت بڑی مثال ہے[۱]۔ دینِ ساحری میں سانڈ اور بکری کے علاوہ خنزیر اور ریچھ وغیرہ کی قربانی دی جاتی تھی۔ انسانی قربانی کا بھی رواج تھا۔ شہزادیوں، کنیزوں اور غلاموں کو بے دریغ قربان کیا جاتا تھا۔ حضور اکرمؐ کے والد گرامی عبداللہ بن عبدالمطلب کی جان بڑی مشکل سے بچی ورنہ ان کے گلے پر چھری پھر جاتی۔ ساحرِ زمین کو زنجیر

---

[۱] قربانی کی ہزاروں سال پرانی تاریخ کے مفصل بیان کیلئے ملاحظہ ہو راقم الحروف کی تالیف "دینِ ساحری" (عزیز بک ٹرسٹ)

بنانے اور کھیت سے پیداوار لینے کے لئے پورے قبیلے کی طرف سے قربانی دیتا۔ اس کے نظریے کی رو سے قربانی کے جانور کا خون دھرتی دیو کو پہنچتا اور وہ اس کی بدولت موسم مرگ (خزاں) کے بعد موسم بہار میں جی اٹھتا۔ وہ خون کے عوض بہار لاتا، پیڑ پودے اگاتا، انسانوں اور حیوانوں کو زندگی بخشتا۔ حضرت ابراہیم عؑ نے دینِ ساحری کی سوچ اور ریت کو مٹایا۔ انسانی قربانی کا خاتمہ کر کے حیوانی قربانی کو رواج دیا۔ اسلام نے اسی قربانی کو اپنایا۔ خنزیر، ریچھ اور دیگر متعدد حیوانات کی قربانی کو ممنوع قرار دیا۔ چند حیوانات (بکرا، مینڈھا، گائے، اونٹ) کی قربانی کو جائز قرار دیا۔ اور فریب خوردہ ساحروں کے غلط نظریے کے خلاف صریحاً کہا کہ ذبیحے کا خون اللہ کو نہیں پہنچتا۔ لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اس کا گوشت بلا تکلف کھائیں دوسروں کو کھلائیں اور جذبہ ایثار کو تازہ رکھیں۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (سورۂ کوثر)

(پس اپنے ہی رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی دو)

پھر رسول اللہ نے یہ بھی فرمایا "جو شخص غیر اللہ (کسی بت) کے نام پر جانور ذبح کرے اس پر اللہ کی لعنت" (کتاب التوحید ص ۱۲۱)

دینِ ساحری میں دعا کا دستور نہیں۔ اسلام میں دعا داخلِ معمول ہے۔ دعا میں شفاء ہے مشکلات کا حل ہے۔ مصائب کی دنعیت ہے۔ یہ ایک روحانی عمل ہے۔ بندہ جب دل کی گہرائی سے اپنے رب سے کچھ مانگتا ہے تو اس کے اندر عجز و انکسار کے ساتھ امید کی کرن بھی بیدار ہوتی ہے۔ ہمت بندھتی ہے۔ اپنے رب سے رشتہ استوار ہوتا ہے۔ احساسِ قرب کے تازہ ہونے سے اس میں توانائی پیدا اور ایسی نفسیاتی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ جو اس کی طلب پوری کرنے میں اس کے آڑے آتی ہے۔

عبادت قدیم ترین دینی عمل ہے۔ سحریات میں اس کا مفہوم مضحکہ خیز ہے۔ بت پرستی

آدمی کے گھڑے ہوئے مٹی، پتھر اور کاٹھ کے خداؤں یا ان کی فرضی تصویروں کی پرستش کا نام ہے۔ سحر پرست خدا کو سمجھے نہ مورتیوں سے قابلِ فہم یا قابلِ عمل مفہوم پیدا کر سکے۔ بندر، ہاتھی، گیدڑ، لنگ، ناگ، نندی (سانڈ) زمین، پانی، سورج سبھی خدا تھے۔ دینِ ساحری میں عبادت ریت (RITUAL) کی صورت میں ملتی ہے۔ دیوتا کو رجھانے، اس پر حکم چلانے، خزاں میں اس کے مرجانے اور بہار میں اسے جلانے کے لئے قربانی دی جاتی، ناچ گانے اور دیگر متعدد طریقوں سے عبادت کی جاتی۔ لنگ پوجا[1] اگنی پوجا اور عجل پرستی (بچھڑے کی پوجا) بھی عبادت تھی رگ وید اگنی دیو کی حمد و ثنا کے گیتوں سے معمور ہے۔ ناٹک کھیلنا اور دیکھنا بھی عبادت تھا۔ لنگ پوجا[1] ناگ پوجا اور عجل پرستی دھرتی دھرم کی ذیل میں آتی تھیں۔ زمین پرستی اور شمس پرستی دینِ ساحری کے دو بڑے مسلک تھے۔ دراوڑی قومیں زمین پرست تھیں۔ آریہ شمس پرست تھے (ہند کے آریاؤں نے اسی بنیاد پر لنکا کے زمین پرستوں پر چڑھائی کی اور یونان کے شمس پرست آکیا ﺋﯿﻮں نے طروئے کے زمین پرستوں پر دھاوا بولا۔ وہاں سیتا ہرن اور یہاں ہیلن کا اغوا بہانہ بن گیا)[2] مورتیاں گھڑنا اور ان سے مندروں کو سجانا دینِ ساحری کا مسلک رہا ہے نذر نیاز دینا بھی انہی کا وطیرہ ہے۔

مندروں میں گھنٹیاں بجاتے، سنکھ پھونکتے اور اس طرح بدروحوں کو بھگاتے، ہر بستی بدروحوں کی گرفت میں ہوتی۔ کفارِ مکہ سیٹیاں بجاتے۔

---

[1] سومنات کے عظیم الشان اور زر و جواہر سے لدے پھندے مندر کے جس بھونڈے پتھر کو دیکھ کر مجاہدِ کبیر محمود غزنوی کو کراہت آئی، جس نے اس کے ذوقِ جمال اور نفاستِ طبع کو مجروح کیا۔ اور جسے توڑا وہ بہت بڑے حجم کا لنگ تھا۔ اس حجم کے لنگ بنارس، متھرا اور چند دوسرے مندروں میں موجود تھے۔ ہندو لنگ کی تعظیم اور پرستش کرتے

[2] راون نے سیتا کو اس لئے ہرن کیا کہ اس کی بہن روپ نکھا کو رام کے چھوٹے بھائی لچھمن نے ذلیل کیا اور اس کی ناک کاٹی کیونکہ وہ رام سے پیار کر بیٹھی تھی۔ غیر متمدن راون نے اپنے زمانے کی ریت کے مطابق انتقام لیا۔ ہیلن کے اغوا کا سبب یہ تھا کہ وہ طروئے (ایلیون، ایلیم، طروئیا یا طروجہ) کے شہزادے پیرس کی منگیتر تھی۔ یونان کے شمس

لڑکیوں کو دیوتا کی بھینٹ چڑھاتے، دیوداسی بنا کر مندروں میں پہنچاتے۔ تہذیب کے اوائلی دور میں دیوداسیاں طوائفوں کا کردار ادا کرتیں۔ تریاراج میں دنیا کی پہلی طوائف دیوداسی ہی کے روپ میں نمودار ہوئی۔ شوراتری کو بستی کے سب لوگ مندر میں جمع ہوتے اور پروہت کے ایماء پر بہن بھائی اور باپ بیٹی کے رشتے کی تمیز کی پرواکئے بغیر خوشی خوشی باہم جنسی عمل کرتے۔ یہ لنگ پوجا تھی پروہتوں کا ایک فرض کہانت گاہ کو سنبھالنا تھا۔ ڈیلفی (یونان) اور عہدِ جاہلیت میں کعبہ کہانت گاہ کا کام دیتا۔ دونوں جگہ دھرتی پجارن کاہنہ یہ فرض انجام دیتی۔

رہبانیت بھی عبادت ہی کی شاخ تھی۔ آخری عمر میں لوگ ترکِ دنیا کرتے، لوگ کا مارگ پکڑتے، یوگی (جوگی) اور سنیاسی بن جاتے۔ دنیا داری سے سروکار نہ رکھنے، دنیا داروں سے ہٹ کر جنگلوں اور ویرانوں میں ڈیرہ لگاتے۔ آسن جمانے، دھونی رماتے، سنیاس آشرم بناتے اور تنہائی کی زندگی بسر کرتے۔ تپسیا میں مگن رہتے۔

اسلام نے دینِ ساحری کی تمام عبادتیں رد کیں اور نماز، روزے اور اعمالِ صالحہ کو عبادت

پرست فاتح آنے گا میمنون کے بھائی مینلاس نے اسے جبراً گھر میں ڈال لیا تھا۔ اگیگا میمنون نے ہیلن کی بہن کلائی تیم نیسٹرا سے جبراً بیاہ کیا۔ دونوں بہنیں زمین پرست تھیں۔ لنکا اور طروئے چھوٹے چھوٹے جزیرے تھے جہاں جیالے زمین پرست تھیں اور شمس پرستوں کے بڑے بڑے پڑوسی ملکوں سے بھارت اور یونان کی آنکھوں میں کھٹکتے تھے۔ یہ چھوٹے ملک ان پڑوسی ملکوں کے توسیعی عزائم میں سدِ راہ تھے۔ دونوں جگہ ایک جیسا انجام نکلا۔ لنکا اور طروئے دونوں کو نذرِ آتش کیا گیا۔ دونوں جگہ سے مغویہ عورتیں واگذار کی گئیں۔ بعدازاں سیتا اپنی تطہیر کے لئے زمین میں گڑ گئی۔ ہیلن کا معاملہ قدرے مختلف رہا۔ پیرس کے ہمراہ ہیلن کی آتشی مورتی گئی تھی۔ اصل ہیلن فرعون مصر کے محل میں پہنچائی گئی۔ اور جنگ کے بعد وہاں سے لائی گئی تھی۔ آتشین ہیلن جل گئی۔

یہ ایک ہی داستان کے دو روپ ہیں۔ یاد رہے کہ ہندوؤں کے یہاں پروسی تاریخ کے واقعات فتوحات و قابلِ فخر کارناموں، ایجادات و اختراعات کو اپنانے کی ریت موجود ہے۔

قرار دیا۔ اسلامی عبادت سے تزکیۂ نفس ہوتا، روحانی قوت بڑھتی اور اس سے پورے معاشرے کی بھلائی ہوتی ہے۔ بصیرت جِلا پاتی، ضمیر بیدار ہوتا اور فرد کو خیر العمل پر مائل کرتا ہے۔ نیکی کے راستے پر چلنا ہی عبادت ہے۔ اگر ایک شخص روزمرہ کے معمولات میں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلتا ہے تو وہ ہمہ وقت مصروفِ عبادت رہتا ہے۔ عبادت صرف مسجد ہی میں نہیں بلکہ ہر جگہ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے کی جاتی ہے۔

عبادت کی غایت اللہ کی بندگی کرنا، کردار سنوارنا، فکر و عمل میں نظم و ضبط پیدا کرنا اور دنیا کو بدی سے پاک کر کے جنت کا نمونہ بنانا ہے۔ فی زمانہ مسلمان ایک بار پھر دینِ ساحری کے پھندے میں پھنس گئے ہیں۔ انہوں نے کتنی ہی غیر اسلامی باتیں روزمرہ کے معمولات میں شامل کر لی ہیں۔ نکاح کو لیجئے! یہ سیدھا سادہ شرعی عمل ہے لیکن اب تماشا بن گیا ہے۔ ہندوانہ مشرکانہ رسُوم نے اسے عذابِ جاں بنا دیا ہے۔ قبر پرستی عام ہے۔ لوگ بزرگوں کے مقبرے تعمیر کرتے، سونے چاندی کے دروازے لگاتے، انہیں زیارت گاہ بناتے اور مشکل کشائی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ قبروں پر جا کر منّت مانگتے اور مُردوں سے مدد طلب کرتے ہیں۔ ان درویش صفت بزرگوں نے بوریے اور چٹائی پر زندگی گزاری۔ عیش و عشرت کے قریب بھی نہ پھٹکے۔ پیوند لگی گدڑی پہنی، فاقہ کشی کی، آسائش اور آرائش سے متنفّر رہے، شرعِ محمدیؐ پر چلے۔ مرنے کے بعد لوگوں نے ان کے نظریات اور اندازِ حیات کو فراموش کر دیا۔ قرآن و سُنّت کی پیروی ترک کر دی۔

حلال و حرام کی تمیز مٹ گئی ہے۔ مشرکین کے معمولات اختیار کر لیے گئے۔ اس کے اسباب ہیں۔

و۔ لوگ قرآن کی صرف تلاوت کرتے ہیں۔ اس کا مفہوم نہیں سمجھتے۔ ترجمہ نہیں پڑھتے۔ حواشی پر بھی توجہ نہیں دیتے۔

ب۔ گنڈے تعویز امرت دھارا کی طرح بِک رہے ہیں۔

ج۔ لوگ اسلام کی فطری سادگی اور اصلیت سے بے خبر ہو گئے ہیں۔ اسلام قرآن میں محفوظ ہے اور قرآن طاقوں میں رکھا ہے، عمل سے کسی کو واسطہ نہیں۔

د۔ علماء بالعموم عمل کی دولت سے محروم ہیں۔ ان کے یہاں قول و فعل کا تضاد بہت بڑھ گیا ہے۔

ھ۔ مسجد کا وہ کردار ختم ہو چکا ہے جو رسول اکرمؐ کے زمانے میں اسے حاصل تھا۔ یہ اسلام کا قلعہ تھی۔ رسول اکرمؐ کے عہد میں مسجد اسلام کے جمال و جلال، شان و شوکت اور عظمت و ہیبت کی علامت تھی۔ کفر اس سے خائف رہتا۔ سلاطینِ عالم کو یہیں بوریے اور چٹائی پر بیٹھ کر للکارا جاتا۔ یہ دار التبلیغ بھی تھی۔ دار الحکومت بھی، خارجہ اور داخلہ امور یہیں طے پاتے، چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا فیصلہ یہیں کیا جاتا۔

و۔ تبلیغ کا سلسلہ غیر منظم اور غیر موثر ہو کر رہ گیا ہے۔ مساجد کے بیشتر امام نااہل اور کم تعلیم یافتہ ہیں وہ عوام کو بہکا تو سکتے ہیں۔ انہیں سیدھی راہ پر نہیں لا سکتے۔ لوگوں کو جاہل بنانے کا سلسلہ شد و مد سے وسیع پیمانے پر جاری ہے۔

بعض ذہین اور لائق سکالر ریڈیو اور ٹی وی پر نہایت فلسفیانہ گفتگو کرتے ہیں۔ ان کی نکتہ آفرینی خوب سہی لیکن یہ لوگوں کو اسلام کے قریب لانے میں ناکام رہی ہے۔ یہ نہیں بتایا جاتا کہ لوگ قرآن کی تعلیمات کو کس طور روزمرہ کی معاشرتی اور اقتصادی زندگی میں منتقل کریں۔ انہیں کوئی نہیں سمجھاتا کہ از روئے قرآن سمگلنگ، چور بازاری، ذخیرہ اندوزی، زائد منافع خوری، سیم و زر کا اکتناز، رشوت خوری، تخریب کاری، ہوس و حرص شیطانی کام ہیں۔ انہیں ترک کریں، رزقِ سہل بدترین گناہ ہے۔ اسلام سادہ اور واضح ہے۔ روزمرہ کی زندگی کے حوالے سے اس کی تعلیمات سہل اور قابل عمل ہیں۔ یہ ہر قسم کی مشرکانہ رسوم، آلودگیوں اور بیہودگیوں سے پاک ہے۔ عمل کے بغیر مبلغ کی کوئی وقعت نہیں اس کی زبان تاثیر نہیں رکھتی۔

ہم مسلمان تو ہیں لیکن دینِ اسلام سے زیادہ دینِ خرافات پر فریفتہ ہیں۔ یہی ہمارے زوال کی بنیادی وجہ ہے۔ جس دن ہم نے قرآن اور سنت پر عمل کیا ہم زوال کے گڑھے سے نکل آئیں گے اور قوت و توانائی کا سرچشمہ جاری ہو جائے گا۔ دینِ ساحری اپنی موت آپ ہی مر جائے گا۔ مشرکانہ رسوم مٹ جائیں گی۔ زندگی نکھر سنور کر نئی سج دھج سے طلوع ہو گی۔

جادو کیا ہے

جادو اور شعبدہ بازی میں زمین آسمان کا فرق ہے لیکن عام طور پر شعبدہ بازی ہی کو جادو سمجھ لیا جاتا ہے ایک زمانے میں (اسلام سے پہلے) جادو ہی وقیع ترین تہذیبی قدر تھا اسے انتہائی ذہین، عیار اور جاہ پرست لوگوں نے وضع کیا۔ اس کی ایجاد و اختراع، ترتیب اور ارتقاء میں سینکڑوں پروہتوں، شاعروں، موسیقاروں، سائنس دانوں اور عالموں کی تخلیقی کاوشیں شامل ہوئیں۔ ترمیم و تنسیخ، اضافے اور شیرازہ بندی کا عمل صدیوں جاری رہا۔ جادو ہی کی تحریک نے بابل، اشوریا، مصر اور موہنجوڈرو میں زرعی کلچر (AGRICULTURE) کو پروان چڑھایا۔ مصر اور میسوپوٹیمیا میں اس کا عمل دخل دنیا بھر میں سب سے زیادہ مدت تک مسلسل رہا۔ پروفیسر جیمز ہنری بریسٹڈ کی تحقیقات کے مطابق دنیا کا پہلا ۳۶۵ دن کا کیلنڈر زیریں مصر (ڈیلٹا) کے زمین پرست پروہتوں یعنی جادوگروں نے ۴۲۴۱ قبل مسیح تیار کیا۔ کیلنڈر کی تیاری کوئی معمولی کام نہ تھا مندرجہ بالا تاریخ سے کم و بیش ایک ہزار سال پہلے اس کی سوچ پیدا ہوئی ہوگی مصر اور میسوپوٹیمیا کے زوال پر یونان کی سرزمین میں دیومالا کا دور دورہ ہوا۔ یونان کی پانچویں صدی تہذیب و تمدن کی تاریخ میں خاص شہرت رکھتی ہے اسی صدی میں دیومالا کے زیر اثر یونان کا بے مثال تھیٹر آخری نقطۂ عروج کو پہنچا۔ یہاں تین عظیم ترین تمثیل نگار، ایسکی لس، سوفر کلیز اور یوری پیڈیز کے وہ ڈرامائی شاہکار پیش ہوئے جو شعر، موسیقی اور رقص کی اکائی تھے ایسے انوکھے ڈرامے پھر کبھی معرض وجود میں نہ آئے ان کے ذریعے دیومالا کی تبلیغ کی گئی۔ دین ساحری (جادو) کی رو سے ان ڈراموں کو کھیلنا اور دیکھنا داخل عبادت تھا جب دورِ فلسفہ آیا تو یونان کا علم سحر و طلسم رُوبہ پنج

گیا۔ مسیح سے ہزار سال بعد بھی مشرق و مغرب میں دینِ ساحری کا چلن رہا گو اسے پہلا سا تہذیبی درجہ حاصل نہ ہوا۔ مصر، میسوپوتیمیا اور یونان کے بعد اس نے کوئی قابلِ ذکر تہذیب پیدا نہیں کی۔ پھر بھی لوگ اس کی گرفت سے نہ نکلے۔ فتح مکہ کے بعد جہاں جہاں اسلام پہنچا وہاں وہاں دینِ ساحری کا دور دورہ تھا۔ دنیا میں پہلی بار اسلام نے اپنے زیرِ نگیں خطوں میں اس کا قلع قمع کیا کوئی چھ ہزار سال تک جادو کا بول بالا رہا۔ افریقہ اور بعض دوسرے حصوں میں آج بھی ایسی POCKETS ہیں جہاں لوگوں کے پاس جادو کے سوا کوئی دوسری تہذیبی قدر نہیں۔

مصر اور میسوپوتیمیا کے جادوگروں اور ساحر طبیبوں (SHAMANS) نے دنیا بھر کو جو تہذیبی اور معاشرتی شعور دیا اسے کھنڈر کرنا سہل نہ تھا۔ جادو کی بیخ کنی کے لئے وادیٔ فرات و دجلہ اور نیل دیس میں مسلسل پیغمبر آتے رہے۔ دنیا کا یہ واحد خطہ ہے جہاں جادو کے خلاف دنیا کی سب سے بڑی اور سب سے طویل جنگ لڑی گئی جادو اور مذہب کے اس لاثانی تصادم کے باعث قرآن میں انبیاء کے اسی ایک سلسلے کا ذکر ملتا ہے جو اس خطے میں مبعوث ہوئے یہ سلسلہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آکر تمام ہوا۔ اسی لئے حضورؐ ختم المرسلین ہوئے اور نبیوں کا خاندان جادو کے خاتمہ کے بعد مکمل ہوا۔ دنیا میں اور کہیں انبیاء کا کوئی خاندان نہیں ملتا۔ البتہ یزداں پرستی نظام کے سلسلے ضرور ملتے ہیں۔

حضورؐ عرب میں مبعوث ہوئے۔ ۱۳ برس مکے میں دس برس مدینے میں رہے جان پر کھیل کر بت پرستی کے خلاف جہاد کیا۔ اگرچہ عرب کا دینِ ساحری ناقص تھا۔ دیومالا خاص وقعت نہ رکھتی تھی۔ اس سے کوئی پائیدار، دیرپا، ذی شان، تہذیب بھی پیدا نہ ہوئی تاہم کعبے کے ۳۶۰ بتوں کی پشت پر سحر و طلسم کی ۶ ہزار سال پرانی روایت تھی۔ حضورؐ نے کعبے کے بتوں کو نہیں ڈھایا بلکہ ارض الانبیاء کی قدیم گمراہ کن تہذیب کو ٹھکانے لگایا اسلام عرب سے باہر نکلا جہاں جہاں پہنچا وہاں وہاں روشنی اور روشن خیالی کو فروغ ملا۔

تہذیبی قدر کے طور پر دینِ ساحری کی آخری اور دائمی شکست ختم المرسلینؐ کا سب سے بڑا اور بے نظیر معجزہ تھا۔ حضورؐ سے پہلے کسی نبی کو ایسا معجزہ دکھانے کی توفیق ارزاں نہ ہوئی حضرت

موسیٰ نے وقتی طور پر سامری کو شکست دی لیکن دینِ سامری (دھرتی دھرم۔ مصر کی قدیم ترین عالمی ایجاد) کا خاتمہ نہ ہوا۔ حضرت سلیمانؑ نے از روئے بائبل بت پرستوں کے ارضی خدا، فرعون کی لڑکی سے بیاہ کیا۔ مزید برآں (بائبل کے الفاظ میں) "سلیمان بادشاہ فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں سے محبت کرنے لگا۔ یہ ان قوموں کی تھیں جن کی بابت خداوند نے بنی اسرائیل سے کہا تھا۔ کہ تم ان کے بیچ نہ جانا اور نہ وہ تمہارے بیچ آئیں کیونکہ وہ ضرور تمہارے دلوں کو اپنے دیوتاؤں کی طرف مائل کر لیں گی۔ سلیمان انہی کے عشق کا دم بھرنے لگا۔ اور اس کے پاس سات سو شہزادیاں، اس کی بیویاں اور تین سو حرمیں تھیں اور اس کی بیویوں نے اس کے دل کو پھیر دیا کیونکہ جب سلیمان بڈھا ہو گیا تو اس کی بیویوں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کر لیا اور اس کا دل اپنے خدا کے ساتھ کامل نہ رہا جیسا اس کے باپ داؤد کا دل تھا۔ کیونکہ سلیمان صیدانیوں کی دیوی عستارات اور عمونیوں کی نفرتی ملکوم کی پیروی کرنے لگا اور سلیمان نے خداوند کے آگے بدی کی اور اس نے خداوند کی پوری پیروی نہ کی جیسی اس کے باپ داؤد نے کی تھی۔ پھر سلیمان نے موآبیوں کی نفرتی کموس کے لئے اس پہاڑ پر جو یروشلم کے سامنے ہے۔ اور بنی عمون نے نفرتی مولک کے لئے بلند مقام بنا دیا۔ اس نے ایسا ہی اپنی سب اجنبی بیویوں کی خاطر کیا جو اپنے دیوتاؤں کے حضور بخور جلاتی اور قربانی گزرانتی تھیں اور خداوند سلیمان سے ناراض ہوا کیونکہ اس کا دل خداوند اسرائیل کے خدا سے پھر گیا جس نے اسے دوبارہ دکھائی دے کر اس کو اس بات کا حکم کیا تھا کہ وہ غیر معبودوں کی پیروی نہ کرے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایسے جلیل القدر پیغمبر جنہوں نے نسلِ انسانی پر عظیم ترین احسان کیا، جادوگروں کی صدیوں پرانی انسانی قربانی کی ریت موقوف کی، بچوں کی قربانی کی جگہ جانور کی قربانی کو رواج دیا۔ مکمل اور دائمی طور پر وادیٔ فرات و دجلہ کو بتوں کے وجود سے پاک نہ کر سکے۔ ان کے بعد ان ہی کے تعمیر کئے ہوئے کعبے میں آلِ اسمٰعیل نے بت رکھ لئے۔ نبیٔ آخرالزمان کو یہ شرف ملا کہ حضورؐ نے نہ صرف کعبہ کا گمشدہ احترام بحال کیا، بتوں کا نام و نشان مٹایا۔ بلکہ دنیا بھر میں بت پرستی کے

خلاف جہاد کیا جو حضورؐ کے زمانے میں اور بعد میں نہایت موثر ثابت ہوا۔

شعبدہ بازی

شعبدہ بازی معمولی چیز ہے اور دینِ ساحری سے سروکار نہیں رکھتی۔ شعبدہ بازی کو نظر کو دھوکا کہہ سکتے ہیں اس کے لئے تہذیبی فکر، دینی فلسفے اور دینی ماحول کی حاجت نہیں شعبدہ باز عامل تو ہوتا ہے، مفکر نہیں ہوتا۔ چند ٹکے کمانے کے لئے تماشائیوں کا دل بہلاتا ہے آج بھی لوگ عموماً ہر روز کوچہ و بازار میں خصوصاً میلوں ٹھیلوں پر شعبدہ بازوں کو مصروف کار دیکھ سکتے ہیں۔ ہنرمندی کے لئے عام سوجھ بوجھ اور مشق کی ضرورت ہوتی ہے معاشرے میں شعبدہ باز کا کردار دینی اعتبار سے کوئی حیثیت نہیں رکھتا وہ صرف تماشاگر ہے، مداری ہے اور بس۔

جادو

اگرچہ اسلام نے بت پرستی کا فکری نظام درہم برہم کیا اور عملاً اسے ناکام بنا دیا پھر بھی جس معاشرے کی ذہنی سطح چنداں بلند نہ ہو اور جو روشن خیالی اور سائنسی رجحان سے محروم ہو گھٹیا شکل میں جادو کے جال میں پھنس جاتا ہے تو توہم پرست لوگ قبر پرستی، ٹونے ٹوٹکے اور گنڈے تعویذ کو جزوِ ایمان بنا لیتے ہیں۔ یہ چیزیں جادو ہی کے شعبے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اسلام سے پہلے کوئی ایسا سائنٹیفک مذہب نہ تھا جو اس کی طرح کامل اور دائمی طور پر صحیح انداز سے عقائد و عبادات کی شیرازہ بندی کرتا۔

"جادو ایک منفی اور گمراہ کن عمل ہے"

ضرورت اس امر کی ہے کہ ان حالات کا مطالعہ کیا جائے جن میں جادو کا بیج بویا اور سینچا گیا۔

"آدمی کا پہلا اساسی ورثہ مسرت، غم اور خوف پر مشتمل تھا۔ بسا اوقات یہ تینوں یوں گھلے ملے رہتے جیسے جذبات کی اکائی ہوں۔ جیسے اپنی ہی ہیئت ترکیبی کے لاینفک اجزاء ہوں

زندگی ناپیدا کنار سمندر تھی۔ آدمی، مسرت، غم اور خوف کے بھنور میں ڈولتا ڈوبتا رہتا۔ بے یقینی کی حالت تھی۔ ہر وقت نامعلوم اور پراسرار خطرہ لاحق رہتا۔ جینے کا روشن پہلو اس سے زیادہ نہ تھا کہ شب ناتمام میں کبھی کبھی ہلکی سی لرزش کے ساتھ جگنو چمک اٹھتا۔

"آدمی نے شعور کی پہلی انگڑائی لی تو اس نے پاؤں تلے دھرتی دیکھی جو کبھی بانجھ ہو جاتی اور کبھی ہری بھری اس کی کوکھ میں چھپا ہوا تخم پھل پھول کر شادابی و سرسبزی لاتا۔ ماں بن کر مہربان ہو جاتی۔ اگرچہ آدمی دھرتی کا پوت ہے لیکن بہار و خزاں کا بھید نہ پا سکا۔ سمجھا تو بس اتنا کہ یہ دھرتی سال کے ایک حصے میں مر جاتی اور دوسرے میں جی اٹھتی ہے۔ زندگی سوالیہ نشان بن کر ابھری۔ آج بھی علم کی بیکراں وسعت کے باوجود زندگی سوالیہ نشان بنی ہوئی ہے۔ پھر اس دور میں کون مائی کا لال اس کا بھید پاتا۔ جب ابھی فہم و ادراک کی پو ہی پھٹی تھی۔ سامنے ایسے دھندلکے رقصاں تھے جو عملِ جراحی کے بعد آنکھوں سے پٹی اتارتے ہی نمودار ہوتے ہیں۔

دنیا کا پہلا آدمی ان گنت بھول بھلیوں میں گم تھا۔ ادھر پیدا ہوا اور ادھر الف لیلے اور فسانۂ عجائب کے سارے طلسم خانے اس پر ٹوٹ پڑے وہ بہت حیران ہوا اور پریشان بھی۔ اس کی سمجھ میں خاک نہ آیا۔ پھر بھی ہاتھ پاؤں مارے بغیر نہ رہا۔ فطرت نے اس میں تفکّر و تجسّس کی خو ڈالی تھی۔ حیات و کائنات کی ٹوہ میں لگ گیا۔ اس نے اپنی محدود عقل کی شہر پناہ میں رہ کر چار کھونٹ سوچا۔ ابھی تجربے کی دانش نہ ہونے کی برابر تھی۔

"بقول پروفیسر گلبرٹ مرے" دورِ اول کی نسل انسانی مظہر حیات اور دستورِ کائنات کے ضمن میں ذاتی نظریہ وضع کرتی۔ ہوا چلتی تو سمجھا جاتا کہ کوئی انسان نما مافوق الفطرت ہستی مصروفِ عمل ہے ہانپتے میں جس کے گالوں سے ہوا چھوٹ رہی ہے۔ بجلی گرنے سے کوئی پیڑ زمین پر آ رہتا تو سمجھا جاتا کہ غیبی قوت نے کلہاڑا چلایا ہے۔ لوگ طبعی موت پر ایمان نہ رکھتے ان کے نزدیک بد روح آدمی کو ہلاک کر دیتی۔"

"دھرتی کی طرح آدمی نے ہر صبح نور کی بیداری اور ہر شام اس کی موت دیکھی۔ کائنات

اس کے لیے نا قابلِ فہم اور لاینحل مسئلہ بن گئی۔ اسے بس اتنا وجدان ہوا کہ اس کائنات میں ایک پراسرار، مخفی، غیبی اور بے پناہ قوت موجود ہے جو ذرے ذرے میں جاری و ساری ہے، جو محیطِ کُل ہے، جب پہاڑی پر سے اچانک پتھر لڑھک آتا تو یہ نتیجہ اخذ کرنا قدرتی اور ناگزیر تھا کہ پتھر نے جان بوجھ کر حرکت کی ہے۔ اسی طرح اس نے بجلی، گرج، کڑک، مینہ، آگ، برف ادلے، چڑھتے اور ڈوبتے ہوئے سورج، پت جھڑ اور بہار میں قوتِ عمل دیکھی"۔

جادو کی اصطلاح میں اس قدرتی کائناتی قوتِ عمل کو "مانا" کہتے ہیں۔

"عہدِ اوّل کے آدمی کے دل میں یہی خیال پیدا ہوا کہ اس کائنات میں ایک پراسرار مخفی غیبی قوت ہے جو ذرے ذرے میں جاری و ساری ہے اور وہ انجان، اجنبی بند دروازے پر دستک دے رہا ہے۔ دروازے کھلے اور دنیا کا پہلا علی بابا خزانہ لے کر چلتا بنے اسے وہ کلمہ نہیں آتا۔ جسے زبان پر لاتے ہی پٹ کھل جاتے ہیں۔ کون اسے "سم سم کھل جا" بتائے۔"

حیات و کائنات اور مظاہرِ قدرت تو پراسرار تھے ہی خود اس کی ذات بھی اندھے پاتال سے کم نہ تھی۔ اس بھری دنیا میں وہ خود بھی ایک سوالیہ علامت تھا۔ اس نے گنگناتی ہوئی ہواؤں، تھرکتے ہوئے گل بوٹوں، ندی نالوں کی ناچتی ہوئی لہروں، دوڑتے بھاگتے اور قلانچیں بھرتے ہوئے جانوروں' ہر جاندار اور غیر جاندار پڑوسی سے پوچھا۔ اندر جھانکا، باہر دیکھا، دل سے مشورہ کیا۔ دور و نزدیک نظریں دوڑائیں۔ نہ جانے کتنا کرب سہا، کتنی بے چینی گوارا کی۔ کتنی حیرانی اور پریشانی دیکھی۔ امید کی کرن چمکی، ناامیدی کے چھینٹے آئے، غشی کے دورے پڑے نہ جانے وہ کب تک تاریک ڈگر پر بھٹکتا پھرا اور کب اسے وہ منتر، وہ اسمِ اعظم ملا جس سے خزانے کے پٹ کھلتے ہیں۔

"یہ منتر اسم سم کھل جا، تھا۔ جادو تھا۔ جادو ہی وہ کلید تھا جس کی مدد سے آدمی پر حیات' کائنات کے دروازے کھلے۔ آدمی کائنات میں داخل ہو گیا۔ یہ سب کچھ شاعرانہ اسلوب میں ہوا یعنی کائنات شعری صداقت بن گئی۔ معمل سے پہلے آدمی نے معبد قائم کیا اور سائنسی پیمانوں سے پہلے تخیّل کے وسیلے سے قیاس و قیافہ سے کام چلایا۔

زندگی، موت اور کائنات کے اسرار و رموز سمجھنے کے علم کا نام جادو پڑ گیا۔ ان اسرار و رموز کا عالم جادوگر کہلاتا۔ وہ عالم بھی ہوتا اور عامل بھی۔ وہ دعویٰ کرتا کہ مخفی، پراسرار، مافوق الفطرت اور غیبی قوت، مانا، اس کے قبضہ قدرت میں ہے وہ اسی قوت کی مدد سے غیر فانی ہستیوں کے اعمال اور ان کی منشاء میں عمل دخل رکھتا۔ جادو اس کا آلہ کار تھا، مانا، کبھی بیرونی دنیا میں ہوتا کبھی اس کی ذات میں اسے رام کر کے ہی وہ من مانی کرتا۔

سر پال ہاردے کے الفاظ میں جادو وہ جھوٹا فن تھا جس کی بابت یقین کیا جاتا کہ قدرتی واقعات پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس کی اصل وجہ وہ غلط فہمی ہے جو اولین دور کی تسلی کو قوانین فطرت سمجھنے میں ہوئی۔ آدمی نے علم و عرفان کے ابتدائی مدارج میں سخت خطا کھائی اور پھر اس عالمگیر عقیدے نے اور بھی غلط فہمی پھیلائی کہ ارواح کائنات میں اثر و نفوذ رکھتی اور معمولات فطرت میں دخیل ہوتی ہیں (ملاحظہ ہو راقم الحروف کی کتاب "جادو اور جادو کی رسمیں ص ۱۴۲ تا ۱۔ ۱۹۵۹) جادو کے موضوع پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں۔ لیکن نامور بشریات داں سر جیمز جارج فریزر کی لافانی تالیف (Golden Bough) سب سے اہم بنیادی کتاب ہے۔ دین ساحری کی یہ تفسیر کاملہ ہے۔

فریزر کے الفاظ میں جادو قانون فطرت کا جعلی نظام ہے اور گمراہ کن گائیڈ ہے۔

فریزر کے نزدیک جادو ..... قانون فطرت کے بارے میں مرتب کیا ہوا جعلی نظام فکر و عمل اور گمراہ کن گائیڈ ہے۔ یہ جھوٹا علم ہے اور ناقص فن۔

جادو کی دو قسمیں ہیں۔ نظریاتی اور فکری، فنی اور عملی،

ابتداء میں جادوگر وہی فلسفہ وضع کرنے سے قاصر رہا اس کا سارا دھیان عمل پر رہا۔ اس نے آفات سے بچنے اور دیوی دیوتاؤں اور کائنات کی طاقتوں کو زیر کرنے کے لئے جنتر منتر گھڑ لئے ریتیں رسمیں ایجاد کیں۔ دشمن کو نقصان پہنچانے اور خود کو مستحکم کرنے کے لئے علوی اور سفلی اور عملیات کا سہارا لیا کالا علم اور سفید علم جادو کے عملی پہلوؤں سے تعلق رکھتے ہیں۔

عملی جادو جن اصولوں سے معرض وجود میں آیا وہ دو تھے (۱) عمل بالمثل: ایک جیسا عمل ایک

جیسا نتیجہ پیدا کرتا ہے کہ نتیجہ اپنے سبب سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔

ب) عملِ رابطہ:۔ جب ایک بار دو چیزوں میں رابطہ قائم ہو جائے اور وہ ایک دوسری کو چھوئیں تو رابطہ ٹوٹنے اور دور ہو جانے پر بھی ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

پہلا قانونِ مماثلت کہلاتا ہے دوسرا قانونِ رابطہ

ٹونہ ٹوٹکا انہی دو قوانین کے مطابق کیا جاتا ہے۔ دشمن کو نقصان پہنچانے کے لئے اس کا پتلا تیار کر کے اس میں سوئیاں چبھوئی جاتی ہیں یا پھر اس کے بدن کا کپڑا حاصل کر کے اس پر عمل کیا جاتا ہے۔

پہلے قانون کے مطابق تعویز بنائے جاتے ہیں۔ یہ تالیفی (ہومیوپیتھک) عمل ہے۔ دوسرے قانون کے مطابق بھی تعویز بنائے جاتے ہیں۔ یہ عملِ رابطہ ہے۔

رسمیں (یونان کے کلاسیکی عہد کا ڈراما اور قدیم اولمپک کھیل بھی) جادو کے انہی دو قوانین کی پیداوار ہیں۔ بقول فریزر جادوگر نے معاملہ فہمی میں غلطی کی وہ سمجھا کہ جو چیزیں ایک جیسی ہوں فی نفسہٖ ایک ہوتی ہیں جو چیزیں ایک بار رابطہ قائم کر لیں پھر ان کا رابطہ ہمیشہ برقرار رہتا ہے۔

آدمی نے ہزاروں سال اسی غلط فہمی میں گزارے۔ منتروں کے حیرت خیز مجموعے تیار ہوئے۔ تصویروں سے لدی پھندی ہوئی "کتابِ رفتگان" جو دینِ فراعنہ کی اہم ترین دستاویز ہے اور فرعون کی موت کے بعد کی زندگی کو سمجھنے میں بے حد مدد دیتی ہے مصری جادوگروں کا تخلیقی شاہکار ہے۔

موسیقی، رقص، شاعری، نقاشی، بت تراشی ایسے فنونِ لطیفہ جادوگروں کی ایجاد ہیں۔

بانسری، ڈھول، بربط اور کئی دوسرے ساز بھی انہی نے بنائے، علاج بالسحر کی ذیل میں ساحر طبیب نے ان گنت تعویز تیار کئے انسانی اور حیوانی قربانی کی ابتدا بھی انہی نے کی۔ مذہبی تہواروں، جلوسوں اور عزائی رسموں کے موجد بھی یہی تھے۔ طبِ ساحری بھی انہی کی ذہنی کاوش کا نتیجہ ہے انہی کے زیرِ ہدایت عبادت گاہوں میں دنیا کے پہلے ہجڑے اور دنیا کی پہلی رنڈی نے جنم لیا۔ دینِ ساحری کے دور کے بعد جرم و عصیاں کا تصور ان دو ہستیوں سے وابستہ ہوا۔

فریزر نے دینِ ساحری کو یوں جدول بنا کر واضح کیا ہے۔

جادو

عملی — نظریاتی سائنس سے مشابہ لگتا ہے

منفی جادو — مثبت جادو

الغرض قدیم معاشرہ پوری طرح جادو کی گرفت میں تھا اور جادو نہایت معزز، مرعوب کن بلکہ ڈرامائی ہیئت رکھتا تھا۔ علم و فن کا اجارہ دار تھا۔ تہذیب و تمدن کی ترویج اور ترقی کے نت نئے افکار پیدا کرتا تھا۔ دنیا اور آخرت کی زندگی کے لئے رخ متعین کرتا تھا۔ وہ تخلیقی کام پر ہمہ وقت مامور رہتا ایک جانب تو جسمانی اور روحانی عارضے دور کرتا دوسری طرف توہمات پھیلاتا۔ یہ شخص بڑی شے تھا علم و فن کی ساری دولت اپنے قبضے میں رکھتا اور مرنے کے بعد اپنی اولاد یا برادری کے کسی رکن کو سونپ جاتا زمین پرستی (FERTILITY CULT) ہو یا فلک پرستی (SOLAR MYTHOLOGY) جادوگر کی لونڈی تھی۔ وہی اضافے اور ترمیم و تنسیخ کا مجاز تھا۔ وہ جتنا بڑا فنکار اور جس قدر ہوشیار ہوتا اسی قدر احترام کا مقام اور جاہ و جلال حاصل کرتا۔ وہ اپنے کنبے اور پروہتوں کے گروہ سے باہر کسی کو دینی اُمور کا منصرم نہ بناتا اس غیر جمہوری نظام نے جاگیرداری اور ملوکیت کو مستحکم کیا۔

جادوگر کا اقتدار و اختیار

پورا قبیلہ یا معاشرہ جادوگر کے قبضے میں رہتا۔ نسائی قبیلے (CLAN) پر عورت سردار کا اور مردانہ قبیلے (TRIBE) پر مرد سردار کا حکم چلتا۔ مصری پروہتوں کو خطرناک حد تک قوت حاصل ہوتی نہ صرف فرعون کی زندگی میں ڈھیروں دولت جمع کر لیتے بلکہ اس کے مرنے کے بعد اور بھی دولت مند ہو جاتے۔ انکے پاس نسل در نسل دولت جمع ہوتی رہتی کبھی کبھی تو ان کے پاس فرعون سے زیادہ دولت ہوتی۔ فرعون کی وفات کے بعد بھی تجہیز و تکفین کی رسمیں ادا کرتے۔ متوفی کی کع، کو شاہی پرندہ شاہین اس کے تعمیر

کردہ ہرم کی بلند چوٹی سے اڑا کر منزل بہ منزل آزمائشوں میں سے گزار کر سوئے فلک (ربُ الشّمس کے حضور) لے جاتا تو وہ نو تعمیر شدہ مذہبی معبد میں بیٹھ کر کامیاب پرواز اور متوفی کے ربُّ الشّمس بن جانے کے لئے "کتاب رفتگان" کے سحری کلمات کا ورد کرتا۔ فرعون کے سفرِ آخرت کو آسان کرنے کے عوض وہ مرنے والے سے ڈھیروں دولت اور جاگیر حاصل کر لیتا۔ اسے بہر و بینی کام اور تحلیق کا کثیر معاوضہ ملتا دینی اور دنیوی دونوں اعتبار سے اس کی حیثیت خوب مستحکم ہوتی۔ ابتداء میں جادوگر اور قبائلی سردار یا فرمانروائے مملکت کا منصب ایک ہی شخص کے سپرد ہوتا بعد ازاں اسے تقسیم کر کے دو شخصوں کو الگ الگ سونپا گیا۔ جادوگر پھر بھی گھاٹے میں نہ رہا۔ فرمانروا کمزور ہوتا تو جادوگر یعنی دینی سربراہ طاقتور ہوتا۔ اوّل الذکر اس کے اشارے پر ناچتا یہ پروہتی نظام ہے۔

(PRIESTHOOD) جو دینی آمریت اور اجارہ داری کا بدترین نمونہ پیش کرتا تھا اس قدر مضبوط تھا کہ دنیا کی چھ ہزار سال کی تہذیبی تاریخ میں حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سوا کوئی پیغمبر اسے توڑ سکا اور نہ مذہب کو عوامی جمہوری قدر بنا سکا۔

قدیم مصر اور میسوپوتیمیا کا ملّا دینِ ساحری کے زیر اثر رہے اور پروہت کو قابلِ رشک درجہ ملا۔ فراعنہ کے تیس خاندانوں کی ۔۔۔۴ سال کی تاریخ میں صرف ایک یا

قدیم یونانی باشندے پیلازجی زمین پرست انسانوں اور حیوانوں کو ان خداؤں کے نام پہ قربان کرتے جنہیں ان کے ذہین نگران گمراہ پروہتوں نے گھڑا تھا یہ خدا بے نام تھے اور سب کیلئے ایک ہی یونانی نام THEOS یعنی کارساز تھا یہی کاج سنوارتے اور شیرازہ بندی کرتے۔ مدتوں بعد مصر سے ان کے لئے نام درآمد کئے گئے۔ ان ناموں کی آمد پر دودونا کی قدیم کہانت گاہ سے رجوع کیا گیا۔ کاہنہ نے انہیں بدیسی نام استعمال کرنے کی اجازت دی اس سے کاہنہ کی فراخدلی اور روشن خیالی عیاں ہے۔

اب پیلازجیوں نے قربانی کی رسمت ادا کرتے وقت دیوتاؤں کو نام لے کر پکارنا شروع کیا بعد ازاں یونانی شاعروں ہی سیود اور ہومر نے خداؤں کی پیدائش کا حال سنایا اور ان کا شجرہ نسب مرتب کیا۔ ان کے منصب امور و فرائض اور اختیارات متعین کئے انہی نے مصری علم و فن کی روشنی میں اپنے اہلِ وطن کی دینی ضرورت پوری کرنے کیلئے

دیو مالا اختراع کی۔ ہیروڈوٹس ہسٹری ۱۲۳، ۱۲۴

عارضی طور پر پروہتی نظام کو شکست ہوئی۔ جب ہزاروں خداؤں کو مسترد اور ایک خدا کو ماننے والا فرعون، آخین عطون اور اس کی بیوی نیفر طیطی پندرہ سال (۱۳۵۸ - ۱۳۷۵ ق، م) برسرِ اقتدار رہے تو سورج دیوتا کے مندر بند اور پروہت تباہ و برباد کئے گئے لیکن آخین عطون کے مرتے ہی کھیل بگڑ گیا۔ پرانا (سورج دیوتا ٹمون کا) پروہتی نظام بھی مروج ہو گیا۔

مخبرِ اجل

جادوگر نے تفصیلی فکری اور عملی طور جو ماحول تیار کیا اس میں ڈر خوف اور توہم کی عملداری تھی وہ پورے معاشرے پہ پوری طرح حاوی تھا۔ ہر شخص کی شہ رگ اس کے ہاتھ میں رہتی موت اور زندگی سچ مچ اس کے اختیار میں تھی وہ تو جیسے خدائی اختیارات رکھتا اور خدائی احکام صادر کرتا۔ جسے چاہتا مرنے پر مجبور کر دیتا۔ اس نے خاص خاص مذہبی جگہوں پہ کہانت گاہیں (ORACLES) قائم کر رکھی تھیں جہاں باخبر شاعر عورتیں باخبر اور ہوشیار پروہتوں کی مدد سے ہر قسم کی پیشن گوئی کرتیں۔

کاہن عورتیں سائلوں کو بڑی ہوشیاری سے کبھی واضح اور کبھی گول مول لفظوں میں جواب دیتیں۔ ان کے فرمان کو کوئی نہ جھٹلاتا۔ فرمانروا تک کہانت گاہوں پہ بنفسِ نفیس جاتے اور ہر قسم کے سوال کرتے، سیاست، معاشرے، اپنی ذات اور امورِ مملکت، فتح و شکست کے بارے میں مشورے کرتے

یونانی کہانت گاہیں جو مصری کہانت گاہوں کی طرز پر قائم کی گئی تھیں۔ انہی کی طرح ترقی یافتہ تھیں دنیا جہان کی خبریں چار کھونٹ سے یہاں آکر جمع ہوتیں۔ یہ اعصابی مرکز تھیں۔ بین الاقوامی دفترِ معلومات تھیں دودونا اور ڈیلفی کی کہانت گاہیں اپنے زمانے میں عالمگیر شہرت اور اہمیت کی حامل تھیں۔

عرب کے عہدِ جاہلیت میں کہانت ایک مسلمہ دینی شعبہ تھا۔

ہیرودوطس (ہسٹری ص ۲۴۳) بتاتا ہے کہ فنیقیوں نے مصری تھیبس سے زیوس کی دو پجارنوں کو اغوا کیا ایک کو جا کر لیبیا میں بیچا، دوسری کو یونان میں، انہی مغویہ پجارنوں نے دونوں ملکوں میں کہانت گاہیں قائم کیں۔

ایک روایت یہ بھی ہے مصری تھیبیز سے دو کالی فاختائیں اڑیں ایک دودونا (یونان) پہنچی اور اس نے بلوط کے پیڑ پر بیٹھ کر انسانی آواز میں لوگوں سے کہا کہ اسی جگہ ربّ البرق والرعد، زیوس کی کہانت گاہ بنائی جائے۔ سیانے جان گئے کہ یہ حکم آسمان سے نازل ہوا ہے اور اس کی تعمیل لازمی ہے۔ وہاں کہانت گاہ بنا دی گئی۔ یہی کچھ لیبیا میں ہوا۔ یہاں مصری خدا۔ عمون (شمس) کی کہانت گاہ بنا دی گئی۔

دودونا کی تین پجارنوں پروکین شیا، طماریطی اور نیکندرا کی سنائی ہوئی دو کہانیوں میں سے پہلی درست ہے۔

بہر حال پرانی دنیا میں جادوگروں، کاہنوں اور پروہتوں کو بے پناہ اثر و رسوخ حاصل تھا۔ اگر جادوگر کاہن کسی سے کہہ دیتا کہ وہ سورج کی آخری کرن کے ساتھ ہی دم توڑ دے تو وہ سچ مچ دم توڑ دیتا۔

جادوگر کاہن کو مخبرِ اجل بھی کہہ سکتے ہیں اس سلسلے میں تین کہانیاں نقل کی جاتی ہیں۔

فرعون کی موت

پہلی کہانی کا راوی ہیرودوطس ہے۔ فرعون رع موسیٰ جس کا خزانہ لوٹنے والے دو وزیر زادوں کے واقعے کو بعد ازاں الف لیلے کے قصوں میں "علی بابا چالیس چور" کے نام سے ڈھالا گیا، فوت ہوا تو فرعون توفُوع (یونانی کی ادیپس) برسرِ اقتدار آیا۔ اس نے ربِّ عمون (سورج دیوتا) اور دوسرے خداؤں کی عبادت گاہیں ڈھا دیں، ان کے پروہتوں کو نکال دیا۔ اور رعایا کو دین سے بے تعلق کر دیا۔ اس نے ہر شخص کو بلا امتیاز غلام بنایا اور اپنے مقبرے (ہرم) کی تعمیر پر لگایا۔ لوگوں کو ٹولوں میں بانٹا۔ کچھ لوگ عرب کی پہاڑیوں سے پتھر توڑ توڑ کر لاتے۔ گھٹنے چھلنے کے بعد ایک رسل کا وزن تین سو من سے زائد ہوتا۔ (ہرم اعظم میں ۲۶ لاکھ سلیں لگائی گئیں) غلاموں کی تین تین مہینے کی شفٹیں ہوتیں۔ ہر شفٹ میں ایک ایک لاکھ آدمی ہوتے۔ پتھر کی سلیں جائے تعمیر پر لانے

کے لیئے دس سال میں پانچ فرلانگ لمبا اور ساٹھ فٹ چوڑا صیقل شدہ منقش راستہ تیار کیا گیا یہ ڈھلوان راستہ آخری نقطے پر پہنچ کر ۴۸ فٹ اونچا ہو گیا تھا۔ انہی دس سالوں میں دینی نوعیت کے زیرِ زمین حجرے بھی بنائے گئے اور کچھ دوسرے کام بھی کیئے گئے پورا ہرم بیس سال میں مکمل ہوا۔ یہ اس زمانے (۲۸۷۷ ـ ۲۹۰۰ ق۔م) کی بات ہے جب اتنی بڑی چٹانیں کھودنے، اکھاڑنے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے، انہیں اس صحت سے تراشنے کہ حجم کے لحاظ سے سرِ مو فرق نہ پڑے اور جمانے کے لیئے ایسے آلات اور طریقے دریافت نہ ہوئے تھے جو آج ہم اپنے یہاں کی جناتی تعمیرات پر دیکھ سکتے ہیں۔ آج ملین ڈالر کی مول کل ایک گھنٹے میں ۳۸ فٹ لمبی سرنگ تیار کرتی ہے۔ کھدائی کی بعض کلیں ایک ہلے میں اتنی مٹی کھود کر جائے تعمیر سے گزوں دور پھینک دیتی ہیں کہ اس سے پورے مکان کے لیئے گارا تیار ہو سکے۔ قدیم روایت کے مطابق ناقابلِ یقین حد تک قلیل مدت میں ہرم کی تعمیر جادوگروں اور پروہتوں کی اعانت سے ہوئی۔

اگرچہ مندر بند کر دیئے گئے تاہم دینی جذبہ اور دینی سوچ باقی رہی۔ اس کی بدولت فرعون نے مقبرہ بنوایا۔ جادوگروں اور پروہتوں ہی نے اس کے لیئے یہ فلسفہ تراشا تھا کہ مرنے کے بعد وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے جی اٹھتا ہے اس کی ابدی زندگی برقرار رکھنے کے لیئے دو اہم ایجادیں ہوئیں۔ اس کی نعش کو حنوط کر کے مستقل طور پر محفوظ کرنے کا فن اور حنوط شدہ نعش کو سلامت رکھنے کے لیئے ہرم کی تعمیر کا فن، ابدی زندگی کے جذبے نے فرعون کو تشدد پر مائل کر دیا اور اسے درندہ بنا دیا اس کے وحشیانہ سلوک نے لوگوں کے دلوں میں موت سے بڑھ کر خوف پیدا کیا۔ خوف کے اس ماحول میں ہرم اس صحت اور قلیل مدت میں پایہ تکمیل کو پہنچا مزدور لشکر کے لیئے مولی پیاز پر جو روپیہ اٹھا اس کا اندراج ایک کتبے پر کیا گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تین اشیائے خوردنی پر چاندی کے سولہ سو سکّے صرف ہوئے روٹی کپڑے کا خرچ ان سے الگ تھا۔

ہرم کی تعمیر جادوگروں کے وضع کردہ دین کی رو سے اس قدر ضروری تھی کہ فرعون اپنی زندگی کے تمام اعمال و اشغال پر اسے ترجیح دیتا اس کے مقابل اپنے محل کو کوئی وقعت نہ

دیناہرم کی تعمیر پہ پوری پوری توجہ صرف کرتا۔ اس کے لئے ہر جائز اور ناجائز طریقے سے روپیہ جمع کرتا تھا۔ اس کے لئے ظاہر ہے، اس کا محل ابدی آرام گاہ تو نہیں تھا۔ روپے کی لوٹ پڑتی تو اپنی دختر نیک اختر کو چکلے میں بھیج دیتا اور اس کی کمائی کو اپنی ابدی قیام گاہ کی تعمیر پر صرف کرتا۔ دختر نیک اختر بھی خوب سیانی تھی اس نے ایک طرف تو باپ کے لئے روپیہ جمع کیا اور دوسری طرف اپنے مقبرے کے لئے ہر گاہک سے کہا کہ پتھر کی ایک ایک سل مہیا کرے۔ ان پتھروں سے درمیانی ہرم بنا۔

فرعون خوفوع پچاس برس تک حکمران رہا۔ بقول پرسینیڈ ۲۳ سال تک حکمران رہا۔

اس کے بعد اس کا بھائی قیف رع تاجدار ہوا یہ بھی اسی قبیلی کا چٹا بٹا تھا۔ اس نے بھی ظلم و تشدد میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی خوفوع کے ہرم اکبر کے برابر اس نے اپنے لئے نسبتاً چھوٹا ہرم بنوایا۔ ۵۶ سال تک حکمران رہا۔ یوں دونوں فرعون ایک صدی تک ہزاروں خداؤں کی سرزمین پر ارضی خدا بن کر ظلم ڈھاتے رہے۔ یہ بدترین دور تھا۔ عبادت گاہیں بند رہیں۔ خزانہ خالی ہوا اور لوگوں کو پل بھر کے لئے سکھ کا سانس نصیب نہ ہوا انہیں دونوں فراعنہ سے سخت نفرت ہوئی اور یہ بدحالی و پامالی کے ذمہ دار قرار پائے۔

ان کے بعد خوفوع کا پسر مینقورع فرعون بنا۔ یہ باپ اور چچا سے طبعاً مختلف تھا۔ اس نے پرانی پالیسی موقوف کی۔ عبادت گاہیں کھول دیں جو ایک سو سال تک بند رہی تھیں۔ لوگوں کی غلامی کی زنجیریں کاٹیں اور انہیں اپنی اپنی پسند کا کام کرنے کی اجازت دی۔ عدل و انصاف کو رواج دیا پھر اس نے ایک غلط کام کیا۔ اس نے اپنی بیٹی پر مجرمانہ حملہ کیا فرعون کو بہن (اور بہن کے نہ ہونے کی صورت میں بیٹی) سے بیاہ کی اجازت تھی۔ لیکن مجرمانہ حملہ ناجائز فعل تھا۔ مصر میں تخت و تاج کی اصل وارث شاہی خاندان کی عورت ہوتی۔ اس سے بیاہ کر کے ہی کوئی شخص فرعون بنتا۔

مجرمانہ حملے کے بعد مینقورع کی بیٹی نے خودکشی کر لی۔ باپ اس کے لئے ہرم نہ بنوا سکا کہ یہ بہت بڑی چیز تھا اور انسانوں سے جانوروں کی طرح کام لئے بغیر معرض وجود میں نہ آسکتا تھا۔ مصارف اور مصیبت سے بچنے کے لئے متوفیہ کو بڑا انوکھا مقبرہ ملا۔ فرعون نے کاٹھ کی گائے بنوائی۔

گائے متبرک جانور تھا اور دینِ ساحری (FERTILITY CULT) میں بڑے اہتمام سے پجتی تھی لوگ اسے دیوی مانتے۔ کاٹھ کی گائے اندر سے کھوکھلی تھی، باہر طلائی کام کیا گیا تھا۔ دونوں سینگوں کے درمیان سونے کا تھال اڑایا گیا تھا جو سورج کی علامت تھا۔ شہزادی کی حنوط شدہ لاش اس میں رکھی گئی۔ اس عجیب و غریب مقبرے کو شاہی محل میں رکھا گیا۔ جہاں ہر وقت خوشبوئیں جلتیں۔ رات کو چراغاں ہوتا۔ گائے پر لال چادر پڑی رہتی۔ قبروں پر چادر چڑھانے کی ریت یہیں سے لی گئی ہے۔

سال میں ایک بار گائے کو سورج کی روشنی میں لایا جاتا اور مصری دیوی کے لئے سینہ کوبی کی جاتی۔ یاد رہے گاؤ پرستی اور شمس پرستی دو الگ الگ اور مخالف مسلک تھے۔

گائے کے برابر والے کمرے میں فرعون کی بیس داشتاؤں کے بڑی بڑی جسامت کے ننگے کٹھ پتلے رکھے گئے تھے۔ اس کا حکم بھی جادوگر نے دے رکھا تھا۔ جادوگر ہی نے فرعون کو یہ بات سمجھائی تھی کہ مرنے کے بعد فرعون ابدی زندگی پالیتا اور دنیاوی انداز میں زندگی بسر کرتا ہے۔ اسے اپنی عورتوں سمیت زر و جواہر، اشیائے خورد و نوش اور استعمال میں آنے والی ہر چیز مطلوب ہوتی ہے (مردوں کے ختم پڑھانے، کھانے پینے اور پہننے کی چیزیں اور نذر نیاز دینے کا سلسلہ یہیں سے شروع ہوا)۔

"بیٹی کی موت کے بعد فرعون منیقورع پر دوسرا عذاب نازل ہوا جو یقیناً اس کے جیلنز حملے کا نتیجہ تھا۔ اس نے بیٹی کی عصمت لوٹی اور اس کی جان لی۔ اس پر عوام میں غیظ و غضب کی لہر دوڑ گئی ہوگی اور پروہت برہم ہوئے ہوں گے۔ بوطو کی کہانت گاہ سے پیغام آیا کہ وہ صرف چھ سال جیئے گا۔ ساتویں سال مرجائے گا۔ کاہنہ کا یہ حکم بجلی بن کے گرا، فرعون منیقورع نے جواب میں سخت پیغام بھیجا اور دیوتا پر ملامت کی۔ برہم ہو کر اس نے کہا کہ اس کے باپ اور چچا خداؤں کو بھولے رہے۔ انہوں نے ظلم و تشدد کی انتہا کر دی۔ رعایا کو غلام بنایا لیکن ان ظالموں نے اتنی لمبی عمریں پائیں اور وہ جو رعایا پر مہربان ہوا جس نے لوگوں کو خوشی اور خوشحالی دی اسے اتنی جلدی مرجانے کا حکم صادر کیا گیا۔ کاہنہ نے کہلا بھیجا کہ اس نے

وہ نہیں کیا جو اسے کرنا چاہیئے تھا۔ اس کی عمر کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

کاہنہ کا یہ فیصلہ اٹل تھا۔ فرعون اس کے سامنے بے بس ہو گیا۔ وہ پر دہتی نظام کا بال بیکا نہ کر سکا۔ تنگ آکر اس نے جینے اور عمر بڑھانے کی ترکیب سوچی۔ اس نے بلیشمار دیئے بنوائے جو سر شام جلائے جاتے اور رات کو دن بنا لیا جاتا وہ رات دن روشنی میں شراب پیتا اور عیش و عشرت میں زندگی گزارتا۔ راتوں کو روشن کر کے زندگی کے چھ سالوں کے بارہ سال بنا لیئے اور کہانت کو جھٹلایا۔ اس نے چھوٹا سا ہرم بھی بنوایا۔ اس داستان سے جگہ جگہ اس امر کا سراغ ملتا ہے۔ کہ جادوگر اپنے عہد عروج میں کس قدر قوت اور اثر و رسوخ کا مالک تھا۔ ارضی خدا بھی اس کے سامنے دم نہ مار سکتا موت تک اسکے اختیار میں تھی۔

ماں کا شوہر، شاہ ایدی پس

جادوگر کی بالادستی کی یہ کہانی یونان سے تعلق رکھتی ہے جس پر پانچویں صدی قبل مسیح کے لاثانی ڈرامانگار سوفوکلیز نے زبردست المیہ تخلیق کیا۔

تھیبیز (یونان) کے فرمانروا لے ای اس کی بیگم، جیکوستا کے بطن سے بچہ پیدا ہوا۔ کاہنہ کے ذریعہ اپالو (رب الشمس) کا حکم ملا کہ وہ بیٹے کے ہاتھوں ہلاک ہو گا۔ بیوی نے میاں کے ڈر سے نوزائیدہ بچے کو گڈریئے کے حوالے کیا جو اسے سرحد کی پہاڑی پر ڈال آیا۔ یہاں سے سرحد پار، کورنتھ کا گڈریا بچے کو اٹھا کر لے گیا اور شاہی محل میں پہنچا آیا جہاں شہزادہ ایدی پس پل کر جوان ہوا۔ وہ خود کو ریاست کورنتھ کے شاہی خاندان کا سپوت سمجھتا لیکن ایک محفل میں کسی نے کہا کہ وہ کورنتھ کے شاہی خاندان سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ وہ جانے کون ہے، یہ طعنہ اسے کھا گیا۔ وہ سیدھا ڈیلفی کی کہانت گاہ پر پہنچا۔ جہاں ہر مشکل حل کی جاتی ہر سوال کا جواب دیا جاتا۔ ڈیلفی کی کہانت گاہ عالمگیر شہرت رکھتی تھی۔ یہ خبر رساں ایجنسی تھی۔ ایدی پس کو سوال کا جواب تو کیا ملتا اس کی قسمت کا فیصلہ کر دیا گیا۔ کاہنہ نے کہا وہ باپ کو قتل کرے گا اور ماں سے بیاہ رچائے گا۔۔

وہ سمجھا کہ پیشنگوئی کورنتھ کے تاجدار اور ملکہ کے بارے
میں ہے کہ وہ انہی کو اپنے ماں باپ سمجھتا۔ ڈیلفی سے
باہر آیا اور اس نے کورنتھ سے منہ موڑ لیا وہ اس راستہ
پر چل پڑا جو تھیبیز کو جاتا تھا۔ تراہے پر ایک خود سر
رتھبان سے مڈبھیڑ ہوئی۔ رتھبان اسے کچل ہی دیتا
کہ اس نے برچھا مار کر اسے مار ڈالا۔ یہ تھیبیز کا حکمران
لے ائی اس تھا۔ کاہنہ کی پیشگوئی کا ایک حصہ پورا ہوا
وہ تھیبیز پہنچا یہاں ایک جادوگرنی بنت ام الہول SPHINX
نے تباہی مچا رکھی تھی۔ وہ لوگوں سے ایک پہیلی پوچھتی اور
جواب نہ ملنے پر انہیں ہلاک کر دیتی ملکہ جیکوستا کے بھائی
کری اون نے منادی کروائی کہ جو کوئی جادوگرنی سے نجات
دلائے گا تھیبیز کا تخت پائے گا اور ملکہ جیکوستا سے بیاہا
جائے گا۔

ایڈی پس نے چیلنج قبول کیا اس نے جادوگرنی
سے پہیلی پوچھی۔ اس نے کہا "وہ کون سا جانور ہے جو
صبح کو چار ٹانگوں پر چلتا ہے دوپہر کو دو ٹانگوں پر
چلتا ہے اور شام کو تین ٹانگوں پر؟"

"آدمی" ایڈی پس کا جواب تھا۔

جادوگرنی ہار گئی۔ شکست کی شرمساری برداشت
نہ کر سکی۔ اس نے خودکشی کر لی۔

ایڈی پس کو اپنے کارنامے کے عوض تھیبیز کی حکومت

فرعون حرم حب

ایک خدا کو ماننے والے آخنین عطون کے عملے میں
ایک ذہین اور عیار آدمی تھا جس کا نام حرم حب تھا اور
پروہتوں کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ آخنین عطون کے بعد
کمزور فرعون حکمراں ہوئے تو حرم حب نے خوب طاقت پکڑ لی۔
بالآخر سپہ سالار اور وزیر اعظم بن گیا اس نے اپنے لئے یہ خطابات
گھڑے۔ بڑوں کا بڑا، زبردستوں کا زبردست، عوام کا آقا، نائب
اعظم، فرعون کا پیامبر اور شمال و جنوب کی فوج کا سردار،
فرعون کا خاص پیارا، زیریں اور بالائی مصر کا صدر، سپہ سالاروں
کا سپہ سالار، فرعون کا کوئی ملازم کبھی ان خطابات کا حامل نہیں
ہوا۔ اٹھارہویں خاندان کے بعد حرم حب نے انیسویں خاندان کی
بنیاد ڈالی۔ پروہتوں نے جی کھول کے ساتھ دیا اسے رب رع
سورج کا بیٹا قرار دیا۔ فرعون بننے کیلئے شاہی خاندان کی کسی عورت
سے بیاہ کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ قانون کا تقاضا پورا کرنے کیلئے اس
نے آنجہانی فرعون آخنین عطون کی عمر رسیدہ سالی (عطون کی بڑی پجارن)
بنتر نیف رع سے بیاہ کر لیا اور ارضی خدا بن گیا۔ بچھڑے کی پوجا
کرنے والوں کا حکمران ارضی خدا ہوتا۔ فرعون حرم حب نے توحید پرست
فرعون کے بند کئے ہوئے معبد کھولے، پرانا دین از سر نو رائج کیا۔ ڈیلٹا
کی دلدلوں سے نوبیا تک معبد بنوائے۔ اپنا اور اپنی ملکہ کا بت
بنوا کر رب حورس کے معبد میں رکھوایا۔ آنجہانی آخنین عطون نے اپنے
واحد خدا عطون کیلئے جو مینار بنوائے تھے وہ اس نے توڑ پھوڑ
دیئے تھیبیز کے دارالحکومت میں جو عظیم معبد تھا اسے گرا کر اسکے پتھر
اور مصالحے سے اسکے جانشینوں نے صرف کیا لوگ آنجہانی توحید
پرست فرعون سے اتنی نفرت کرنے لگے جتنی اسے مصر کے قدیم خداؤں سے تھی

اور ملکہ ملی ۔ ڈیلفی کی پیشنگوئی پوری ہوئی ۔

ایڈی پس نے باپ کو نہ پہچانتے ہوئے مارا اور ماں سے بیاہ کیا۔ اس سے دو لڑکیاں اور دو لڑکے ہوئے ۔ قتل اور زنا بالمحرمات پر اپالو دیوتا نے تھیبز پر وبا بھیجی ۔ بالآخر مقامی پیغمبر کے اصرار پر وہ بھید کھلا جس سے (سوفوکلیز کی تمثیل کے مطابق) ایڈی پس اور جیکوستا ناواقف تھے ۔ جیکوستا نے پھانسی لے لی ۔ ایڈی پس نے آنکھیں پھوڑ لیں اور کچھ مدت مارا مارا پھرنے کے بعد زمین میں غائب ہوگیا (سیتا بھی لنکا سے آنے کے بعد اسی طرح زمین میں غائب ہوئی تھی ۔ رامائن کی اس عجیب و غریب داستان کے نکات پھر پیش کئے جائیں گے)۔

بیٹے اور باپ کی نفرت، ماں اور بیٹے کی محبت اور زنا بالمحرمات (INCEST) میں فریزر نے نہایت قیمتی معلومات فراہم کی ہیں ۔ دورِ ساحری میں بیٹے کی قربانی کی بنیاد کا تعلق بھی باپ بیٹے کی نفرت ہے ۔ فرائیڈ نے اپنی گراں مایہ کتاب (TOTEM AND TABOO) میں اس پورے مسئلے پر نہایت تفصیل سے گفتگو کی ہے فرائیڈ ہی نے "ایڈی پس عارضے" کی اصطلاح وضع کی ۔

ایڈی پس کی اس کہانی میں بھی جادوگروں اور کہانت گاہوں کا کردار واضح ہوتا ہے جادوگر زندگی اور موت سے کھیلتا تھا وہ اس کام پر بہ تحکم مامور تھا مصر کا فرمانروا ہو یا یونان کا مطلق العنان تائیرنت کوئی اس پر حاوی نہ ہو سکتا ۔

دنیا کا پہلا جادوگر

دنیا کا سب سے پہلا جادوگر کب پیدا ہوا؟ اس کا کوئی کیا جواب دے کیونکہ تاریخ سے قبل بھی انسان موجود تھا۔ فلسفے کی ابتدا سے پہلے بھی وہ جنگلی بھلی سوچ رکھتا تھا۔ اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ جادوگر آدمی کے پہلے کنبے میں پیدا ہوا اور مرگ وحیات، زمین اور کائنات، رات دن، سماوی آفات، حادثات اور کارخانۂ قدرت کے بارے میں ان سوالات کے جوابات دینے اور اس سلسلے میں قیاسات اور مفروضات گھڑنے لگا جو شعور پکڑتے ہی آدمی کے دل و دماغ کو پریشان کرنے لگتے ان جوابات، قیاسات اور مفروضات میں برائے نام سائنسی رجحان ہوتا ورنہ شعری صداقتیں ہی ہوتیں۔ اس طرح جھوٹ کے نہایت ہی دلفریب تانوں بانوں سے وہ ایسا جال بُنتا گیا کہ چند ہزار سال کے اندر انسانی فکر و عمل کے تمام دائرے اس جال میں آ گئے۔ اور انسان بری طرح اس میں جکڑا گیا۔ جادوگر نے اپنی گرفت اتنی سخت کر لی کہ نکلنے کی راہ نہ رہی۔ انسان تو انسان حیوان، چرند پرند، پیڑ پودے، تمام مخلوقات، موجودات، افلاک اور کائنات سبھی کچھ جادوگر کے جال میں سمٹ آیا۔ اس نے سب کو زیر کر لیا اور تمام جہانوں کا کرتا دھرتا بن گیا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کے جھوٹ کا پول کھول سکے اس کے سوا کسی کے پاس کوئی حقیقت، کوئی صداقت نہ تھی۔

جادوگر نے سب سے پہلے کنبے میں آنکھ کھولی۔ وہ اپنے کنبے کا سردار تھا۔ اسی کی قیادت میں کنبے کے لوگ شکار پر نکلتے۔ عورتیں پیڑوں اور جھاڑیوں سے جنگلی پھل توڑتیں۔ کنبے میں کوئی زخمی ہو جاتا، بیمار پڑ جاتا، مر جاتا، کوئی عورت بچہ جنتی یا اسے حیض آ جاتا تو کنبے کا

جادوگر سربراہ مشکل آسان کرتا۔ وہ اپنی معلومات، مفروضات اور سائنسی انکشافات کو بڑی سختی سے اپنی ذات تک محدود رکھتا اور اپنی ذات کو پراسرار بنانے کی پوری پوری سعی کرتا وہ کنبے کی سب سے قوی اور خوفناک ہستی تسلیم کیا جاتا۔ کنبے کے لوگ قیادت اور ہدایت کے لئے اس کے محتاج ہوتے جب کنبہ بہت بڑھ پھیل جاتا، ارکان کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی اور وہ بہت بوڑھا ہو جاتا اور کنبے کے کام کاج سنوارنے کے لائق نہ رہتا تو اس کا بڑا لڑکا اسے ٹھکانے لگا دیتا۔ اس کی خواتین پر قبضہ جما لیتا، اپنی ماں کے علاوہ سب کو تصرف میں لاتا، تمام املاک و اموال اور اختیارات قبضے میں لے لیتا اور جادوگر سردار بن بیٹھتا اور جہاں کہیں، چند کنبوں نے مل کر بستی بسائی، سب سے چالاک اور ذہین آدمی نے عنانِ قیادت سنبھالی اور وہ جادوگر کا فریضہ ادا کرنے لگا۔

جادوگر تہذیبی سوچ کا بانی تھا۔ یہ بیک وقت مغنّی، رقاص، شاعر، طبیب، معمار اور بہت کچھ تھا۔ اساطیری داستانیں جن پر پچھلے سو سال سے نفسیات اور بشریات کے ماہرین تحقیق و تفتیش کر رہے ہیں، جادوگر کی ذہنی کاوش کا دلآویز نتیجہ ہیں۔ نجومیات، فلکیات، کیمیا، فنِ تعمیر، ریاضی اور ایسے ہی مفید عُلوم و فنون کا بھی موجد ہے۔ اسی نے فرعون کو خدا بنایا اسی نے مرنے کے بعد ابدی زندگی کا تصوّر دیا الغرض تہذیبی ارتقاء کی انتہائی دلفریب ابتدائی منزلیں اسی نے طے کیں اور پاتال لے کر اوجِ فلک تک اسی کا اقتدار تھا۔

جادوگر جس قدر ذہین اور ہوشیار تھا اسی قدر پُراسرار، مقدس، خوفناک، طاقتور اور ظالم تھا۔ اپنے تراشے ہوئے خداؤں کو زیر کرنے، انہیں اپنے اُمور و فرائض پر مامور رکھنے اور ان سے کام لینے کی ترکیبیں جانتا تھا۔ وہی ان کی رمزوں سے آگاہ تھا۔ انجان کے لئے اس کے قُرب میں موت تھی۔ بہ زبردست پیدائشی جادوگر ہوتا "میجک" کے مولف ڈاکٹر ہٹن ویبسٹر کے نزدیک اس شخص میں جادوگر بننے کے لئے قدرتی اوصاف پائے جاتے۔ ایسا شخص شعوری طور پر ان اوصاف سے پورا پورا فائدہ اٹھاتا، سرخ آنکھوں والا غصیلا آدمی اپنے آپ ہی جادوگر

بن بیٹھتا۔ بعض افریقی قبائل کیڑوں کے بارے میں سمجھتے کہ انہیں قدرت نے غیر معمولی وصف دیا ہے۔ بڑے ہو کر یہ کیڑے مندروں پر قبضہ جماتے اور پروہت بن جاتے۔ مرد کا عورتیں (ہرمیفروڈائیتی) بھی جادوگرنیاں بن جاتیں۔ ڈراؤنی شکلوں والے لوگ سفلیات (کالے جادو) کے عامل بن جاتے۔ جادوگر کا بیٹا بھی جادوگر ہوتا۔ اس طرح مصر اور دوسرے قدیم مہذب ممالک میں جادوگروں کے بڑے بڑے خاندان پیدا ہو گئے۔ ہند میں برہمنوں نے وہی کردار ادا کیا جو قدیم مصر اور میسوپوٹیمیا میں جادوگروں کے خاندانی ٹولوں نے ادا کیا۔ وہ تہذیبی، تمدنی اور سیاسی زندگی میں پوری طرح دخیل تھے۔ ان کی منشاء کے بغیر کچھ نہ ہو سکتا تھا۔

زرعی تہذیب نے فکر و عمل کے دروازے بے پناہ کشادہ کیئے اور عورت کو اقتدارِ اعلیٰ حاصل ہوا۔ وہ زبردست جادوگرنی بن گئی اور بڑی کامیابی سے معاملات زندگی سے عہدہ برآ ہونے لگی۔ جادوگر اور جادوگرنی دونوں کی سوچ ایک تھی، عمل ایک تھا۔ تہذیبی ارتقاء بہر حال ہوتا رہا۔

جادوگر اپنے آپ کو پاکیزہ رکھتا البتہ جب قبیلے کو لے کر دشمن پر حملہ آور ہوتا تو خون ریزی کے بعد ناپاک ہو جاتا۔ یہ اس کا اپنا نظریہ تھا۔ اسی نظریے کی رُو سے حیض کی حالت میں یا ایّامِ زچگی میں عورت ناپاک ہو جاتی۔ یہ صریحاً طبی سائنسی نقطۂ نظر تھا لیکن جادوگر کی سوچ کے مطابق یہ طب اور سائنس سے کوئی تعلق نہ رکھتا تھا۔ اس کی سوچ کا دھارا اشاعرانہ انداز سے غیر شعوری اور نامعلوم طور پر چلتا اور سائنسی رویوں کو جنم دیتا۔

نیوگنی کا جادوگر بقول ہٹن ویبسٹر دشمن کا خون بہانے اور سر کاٹ لانے کے بعد جب ناپاک ہو جاتا تو گھر جانے کی بجائے مردانہ کلب ہاؤس میں چلا جاتا۔ یہاں گھاس پھوس کا بہت بڑا جھونپڑا ہوتا۔ شاید یہ گاؤں کا بھوت گھر ——— پوجا پاٹ کی جگہ تھا اس کے آگے صحن ہوتا۔ گاؤں کی عورتیں اور مرد جمع ہو کر ناچتے گاتے۔ یہ ناچ گانا ہی ان کی عبادت تھا اس سے بدروحیں بھاگ جاتیں، نیک روحیں خوش ہوتیں اور گاؤں والوں کی حفاظت کرتیں۔ اس

طرح جادوگر ـــــ سردارِ قبیلہ کی مہم جوئی اور فتح یابی کا جشن منایا جاتا۔ منتر پڑھے جاتے۔ جادوگر میں فتح و نصرت کے بعد زبردست "مانا" (پُراسرار سحری قوت) آجاتی۔ ایسے میں وہ کسی کو ہاتھ نہ لگاتا۔ بیوی بچوں کو بھی نہ چھوتا کیونکہ اس طرح انہیں اس کی "مانا" گزند پہنچاتی۔ نہانے دھونے اور رسمیں ادا کرنے کے بعد وہ پاک صاف ہو جاتا اور معمول کے مطابق زندگی بسر کرنے لگتا۔

اگلے وقتوں کے لوگ قتل سے بہت خوفزدہ ہوتے۔ اس کے بغیر چارہ بھی نہ تھا دشمن کو قتل کرنا ہی پڑتا لیکن اس کے بعد کفّارہ بھی ادا کرنا پڑتا۔ جادوگر کے دستورِ ممنوعات (ٹیبو) پر عمل کرنا پڑتا۔ اگر بیما انڈین کسی اپاچی کو قتل کر دیتا تو جادوگر کی ہدایت کے مطابق ناپاکی سے نجات پانے کے لئے سخت تدبیریں اختیار کرنی پڑتیں۔ سولہ دن تک وہ نمک اور گوشت کو ہاتھ نہ لگاتا، کسی سے کلام نہ کرتا۔ آگ کی طرف نہ دیکھتا۔ جادوگر کی ہدایت سے سرمو انحراف نہ کرتا جو پورے قبیلے کے رویوں کی سمتیں متعین کرتا اور راست رکھتا۔ جنگل میں تنہا رہتا۔ ایک بڑھیا اسے کھانے پینے کی چیزیں لا دیتی۔ دریا میں نہاتا، سر پر کیچڑ ملتا۔ یوں وہ مقتول کا سوگ مناتا۔ سترھویں دن سب لوگ ریت مناتے جس میں اسے اور اس کے ہتھیاروں کو پاک کیا جاتا۔ تزکیے کی یہ رُسوم امریکہ کے اور کسی قدیم قبیلے میں اتنی سختی سے رائج نہیں ہوئیں۔ مقتول کی روح کی تسکین کے لئے یہ رسمیں ضروری تھیں۔ ایسا نہ کیا جاتا تو مقتول کی روح زبردست تباہی مچاتی اور پوری بستی پر آفت لاتی۔

قتل کا ارتکاب بہت بڑا واقعہ ہے اور یہ اپنے ساتھ خوف کی زبردست لہر لاتا ہے۔ یہ خوف قاتل ہی نہیں پورے گاؤں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا۔ اس لئے جادوگر نے قاتل اور پورے قبیلے کو خوف اور گزند سے بچانے کے لئے سحری تدابیر ایجاد کیں۔ لوگ ان پر پوری سنجیدگی سے عمل پیرا ہوتے۔

جادوگر، سردارِ قبیلہ اور بادشاہ کی حفاظت اور سلامتی بھی ضروری تھی کیونکہ انہی سے بازارِ حیات کی رونقیں قائم تھیں۔ اس سلسلے میں متعدد قسم کے ٹیبو برتے جاتے۔ بقول فرائیڈ

جادوگر، سردارِ قبیلہ یا بادشاہ پُراسرار اور خطرناک سحری قوت کا حامل ہوتا۔ اسے چھونے سے برقی لہر کی طرح یہ چھُونے والے کے بدن میں سرایت کر جاتی اور اسے ہلاک کر ڈالتی کوئی بڑے ہمت اور حوصلے والا ہوتا تو بچ رہتا لیکن کچھ نہ کچھ نقصان ضرور اٹھاتا۔

مشرقی افریقہ کے "نوبا" اپنے جادوگر بادشاہ کے گھر میں قدم نہ رکھتے وہ اپنا بایاں شانہ آگے کر دیتے جسے جادوگر بادشاہ تھپک دیتا۔ اس طرح اسے حفاظت کی ضمانت مل جاتی لیکن جادوگر بادشاہ کو چھُونے سے اُلٹا اثر ہوتا۔

جادوگر بادشاہ کے ہاتھ میں شفا تھی وہ جسے چھُو لیتا اس کا مرض دور ہو جاتا۔

انگلستان کے بادشاہ جو خدا کا نائب اور بادشاہت کو خدا کی دین سمجھتے ہاتھ کے لمس سے خنازیر کے مریضوں کو تندرست کرتے۔ سترھویں صدی کے بادشاہ اس ضمن میں بڑی شہرت رکھتے تھے پھر جب ولیم آف اورینج فرمانروائے انگلستان ہوا تو اس نے ایسی بیہودگی سے گریز کیا البتہ ایک بار جب وہ ہاتھ کے لمس سے کسی بیمار کو تندرست کرنے پر مجبور کیا گیا تو اس نے کہا "خدا تجھے تندرستی دے اور زیادہ عقل عطا فرمائے"

فرائیڈ نے فریزر کے حوالے سے بتایا ہے کہ ایک بار نیوزی لینڈ کے کسی سردار کا بچا کھچا کھانا بے دھیانی میں اس کے غلام نے کھا لیا جو خوب تندرست و توانا اور قوی الجثہّ تھا۔ جب اسے بتایا گیا کہ اس نے سردار کا بچا کھچا کھانا کھایا ہے تو اس کے بدن تڑپنے مڑنے لگا۔ آخر وہ اسی تکلیف کی حالت میں اسی دن غروبِ آفتاب کے وقت دم توڑ گیا۔

جادوگر، سردارِ قبیلہ اور بادشاہ کی ذات میں اس کے بے پایاں اختیارات، قوت، عقل و دانش خاندانی وجاہت کی بدولت "مانا" پُراسرار سحری قوت پائی جاتی ہے جو بے حد خطرناک، بسا اوقات مہلک ہوتی ہے۔ اس کا جسم ہی نہیں اس کے استعمال کی چیزیں بھی خطرناک سمجھی جاتی تھیں انہیں کوئی نہ چھیڑتا۔ ان لوگوں کے قہر سے بچنے کے لئے حصار کھینچ دیا جاتا۔ یوں کوئی شخص ان تک نہ پہنچتا۔ جب بھی کوئی اُن کے حضور جاتا، سر جھکاتا اور بڑے ادب سے پیش آتا۔

ان لوگوں نے اپنے لئے یا دوسروں کے لئے جو ٹیبو (دستورِ ممنوعات) وضع کیا اس کی وجہ ظاہر ہے یہ لوگ پورے معاشرے کے کرتا دھرتا اور سب کی سلامتی کے ضامن تھے۔ تمام انسانی اور معاشرتی رویوں کی نگہداشت کرتے۔ لوگ ان کے شکر گزار ہوتے کیونکہ مینہ اور دھوپ انہی کی بدولت تھی۔ انہی کی مہربانی (جنتر منتر اور تعویزوں) سے زمین پھل اگاتی، کشتیاں کنارے آ لگتیں، لوگوں کے پاؤں تلے کی سخت زمین بھی انہی کی بدولت تھی۔

"وحشی قبائل کے یہ حکمران ایسی طاقت اور صلاحیت رکھتے جو صرف خداؤں میں پائی جاتی اور جن سے متعدد فوائد حاصل ہوتے۔"

جادوگر کا وجود بیک وقت حیات بخش بھی تھا، مہلک بھی اور ناگزیر بھی، اہلِ قبیلہ اس کا بے پناہ احترام کرتے بشرطیکہ وہ ان کے فائدے کے لئے معاشرتی اُمور و فرائض بحسن و خوبی انجام دیتا۔ قدرت کے رویوں کو ان کے موافق رکھتا۔ اگر اس کے اُمور و فرائض میں کوتاہی اور بے پروائی آجاتی تو اس کا سارا ادب و احترام اور تقدس جاتا رہتا۔ لوگ محبت کی بجائے اس سے نفرت کرنے لگتے۔ وہی لوگ جو اسے اپنا آقا مانتے اور خدا بنا کر پوجتے اس سے چھٹکارا پانے اور مار ڈالنے پر تُل جاتے۔ اگر وہ ان کے قہر و غضب سے چھوٹ جاتا تو یہ معجزہ ہی ہوتا۔ محض بادشاہ بن جانا کافی نہ ہوتا۔ اس کے بعد اسے قبیلے کا محافظ اور پالنہار بننا پڑتا۔

جاپان کا تاجدار "مکیڈو" خدا کا درجہ رکھتا۔ دو ہزار سال پرانی ایک دستاویز سے پتہ چلتا ہے کہ مکیڈو زمین پر پاؤں نہ دھرتا کیونکہ یہ اس کی شان اور اس کے تقدس کے خلاف تھا۔ جب بھی کہیں جاتا لوگ اسے شانوں پر اٹھا کرلے جاتے۔ سورج کو اس لائق نہ سمجھتے کہ اس کے پاک جسم پر اپنی روشنی ڈالے وہ ہر روز کئی کئی گھنٹے تخت پر ساکت و ساکن ہو کر بیٹھتا کیونکہ اس طرح اس کی سلطنت میں امن و سکون رہتا۔

یہ آداب اور سوچ جادوگر ہی نے وضع کی تھی اس کے لئے کوئی سائنسی تشریح میسر نہیں۔ جوں جوں ماضی میں جائیں توں توں جادو کا یہ گورکھ دھندا مضحکہ خیز معلوم ہوگا۔

بعض اوقات فرماں روا پر اتنی پابندیاں عائد کی جاتیں کہ بے چارہ مظلوم ہو کر رہ جاتا۔ ایسے میں کوئی شخص فرماں روا بننے کی خواہش دل میں نہ رکھتا۔

جادو کی دنیا میں ایک اور مزے کی بات ملتی ہے۔ زندہ سے مردہ زیادہ قوی اور خوفناک تصور ہوتا۔ زبردست سے زبردست زندہ بادشاہ کسی مردے سے مقابلہ نہ کرسکتا بقول فرائیڈ "مردے زبردست حکمران مانے جاتے"۔

لوگ مردے سے ڈرتے، ماوری قبیلے کے لوگ مردے کو ہاتھ نہ لگاتے جو شخص مردے کو اٹھاتا، کفناتا، دفناتا اسے ہاتھ لگاتا، لوگ اس سے خوف زدہ ہو جاتے اور اس سے ہر طرح سے قطع تعلق کر لیتے۔ وہ نہ تو کسی گھر میں جاتا نہ کسی کو ہاتھ لگاتا مبادا کسی پر اس کا اثر بد ہو جائے وہ ناپاک سمجھا جاتا۔ کھانے پینے کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگاتا کیونکہ اس طرح وہ ناکارہ ہو جاتی وہ صرف زبان سے چاٹ لیتا اور جانوروں کی طرح پانی پی لیتا۔ یہ شخص "ٹیبو زدہ" (شجرِ ممنوعہ) قرار دیا جاتا۔ ہر گاؤں میں کوئی نہ کوئی ایسا شخص ضرور ہوتا جو مردوں کی رسوم (تکفین و تدفین) ادا کرنے والے شخص کی خدمت کرتا۔ ٹیبو زدگی کی میعاد ہوتی۔ اس میعاد کے بعد وہ پاک ہو جاتا اور پھر لوگوں سے ملنے جلنے لگتا۔ پولی نیشیا، میلانیشیا اور افریقہ کے بعض حصوں میں یہی کچھ ہوتا۔

جو آدمی مردہ سردار کو ہاتھ لگاتا، اسے کفناتا دفناتا وہ دس ماہ تک ٹیبو زدہ (ناپاک سحر زدہ) رہتا۔ اگر یہ شخص خود بھی سردار قبیلہ ہوتا تو تین چار ماہ تک ٹیبو زدہ رہتا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ "ٹیبو آرڈی ننس" (ضابطۂ ممنوعات) کی خلاف ورزی کرتا اور موت کو دعوت دیتا۔

برٹش کولمبیا میں اگر کوئی مرد یا عورت مر جاتی تو بیوہ یا رنڈوے کے قریب کوئی نہ پھٹکتا اگر کسی تندرست عورت یا مرد پر اس کا سایہ پڑ جاتا تو وہ اسی آن بیمار ہو جاتا۔

ٹیبو زدگی یا سحر زدگی نہایت خوفناک تھی۔

مردے کا خوف اتنا گھمبیر تھا کہ بیوہ گھاس کا لباس پہنتی تاکہ اس کا مردہ شوہر اس سے جنسی تعلق قائم نہ کر سکے۔

مردے کا بھوت اپنے عزیزوں کا پیچھا نہ چھوڑتا اور گاؤں میں گھومتا پھرتا۔ اس کے اثر بد سے بچنے ہی کے لیے "ٹیبو آرڈی ننس" (دستورِ ممنوعات) نافذ کیا جاتا۔

جزیرہ فلپائن کی جادو نگری اس سے مختلف نہ تھی۔ وہاں بیوہ اپنے گھر سے کئی دن تک باہر نہ نکلتی۔ جب باہر جاتی تو لکڑی کے ٹکڑے سے پیڑوں کو ٹھونکتی اور اپنی آمد کا اعلان کرتی جاتی۔ کوئی شخص اس کی جانب دیکھنے کی حماقت نہ کرتا کیونکہ ایسا کرنا فی الآن مہلک ثابت ہوتا۔

خوف اور ضرر رسانی میں بڑے سے بڑا تاجدار بھی کسی مردے کا مقابلہ نہ کر سکتا۔ مردہ ہی سب سے بڑا تاجدار رہتا۔

بیوہ عورت یا شریکِ حیات سے محروم ہونے والا مرد دوبارہ شادی نہ کرتا کیونکہ وہ مردے کے بھوت سے ڈرتا جو اپنی جگہ کسی اور کو گھر میں آباد دیکھ کر مشتعل ہو جاتا اور اہلِ خانہ بلکہ پوری بستی کو تباہ کر کے رکھ دیتا۔

بھوت تو بھوت، مردے کا نام بھی اس قدر خوفناک خیال کیا جاتا کہ بھول کر بھی زبان پر نہ لایا جاتا۔ جو شخص مردے کا نام لیتا اس کی سزا وہی تھی جو قاتل کی تھی۔ اسی لئے لوگ مرنے والے کا نام ہی بدل دیتے اور پھر بڑی بے تکلفی سے اسے نئے نام سے پکارتے۔ بعض جگہ "ٹیبو آرڈی ننس" اتنا شدید تھا کہ مردے کے ساتھ اس کے زندہ رشتہ دار بھی اپنے نام بدل لیتے اور یوں عزیز داری اور تعلقات کا نئے انداز سے آغاز ہوتا۔ نام بدلنے سے رشتوں کی تجدید ہو جاتی۔ نام بدلنے اور نئے نام رکھنے کا کام جادوگر کے سپرد ہوتا۔ اس سلسلے میں ایک بڑی دشواری پیش آتی۔ ایسی صورت میں کہ مردے کا نام کسی "ٹوٹم" (مقدس قبائلی جانور یا پیڑ) پر ہوتا تو پھر اس ٹوٹم کا نام بھی بدل دیا جاتا اور یوں عمر بھر یہ سلسلہ چلتا رہتا۔ جہاں کوئی مرا وہیں اسمائے معرفہ میں وسیع پیمانے پر تبدیلی آ گئی۔

مردوں کے ناموں سے رجوع کرنے اور انہیں دوبارہ رواج دینے کی ایک ہی صورت تھی۔ مدتوں ماتم کرنے کے بعد جادوگر کنبے کے نئے بچوں کو مردوں کے متروک نام دیتا۔ یوں ناموں پر سے ٹیبو دور ہو جاتا۔ بچوں کو مردوں کا اوتار مانا جاتا۔ اوتار کو حق پہنچتا کہ مردے کا نام اختیار کرے

جادو پرستوں کے نزدیک نام آدمی کی ذات کا جزو لاینفک ہوتا۔ نام کو وہ ہاتھ پاؤں، سر دھڑ جیسی شے سمجھتے اور اسے کسی طور آدمی کے جسم و جاں سے الگ نہ کیا جا سکتا نام لیتے ہی مردے کی پوری ہستی، پوری زندگی، پوری شخصیت سامنے آجاتی۔ نام میں بڑا جادو تھا۔ نام سے مردہ جی اٹھتا۔ اس کے سارے روپ زندہ ہو جاتے

جادوگر، ساحر طبیب، سردار قبیلہ، مردے اور اس کے بھوت کے علاوہ حائضہ (حیض والی) عورت بھی معاشرے میں بڑا درجہ رکھتی تھی۔ وہ بھی ٹیبو زدہ ہوتی تھی۔ سحر ور بھی مانی جاتی تھی۔ اہل قبیلہ اس کی سحری قوت سے آگاہ تھے اور اس سے فائدہ یا نقصان اٹھاتے تھے۔ یاپوا قبیلے کا کوئی آدمی خواب میں اگر مافوق الفطرت شے آبی جانور کی شکل میں دیکھ لیتا تو فوراً حائضہ کی مدد کا طلب گار ہوتا۔ اگر اسے مدد نہ ملتی تو مافوق الفطرت جانور کی بھینٹ چڑھ جاتا۔ حائضہ اس صورت میں مدد کرتی کہ اسے اپنے لہو سے داغی کیے ہوئے پتوں کو پانی میں ڈبو کر پلاتی۔ دوسرا نسخہ یہ تھا کہ وہ بند مٹھی سے آدمی کا سینہ سہلاتی۔ آدمی اس اثنا میں اپنا دایاں ہاتھ ادپر رکھتا تا کہ وہ بچوں کو کھلانے کے لیے شکار کرنے کی صلاحیت برقرار رکھ سکے۔ چونکہ حائضہ ٹیبو زدہ ہوتی اور اس کی سحری قوت خطرناک تسلیم کی جاتی اس لیے اسے چھوا نہ جاتا۔ متاثرہ آدمی اس لیے اپنا شکار کرنے والا ہاتھ بچا لیتا۔ اگر کسی آدمی پر کالے جادو کا اثر ہوتا تو اسے زائل کرنے کے لیے بھی حائضہ یہ عمل کرتی۔

جاپان کے آئینو قبیلے کے لوگ بھی حائضہ کے خون کی طلسماتی خوبی کے قائل تھے۔ اس قبیلے کا کوئی فرد زمین پر ایک بوند بھی پڑی دیکھتا تو جھٹ اٹھا کر سینے پر مل لیتا۔ وہ تو بلکہ عورت سے خون آلود کپڑا بھی طلب کر لیتا۔

حائضہ کی سحری قوت باعث خیر و برکت سمجھی جاتی ۔ اس میں زرخیزی کی قوت پنہاں ہوتی ۔ ایک ایسا بھی قبیلہ تھا ۔ جس میں لڑکی پہلی بار حائضہ ہوتی تو اسے گاؤں بھر میں پھرایا جاتا ۔ وہ باڑے کے اندر جاکر ایک ایک مینڈھے اور بکرے کو ہاتھ لگاتی تاکہ اس کی قوت بڑھے ۔ گھر گھر جاکر دودھ کے برتنوں کو ہاتھ سے چھوتی ۔

لوگ جہاں حائضہ سے ڈرتے وہاں اس کی "مانا" سحری مخفی طاقت کو مفید طریقے سے کام میں بھی لاتے ۔ چنانچہ ہریرو قبیلے کے لوگ ہر صبح گاؤں بھر کی گایوں کا دودھ جمع کر کے اس کے پاس لاتے ۔ وہ برتنوں پر ہونٹ رکھ دیتی ۔ شمالی روڈیشیا کی حائضہ عورتیں مکھیوں کو بھگانے کے لیے ان کے درمیان بیٹھ جاتیں اور وہ بھاگ جاتیں ۔

ٹرانسوال کے لوگ حیض کے خون سے سفوف تیار کرتے جو سحری تاثیر رکھتا ۔ حائضہ کو گاؤں سے باہر بند رکھتے ۔ اس کے آنے سے پہلے پہلے مرد سفوف کو ہاتھوں اور پاؤں کے تلووں پر ملتا اس طرح وہ لرزے کے مہلک مرض سے بچ رہتا ۔ بیوی گھر آنے کے بعد خاوند کو گلے کا ہار پہناتی اور وہ بیماری سے پوری طرح محفوظ ہو جاتا ۔ یہ عمل باقاعدہ رسم اور تقریب کے ذریعے کیا جاتا ۔

حائضہ لڑکی کو شہر سے باہر لے جاکر الگ تھلگ اسیری کی حالت میں رکھنے کا دستور عام تھا دنیا بھر میں اوائلی زمانے کے لوگ اس دستور کے پابند تھے ۔ دراصل تہذیب کے نچلے درجوں میں اس نوع کی رسوم بکثرت مروج تھیں ۔ علمائے بشریات تہذیبی طور سے ان رسوم کی جانچ پرکھ سے ہی فکر و عمل اور معاشروں کے ارتقاد کا اندازہ کس مرتب کرتے اور لوگوں کا تہذیبی اور ثقافتی قد ماپتے ہیں ۔ پرانے قبائل کا رہن سہن ، مذہبی اور معاشرتی رویئے ، اوہام و اعتقادات رسومات اور افکار ان کی ذہنی پرواز کا اندازہ لگانے کے لئے قابل مطالعہ ہیں ۔

مشرقی افریقہ کے برونڈی نوجوان لڑکی کو الگ تھلگ رکھنے اور اس سے دور رہنے کی بجائے اسے گھر گھر پھراتے ہیں ۔ وہ جس شئے کو چھوتی ہے وہ سحر زدہ ہونے کی بجائے موجب خیر و برکت ہو جاتی ہے ۔

الاسکا کے باشندوں کے نزدیک حیض کا خون شفائی تاثیر رکھتا ہے کیونکہ یہ حیات آفرین ہے اور تخلیقی عمل میں کام آتا ہے اگر کسی عورت کے بچے تلف ہو جائیں اور ایک بچہ بچ رہے تو پھر وہ حیض کے خون سے اپنا جانگیہ داغدار کر کے حفاظتی حربے کے طور پر اسے پہنا دیتی۔ یہ خون آلود جانگیہ تعویز کا کام دیتا۔ یاد رہے کہ عورت اپنا خون استعمال نہ کرتی بلکہ کسی دوسری عورت کا خون حاصل کرتی۔

اوائلی تہذیبی ادوار (PRIMITIVE CULTURE) میں قانونِ ممنوعات کے تحت جو ریتیں رسمیں اور طور طریقے وضع ہوئے وہ جادوگری، قبائلی سرداروں اور دوسرے کرتا دھرتا لوگوں کے تحفظ کی خاطر تھے۔ حائضہ عورتوں کی ناپاکی اور مُردوں کے بھوتوں اور بدروحوں کے اثرِ بد سے متعلق گھرانے، بستی والوں کو انفرادی اور اجتماعی طور سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ بھی منفی نوع کا قانون بنایا گیا۔ یہی ٹیبوازم ہے۔

ساحری دور ان رُسوم سے معمور ملے گا۔ بہرحال قدیم زمانوں کے یہی طور طریقے اور یہی ممنوعات تھے۔ یہی بندشیں اور پابندیاں تھیں۔ انہیں یہی بیہودہ اور واہیات کہہ سکتے ہیں۔ لیکن انسانی تہذیب کا بہت بڑا زمانہ جو چھ سات ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ سالوں پر مشتمل ہے انہی بیہودگیوں سے آراستہ رہا۔ چودہ سو سال پہلے تک لوگ ایسے ہی عجیب وغریب دستورِ ممنوعات کے پابند تھے۔ اسلام کی روشنی جہاں جہاں پہنچی وہاں وہاں سے جہالت اور توہمات کے اندھیرے چھٹے۔ عقل و شعور کی نئی روشنی پھیلی۔

جادو میں مثبت رجحان ملتا ہے اس کے مقابل ممنوعات کا قانون منفی رویوں کا حامل ہے۔

ایک فرعون اور اس کی بیوی (جو اس کی بہن بھی ہے) اپنے بیٹے سے نذر لے رہے ہیں یہ
تصویر خاندانِ رع موسیٰ کے عہد کی ہے۔

دنیائے طلسم

دینِ ساحری کے ذریعے جس دلفریب اور پر فریب دنیائے طلسم کی تشکیل کی گئی اور جس میں بڑی عیاری اور ہوشیاری سے مخلوقِ خدا کو اس کی غلام گردشوں میں پچاس صدی تک گھمایا پھرایا گیا وہ اپنے تاریک اور پُراسرار دریچوں سے سائنس کو ہوا دیتی رہتی۔ علمائے بشریات دینِ ساحری کو ان سائنٹیفک نہیں "نان سائنٹیفک" قرار دیتے ہیں کیونکہ اس کی کوکھ میں پلنے والے عُلوم و فنون آگے چل کر مستقل سیکولر شعبوں میں بٹ گئے اور معاشروں کی ترتیب و ترکیب اور ارتقاء میں لگ گئے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ سائنسی فکر مشاہدے اور تجربے کے باقاعدہ و باضابطہ تدریجی اور مسلسل و متواتر عمل کی پیداوار ہے۔ اس عمل میں وقت لگتا ہے۔ کائنات کی حقیقت، جلتے بجھتے تاروں کی مسکراہٹ، زندگی اور موت کے مسائل، تخلیقی سرگرمیوں میں کارفرما تخلیقی قوتوں کی وحدت اور خود آدمی کو اپنی ذات کی معرفت کے لئے جس شعور، مشاہدے اور تجربے کے آلات، سازوسامان اور جتنے وقت کی ضرورت تھی ساحر اس سے محروم تھا۔ اس کے سامنے بے پایاں سائنسی خلا تھا جو اسے بیکل کر رہا تھا۔ خلاء ممکن نہیں چنانچہ ضروری تھا کہ وہ خلاء کو پورا کرے اور اس طرح چاروں گھونٹ معلق سوالیہ نشان کو دور کرے اگر سائنسی انداز سے ایسا نہ ہو سکے تو دوسرے انداز سے کرے۔ یہ دوسرا انداز جسے ہم شاعرانہ انداز کہیں گے اپنی جلو میں شعری صداقتیں لئے آگے بڑھا اور اس طرح دینِ ساحری کی داغ بیل پڑی۔ گو اس طریق کار سے سائنس کا رجحان بھی ابھرتا رہا لیکن سائنسدان بننے کی بجائے یا اس سے بالاتر ہو کر وہ ساحر ہی رہا اور

ساحر نے ذاتی فائدوں اور مصلحتوں کی خاطر سائنسی رجحان کو دینِ ساحری کے تابع ہی رکھا۔ عملِ حنُوط ایسے بے نظیر فن سے علم الکیمیا پروان چڑھا لیکن یہ سحر و طلسم کے عملِ تکفین و تدفین ہی میں کھپتا رہا اور صدیوں تک سیکولر نہ ہو سکا۔ اقلیدس، حساب اور فنِ تعمیر نے تمام دنیا میں ساحر کے ہاتھوں ترقی پائی لیکن ان قابلِ قدر علوم و فنون کا مصرف تو مقبرے، معبد اور بت بنانا تھا۔ طبّ ساحری جیسے ہم بہت بڑی مثبت قدر کہہ سکتے ہیں گنڈے، تعویز، ٹونے ٹوٹکے اور جنتر منتر کے چکر سے بچ نہ سکا۔

اس زمانے میں گمراہی کا سمت کے ٹیڑھے پن، خود فریبی اور فریب کاری سے مفر نہ تھا۔ خلا پُر کرنے یا خانہ پُری کا تقاضا اتنا شدید تھا کہ اس کے لئے انتظار نہ کیا جا سکتا تھا۔ ڈر خوف، وہم وسوسہ، قیاس، شاعرانہ سوچ، تخلیقی صلاحیت اور فکر و عمل جو بھی شعوری، نیم شعوری یا لاشعوری سرمایہ اسے میسر تھا اس نے اسی سے کام لیا بلکہ کام چلایا۔ اوہام و وساوس اور قیاسات کے ہجوم سے اس نے شعر کے سہارے خلاء پر کر لیا۔ پھر با کمال ساحر نے مصر، میسوپوتیمیا، دو آبہ فرات و دجلہ اور وادی سندھ میں زبردست زرعی تہذیبیں پروان چڑھائیں تو لوگوں کی آنکھیں چندھیا گئیں اور وہ جادو کی جھوٹی اور گمراہ کن توجیہات و تشریحات پر ایمان لے آئے۔ انہوں نے بلا تامل اپنی مرضی و منشاء اور تقدیر ساحر کے حوالے کر دی۔ اپنے اثر کا بڑے سے بڑا فرعون اور نمرود کسی نہ کسی سامری اور آذر کا تابع فرمان رہا۔ کسی میں تاب نہ تھی کہ پروہت اور اس کے اجارہ دارانہ نظام کو للکارے اور اس کے افکار و اشغال کو مسترد کرے اور اس کے بنائے ہوئے راستے سے سرِ مُو ادھر ادھر سرکے۔

پروہتوں کی فکری اور عملی جدّ و جہد سے وہ دینی نظام معرضِ وجود میں آیا جسے ادیانِ عالم کی کتب میں "پریسیٹ ہڈ" کا نام دیتے ہیں اور جو ڈیرہ شاہی کا بہت بڑا ستون بن گیا۔ یہ رسوائے زمانہ پروہتی نظام ایسا کاروباری اجارہ تھا جس کے ذریعے۔

- جمہور اور جمہوریت کا قتل کیا گیا، غلامی کو ادارے کی شکل میں مستحکم کیا گیا۔

• پروہت نے بے پایاں اقتدار حاصل کیا، دین کو خاندانی میراث بنایا اور رسموں (سحری عبادات) کا انتظام اپنے قبضے میں لیا۔

• ملوکیت کو پروان چڑھایا۔

الغرض جادوگر نے خوب دکان سجائی۔ ہند میں برہمن نے اور مصر و عراق میں وہاں کے ذی شان علمائے دینِ ساحری نے پروہتی نظام قائم کر کے پوری انسانی سوچ کو اپنی مٹھی میں لے لیا۔ مُوَحّد فرعون اَخن عَطوُن (عُمُون حوطپ چہارم) سے قبل اور بعد میں عُمون (ربُّ الشّمس) کے پروہت دینِ ساحری کے کرتا دھرتا تھے۔ انہی کو اقتدار حاصل رہا۔

دینِ ساحری کی کئی پرتیں تھیں اس کی ایک شاخ ارفع و اعلیٰ قدروں سے وابستہ تھی جس سے تہذیب و تمدّن کی آبیاری ہوئی۔ دوسری شاخ روزمرہ کے اعمال و اشغال اور معاشرتی ضرورتوں کے لئے تھی۔

نظریے کے اعتبار سے تمام دنیا میں یکسانیت پائی جاتی ہے لیکن عملی شکلیں الگ الگ ہیں ہیں۔ بنیادی اُصُول بہرحال ایک سے ہیں۔ بابائے بشریات فریزر نے تالیفی سحر (سمپتھیٹک میجک) کی بنا پر اسے دو شاخوں میں بانٹا ہے۔۔ سحرِ بالمثل اور سحرِ باللمس، سحرِ بالمثل (ہومیوپیتھک میجک) اس گمراہ کن اصول پر ایجاد کیا گیا کہ یکساں عمل سے یکساں نتیجہ یا اثر پیدا ہوتا ہے یعنی اگر کسی عمل کی نقّالی کی جائے تو اثر اور نتیجے کے اعتبار سے نقل بمطابق اصل ثابت ہوگی۔ جادوگر نے یہاں ٹھوکر کھائی اور غلط بنیاد پر فلک بوس ایوان کھڑا کر لیا خشتِ اول پاتال میں رکھی جہاں اس کا ربُّ الارض اوسائرس حکمران تھا اور چوٹی آسمان پر پہنچائی جہاں "شمس" کی عملداری تھی یہ نتیجہ تھا اصل اور نقل میں تمیز نہ کرنے کا۔

جہاں تک اوائلی دور کے انسان کا تعلق ہے وہ بقول بابائے بشریات صرف عامل تھا اور اس کا جادو عمل کی حد تک تھا۔ نظریہ بہت بعد کی چیز ہے۔ جب مشاہدے اور تجربے سے علم حاصل ہوا۔ اس میں سوچ شامل ہوئی اور جمع شدہ سرمایے کی شیرازہ بندی کی گئی تو نظریے

کی ابتداء ہوئی پھر جوں جوں شعورِ انسانی میں اضافہ ہوا توں توں نظریہ بڑھا پھیلا اور پُرپیچ ہوگیا نظریے کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ عمل بالخصوص ریت کا بھی ارتقاء ہوا۔ اپنے عہدِ عروج میں ریت نے یونان میں پہنچ کر نہایت ہی حسین صورت اختیار کی۔ یہاں رقص، موسیقی اور شعر کے امتزاج سے وہ اکائی پیدا ہوئی جس نے ڈرامے کو جنم دیا۔ آج دنیا کے چار بڑے المیہ نگاروں میں تین یونانی ہیں۔ ایسکی لس، سوفوکلیز اور یوری پیڈیز۔ شیکسپیئر چوتھا تھا۔

یونانی ڈراما جو دینِ ساحری کے عظیم ترین کارناموں میں سے ایک ہے صدیوں پرانی مصری و عراقی ڈرامائی ریتوں اور سحری تمثیلوں کے ان کھنڈروں پر کھڑی کی ہوئی عمارت ہے جو قبل ازیں اوسائی رس تموز ادونس، آئی سس، عیسطارطی اور عشطار کی عزائی ریتوں سے آباد تھے۔

بات سحرِ بالمثل کی تھی اس میں اصل کو نقل کے مثیل و مساوی سمجھنے میں جو گر پڑے ہوئے اسے یوں سمجھئے کہ قبائلی جنگ میں بھالے لٹھ اور پتھر کے ہتھیاروں سے لوگ ہلاک ہوئے۔ خود سردارِ قبیلہ (جادوگر) نے بہ نفسِ نفیس بھالا مار کر دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارا تو اپنے تجربے کو سحرِ بالمثل کی اساس بنایا۔ اس نے دشمن کا پتلا بنایا اور اس کو سوئیوں سے چھید دیا یوں اسے ہلاک کیا۔

فریزر نے گولڈن بو میں اور ہٹن ویبسٹر نے اپنی تالیف "میجک" میں تالیفی سحر اور نقالی کے سحری عمل کے باب میں بکثرت ایسی مثالیں دی ہیں جن سے عیاں ہوتا ہے کہ دنیا میں ہر کہیں یہی کچھ ہوتا تھا۔ جادوگر سحرِ بالمثل کے مفروضے پر ٹونے ٹوٹکے اور گنڈے تعویذ کرتے تھے منتروں کی بھی یہی صورت تھی۔ طبِ ساحری میں تو علاج بالمثل کا دستور العمل محتاجِ تعارف نہیں۔ ہٹن ویبسٹر کے نزدیک تعویذ کا موثر ہونا علامیات پر انحصار کرتا ہے۔ مثلاً کھوپڑی سے ملتا جلتا نٹ (ناریل) پاس رکھنے سے آدمی بھوت پریت کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔ یہاں ناریل کو سر کی علامت مانا گیا ہے کہ یہ کھوپڑی کی طرح سخت ہوتا ہے اور بال رکھتا ہے ناریل محفوظ ہے تو سر بھی محفوظ ہے۔

دانتوں سے ملتے جلتے سنگریزے کا یہ مطلب ہے کہ آدمی کی عمر لمبی ہوگی اس کے دانت

تادیر سلامت رہیں گے اور ان کی بدولت وہ بھی تادیر سلامت رہے گا۔

لوہا مضبوط دھات ہے لہذا اسے پاس رکھنے سے آدمی محفوظ، مضبوط اور توانا رہتا ہے۔

ہلکے نیلے رنگ کے منکوں سے بھی سحر بالمثل کیا جاتا تھا۔ چونکہ دھندلے پن کی وجہ سے ان میں سے روشنی کا گزر نہ ہو سکتا تھا اس لئے اگلے وقتوں کے لوگوں نے سمجھ لیا کہ اسے پاس رکھیں گے تو دشمن کی آنکھوں کے آگے دھواں دھواں رہے گا اور وہ اسے دکھائی نہ دیں گے یوں دشمن کو اندھا کر کے اس کا صفایا کیا جا سکے گا۔

قربانی بھی سحر بالمثل کی بہت بڑی ریت تھی جس میں آدمی یا جانور کا خون بہا کر سمجھا جاتا کہ یہ جوانی میں مرنے والے خدا کو پہنچے گا اور اسے زندہ کر دے گا۔

ریت (RITUAL) جو زندگی کی نقالی تھی اور جسے ہر سال باقاعدگی سے دہرایا جاتا زرخیزی و شادابی اور انسان، حیوان اور نباتات کی سلامتی کے لیے تھی۔

کوئی ایسی چیز جو شکل و صورت کے اعتبار سے انوکھی اور کمیاب ہوتی اور پراسرار جگہ مثلاً جانور کے بطن سے برآمد ہوتی تو علامتی سحری عمل میں کام آتی۔

سحر یاتی عمل کی دوسری شاخ جسے "لمسیاتی سحر" کہتے ہیں چھوت کے عمل سے تعلق رکھتی ہے۔ سحر بالمثل میں تو عامل یہ باور کرتا اور کرواتا کہ کسی فعل، عمل یا سرگرمی کی نقالی سے مطلوبہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے لمسیاتی سحر میں بقول ہٹن ویبسٹر، "یہ بتاتا ہے کہ بے جان اجسام و اشیاء کے خواص و اوصاف اس نوع کے ہیں کہ انہیں الگ کر کے دیگر اجسام و اشیاء میں حسب ضرورت منتقل کیا جا سکتا ہے۔ ضروری نہ تھا کہ اشیاء کا جسموں سے لمس ہوا ہو، قرب اور تعلق بھی کافی تھا، نظر، اشارے اور کلام کے ذریعے بھی لمس ہو جاتا تھا"۔

• "وسطی آسٹریلیا کے لوگ درد سر میں بیویوں کے سر کے کپڑے پہنتے جس سے درد کپڑوں میں داخل ہو جاتا۔ بعد ازاں وہ کپڑوں کو جھاڑیوں میں پھینک دیتے"۔

• بعض قبیلے کسی تندرست و توانا بچے کو قتل کر کے اس کا گوشت اپنے نحیف و نزار بچے کو

کھلاتے تاکہ وہ بھی تندرست اور توانا ہو جائے۔

• سرکش (ہیڈ ہنٹرز) دشمن کا سر کاٹ کر تعویز کے طور پر پاس رکھتے تاکہ اپنی قوت برقرار رکھ سکیں ہٹن ویبسٹر کے نزدیک یہ شخصیت کی توسیع کا تصور ہے جسے حقیقی تسلیم کر لیا گیا ہے اس سلسلے میں سر، بال، دانت اور لہو پر ہی اکتفا نہ کیا جاتا بلکہ کپڑوں، اوزاروں، ہتھیاروں اشیائے خور و نوش اور سایے تک سے لمسیاتی عمل کیا جاتا۔

کالے عمل یا سفلی عمل والے مردوں کی راکھ سے ٹونا ٹوٹکا کرتے۔

بورنیو کے قبائل سمجھتے کہ سردار کو شبیر کا دانت دیا جائے تو وہ مہربان رہے گا۔

پوپو کے لوگ دوسروں کا کھانا چرا کر اپنے کتوں کو کھلاتے اور سمجھتے کہ یہ کڑیل ہو جائیں گے اور جنگلی سؤروں پر حملہ کر دیں گے۔

ملایا میں ایسا عمل کیا جاتا جسے سحر بالمثل اور لمسیاتی عمل دونوں ہی میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ صحرائی بکری جو پہاڑوں، گھاٹیوں اور ٹیلوں میں بے تکان دوڑتی پھرتی ہے۔ بڑے پکے قدم کی ہوتی ہے۔ اگر اتفاق سے یہ کسی پہاڑی سے گر پڑتی تو اس کی زبان کاٹ کر تعویز کے طور پر رکھ لی جاتی۔ اس طرح آدمی پہاڑی سے نہ گرتا مزید برآں اگر کبھی گرنے سے چوٹ لگ جاتی تو اس تعویز کی بدولت اچھا ہو جاتا۔

سفلیات کے عامل لمسیاتی سحر پر تکیہ کرتے ہیں سحر بالمثل سے بھی کام لیتے ہیں۔

"قبلِ تہذیب کے قبائل علوی یا سفلی جادو کے عامل نظریے سے بے خبر مشاہدے کی بنا پر سیدھے سادھے طریقے سے نقالی کرتے تھے۔ وہ تجزیے اور مشاہدے کی گہرائی میں نہ جاتے۔ بقول بابائے بشریات وہ لوگ کھانا تو کھا لیتے لیکن نظام انہضام کی پیچیدگیوں اور اعضاء کی اندرونی سرگرمیوں سے ناآشنا ہوتے۔ اوائلی دور میں آدمی کے لئے جادو ہمیشہ آرٹ رہا۔ سائنس نہ بنا۔ اس کے ناپختہ دماغ میں سائنس کا خیال نہ آیا۔ فلسفے کے طالب علم کا کام ہے کہ وہ خیال کے اس سلسلے کا سراغ لگائے جو جادوگر کے عمل میں پنہاں رہا۔ فریب آلود سائنس کی پشت پر جو حرامی

بچہ" (آرٹ کار فرما ہے اسے دیکھئے" (گولڈن بوص ۱۱ ۱۲-۲۰ - ۱۹۰۹ء بیکملن)

نقالی کا عمل سحر بالمثل (ہومیو پیتھک میجک) اور لمسیاتی سحر دونوں ہی فکر کے سلسلے ارتباط کے غلط استعمال اور قیاسات کے باعث بروئے کار آئے مثلاً کسی کا پتلا بنا کر اسے اصل سمجھ لینا یا جسم سے الگ کی ہوئی بے جان اشیاء کو جسمانی خواص کا حامل قرار دینا احمقانہ فعل نہیں تو اور کیا ہے؟ پتلے کی آنکھ پھوڑتے ہوئے یہ منتر پڑھنا، "وہ اندھا ہو جائے گا"، عقل اور منطق سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔

درحقیقت جادوگر کا کمال اس کے عمل میں نہ تھا بلکہ یہ باور کروانے میں تھا کہ نقالی اور لمس عمل کے ذریعے مطلوبہ اثرات عیاں ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ نفسیاتی ماحول پیدا کر کے لوگوں کو الو بناتا۔ فریزر ہٹن ویبسٹر، مس جین ایلن ہیری سس، مس مارگریٹ میڈ اور دوسرے بشریات دانوں نے جو لازوال کام کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قبل اسلام پوری دنیا جادو کے خوبصورت جال میں پھنسی تھی اور سب کا طرز عمل تہذیب و تمدن کی مختلف منزلوں اور درجوں پر ہونے پر بھی کم و بیش یکساں تھا یہ طرز عمل عالمگیر تھا اور آدمی غاروں سے نکل کر جب میدانوں میں آیا، اس نے زراعت شروع کی مشاہدے اور تجربے کی نئی دنیا سامنے آئی تو وہ اپنی کارروائیوں اور دینی سرگرمیوں کا کینوس تو بڑھا سکا لیکن جادو کی جڑیں نہ کاٹ سکا۔ اس نے تو اس میں اور بھی خوبصورتیاں فراہم کیں۔ اسے اور بھی متنوع کیا اور زرعی تہذیب (ایگری کلچر) کو پروان چڑھا کر اسے دینی تاریخ میں لازوال مقام دلایا۔

زمانے بدلے، نئے شعور نے معاشرے کو سنوارا لیکن سماٹرا اور دوسرے ملکوں کی بانجھ عورتیں جادوگر کے بتانے پر بچے کا کاٹھ پتلا اپنی جھولی میں رکھتی رہیں اور باور کرتی رہیں کہ اس ترکیب سے ان کی گود ہری ہو جائے گی۔ گود نہ ہری ہوتی تب بھی جادو پر ان کا یقین اٹل ہوتا۔ آر کی پیلیگو قبیلے کی عورت ڈھیر سارے بچوں والے مرد کو بلوا کر دم کرواتی تاکہ روح آفتاب اس پر کرم کرے۔

طب کے علم اور فن کا آغاز سحر بالمثل ہی سے ہوا اور جادوگری میں یہ صورت آخری لمحے تک برقرار رہی۔ آج بھی افریقہ اور ان علاقوں میں طب کی یہی صورت ہے جہاں جادو کا چلن ہے۔

جڑی بوٹیوں، پتھروں اور معدنیات کے خواص اور دوائی اثرات کے بارے میں صحیح علم تو اس وقت ہوا جب صدیوں بعد سائنس نے سیکولر رنگ پایا اور ترقی کی۔ بقراط پہلا طبیب ہے جس نے خالص علمی و فنی طور پر اس کی شیرازہ بندی کی ورنہ قدیم زرعی تہذیبیں صدیوں تک طب کو اوہام و قیاسات کے پردوں میں لپیٹے رہیں۔

قدیم ہند میں یرقان کے علاج کے لیئے بڑے اہتمام سے تقریب منائی جاتی تاکہ مریض کے پیلے پن کو ہومیوپیتھک میجک (سحرِ بالمثل) سے پیلے رنگ کے جانداروں یا چیزوں میں منتقل کیا جائے اور کسی سرخ رنگ کے جاندار یا شے سے اس کی سرخی مریض میں داخل کی جائے۔ پروہت جب اپنا عمل کرتا تو یہ منتر جپتا — "سورج کے پاس جائے تیری منڈی کا درد اور یرقان، ہم تجھے لال سانڈ کے رنگ میں لپیٹ دیتے ہیں۔ ہم تیرا پیلا پن طوطوں کو دے دیتے ہیں"۔

ادھر منتر پڑھتا اور ادھر پاس کھڑے ہوئے سانڈ پر پانی ڈالتا جاتا تاکہ اس کے رنگ کی خاصیت اس میں منتقل ہو جائے۔ پھر وہ مریض کو یہ پانی پلاتا، سورج کو اگنی سمجھ کر اس کی پوجا کی جاتی۔ رگ وید میں اگنی دیوتا کی شان میں بے شمار حمدیہ گیت موجود ہیں کہ یہ بھی ایک دیوتا تھا۔

الغرض جب تک اسباب و علل اور نتائج میں باہمی تعلق کا سراغ سائنسی طور پر نہ لگایا جا سکا تب تک دنیا جادوگر — پروہت اور طبیب کی گرفت سے نہ نکلی۔ صدیوں تک مخلوقِ خدا جادوگر کے بہلانے پھسلانے سے اس بھول بھلیاں میں گھومتی رہی جس میں اول الذکر نے اسے پہلی بار دھکیلا تھا۔ ادھر خود جادوگر جو آفتاب کو رخِ یار اور رخِ یار کو آفتاب سمجھنے پہ بس تھا اسے خلاء پاٹنے کے لیئے بامرِ مجبوری اپنے علم و فن کو شعری صداقتوں میں ڈھالنا پڑا۔ جب اس نے تقویم تیار کر لی، کیمیائی عمل سے لاشیں محفوظ کرنے کا طریقہ دریافت کر لیا، ایسی ایسی عظیم الشان عمارتیں کھڑی کر لیں کہ آج کے انجینیئر اور سائنسدان بھی حیران ہیں تب بھی وہ اس خول سے نہ نکلا جو اس نے اپنے حواس اور عقل و خرد کے گرد بنایا تھا۔ مہذب و متمدن ہوتے ہوئے بھی وہ سائنس کو جادو کا نعم البدل نہ بنا سکا۔ اس نے مثبت جادو اور منفی جادو (نواہی کا معاشرتی ضابطہ ٹیبو) کی سوچ اور عمل

کے لئے جو سائنسی مواد لیا اسے بھی موروثی گمراہیوں، ریتوں رسموں اور علم و فن میں گوندھ لیا۔ اس نے لازوال اور محیر العقول اہرام تعمیر کئے ان کا مقصد یہ نہ تھا کہ فراعنۂ عالی قدر کے مردہ جسم محفوظ کئے جائیں یہ کام تو ریت بھی بڑی عمدگی سے کرلیتی ہے نمی سے پاک ہونے کے باعث اس میں مردے محفوظ رہتے۔ یہ اہرام تو فراعنہ کی ابدی رہائش گاہیں تھیں جہاں ان کی لاشوں کے ساتھ زندگی گزارنے کیلئے سارے ساز و سامان، روزمرہ کی ضروریات پوری کرنے اور خور و نوش کی چیزیں رکھی جاتیں۔ علاوہ ازیں مرنے کے بعد فراعنہ کو دائماً زندہ رکھنے کی غرض سے پروہتوں کی ٹولیاں "کتابِ مُردگان" کے ہزاروں منتروں کا ورد کرتے اور درجنوں کی تعداد میں سفید ململ کی پٹیوں کے درمیان لاشوں کے مختلف اعضاء کو محفوظ کرنے کے لئے تعویز رکھتے۔

جادوگر معذور تھا۔ جب اسے دوا معلوم ہی نہ تھی تو وہ کیا کرتا؟ کیا وہ بغیر ان کے مریض کو کسی تدبیر کے بغیر ہی مرنے دیتا؟ اپنی عقل اور عصری شعور کے مطابق جو کچھ کرسکتا تھا اس نے کیا۔ دراصل جادو کی گرفتیں اتنی کڑی تھیں، اس کی جڑیں تحت الشعور میں اس طرح گڑی تھیں اور جذباتی تہوں میں اتنی گھری تھیں کہ عہدِ اہرامیہ سے پہلے ہی نہیں بلکہ اس کے بعد بھی صدیوں تک اسے گلے کا ہار بنائے رہا۔

اس نے اہرام کی پتھریلی دیواروں، چھتوں، فرشوں، عبادت گاہوں، ستونوں، پیپیرس کے پلندوں، نقشی لوحوں، غاروں اور مٹی کے برتنوں پر اپنی عقل و دانش اور حکمتوں کے جو خزانے بکھیرے ہیں اور جن سے دنیا کے عجائب خانے لدے پھندے ہیں ان سے پچھلی تین چار صدیوں سے علمائے بشریات الجھے ہوئے ہیں۔ جادوگر ایسی ایسی گتھیاں اور طلسم کدے چھوڑ گیا ہے کہ انہیں سمجھنے کے لئے سینکڑوں سکالروں نے عمریں صرف کیں، ہزاروں کتابیں لکھیں، مخطوطے اپنی زبان میں منتقل کئے اور کام ہنوز جاری ہے۔ وادیٔ سندھ کی تہذیب کے بارے میں بہت کم علم حاصل ہوا ہے کیونکہ اس کی زبان ہنوز سمجھ میں نہیں آئی۔ ہائرو گلیفکس (تصویری خط) اور میخی خط برسوں کی عرق ریزی کے بعد آخر سمجھ ہی لئے گئے۔ وادیٔ سندھ کے خط پر بھی سکالر کام کر رہے ہیں، اسے بھی

کبھی پڑھ ہی لیا جائے گا۔

بشریات بالخصوص معاشرتی بشریات نے دین ساحری کے باعث بے پناہ اہمیت حاصل کر لی ہے۔

جادو فی نفسہ غلط فہمی کا نتیجہ ضرور تھا لیکن انسان کی شعوری اور تحت الشعوری تحریکوں وجدانی رویوں اور جذباتی لہروں نے جو گل کھلایا وہ ذہن انسانی کے تاریخی مطالعے کے لئے لائبریری ہے مغالطے سے بڑی غلط سوچ اور عمل بروئے کار آئے لیکن ارتقائے فکر، مشاہدے اور تجربے کے مدارج کی نسبت بے پناہ معلومات میسر آئیں۔ یہ امر واقع ہے کہ بعد میں مذہب بالخصوص اسلام نے جو اصلاح کی فکر و عمل کا قبلہ راست کیا تو اندھیرے دور ہو گئے اور اجالے سامنے آئے۔ کفر ٹوٹا، شرک دور ہوا اور نہ صدیوں سے بت خدا کی جگہ سنبھالے ہوئے تھے۔ کعبے بتکدے بن گئے تھے اور دین نہایت منافع بخش کاروبار بن گیا تھا۔ عوام کا اس سے براہ راست رشتہ نہ تھا وہ پروہت کے ذریعے اس کی زد میں آتے۔ بھیر دیوداسی جسے زرخیزی، حسن و جمال اور محبت کی دیویوں (عشتار، مجسطارطی، وینس، افرودائتی وغیرہ) کی تحویل میں دیا گیا اسے انکی خدمت پر مامور کیا گیا اور ان کے معبدوں کی دیکھ بھال کا فریضہ سونپا گیا۔ بالآخر زن بازاری بن کر رسوا ہوئی۔ یہی نہیں بلکہ از منہ وسطیٰ میں یورپ کے معبد ان کی بناہ گناہیں بن گئے اور ان کی کمائی سے تو ہمیشہ معبدوں کا بجٹ مرتب ہوتا رہا۔ اب وہ جنسی زندگی کا پاکیزہ نمونہ یا علامت نہ رہی بلکہ بدکاری کا ذریعہ بن گئی اور معاشرے کے اخلاقی تار و پود بکھرنے لگی۔

قبلِ تہذیب کے حیوانی معبود

صبح تہذیب کے انسان نے زندگی کو ایسے خیالوں اور نظریوں کے تانوں بانوں میں الجھالیا کہ ان کی منطق اور حقیقت کو سمجھنے کے لیئے رواں شناسوں اور سائنس دانوں کی کھیپ پر کھیپ سرگرداں چلی آرہی ہے، گتھیاں سلجھ رہی ہیں، الجھ رہی ہیں۔ ماضی کا سادہ لوح، فطرت پرست اور غیر فلسفی شخص آج کا نہایت مشکل، پیچیدہ اور متنازعہ فیہ ہستی بن گیا ہے۔

اس انسان کی نسل تمام نہیں ہوئی۔ یہ انسان تو آج بھی ہم میں موجود ہے ہمارا ہمعصر ہے۔

قبلِ تاریخ اور بعداز تاریخ کے انسان نے ترقی کے جو مدارج طے کیئے ان میں پہچان کے لیئے وہ ہمیں نہایت گرانقدر — بھونڈے اور نفیس، بدنما اور خوشنما، تراشیدہ اور ناتراشیدہ ہر قسم کے آلات، اوزار اور نمونے دے گیا ہے۔ بعض یادگاروں کی نفاست اور خوبصورتی قابلِ رشک ہے۔ انہی کی مدد سے ہم نے اس کے مذہب و مسلک، نظریات و خیالات اور رویّوں کا سراغ لگایا ہے، اس کی عادات، رسومات اور سحری تقریبات کی تفصیل معلوم کی ہے۔

قبلِ تاریخ اور قبلِ فلسفہ کا انسان ناپید نہیں۔ افریقہ اور آسٹریلیا میں اب بھی پایا جاتا ہے۔ آسٹریلیا کی اس قدیم نسل کو اپنے اصل روپ میں محفوظ کرنے کے اقدامات بھی کیئے جارہے ہیں تاکہ یہ لاثانی عجائب خانۂ عالم آنے والی نسلوں کے مطالعے کے لیئے بھی باقی رہے۔ اس کی حفاظت انہی خطوط پر کی جارہی ہے جن خطوط پر بعض نایاب جانوروں کی جانی اور "سنیکچواری" (امان گاہ) بنائی جاتی ہے۔

ا یہ بھی ایک خدا ہے۔ مصری دوم درجے کے خداؤں کو حیوان نما بناتے تھے۔

فریزر ــــــ بابائے بشریات کی معلومات سے اِستفادہ کر کے فرائڈ نے نہایت دلچسپ تھیوری مرتب کی ہے اور اپنی کتاب "ٹوٹم اینڈ ٹیبو" میں اسے بیان کیا ہے۔ فرائیڈ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ماضی کے مجہول انسان اور ہر دَور کے ذہنی بیمار کی نفسیات میں کئی نِکات مشترک ملیں گے۔

اس ضمن میں اس نے "ٹوٹم" کا ذکر کیا ہے اور دنیا کے سب سے کمسن برّاعظم ــــــ آسٹریلیا کے قبلِ تاریخ کے باشندوں کو لیا ہے جو صدیاں گزرنے پر بھی اپنی پرانی وضع پر قائم ہیں۔ ان کے خط و خال، رہن سہن اور طور طریقے ذرا نہیں بدلے۔ یہ ماضی کی جو متاع سنبھالے بیٹھے ہیں اسے تاریک برّاعظم کے کتنے ہی قبائل گنوا چکے ہیں۔ ان کے سواء شاذ ہی اور کہیں قبلِ تہذیب کی قوم خالص حالت میں ملے۔ فرائیڈ کے نزدیک ملایا، پولی نیشیا اور میلانیشیا کی پرانی نسلیں انہی کی ہمسایہ ہیں لیکن ان میں لسانی اور جسمانی اعتبار سے کوئی قرابت نہیں۔

آسٹریلیا کے یہ قدیم باشندے جس "ٹوٹم ازم" کے قائل ہیں وہ صرف انہی سے مخصوص نہیں، ماضی میں یہ عالمگیر مسلک تھا اور ساحر پروہت اسے بے حد اہمیت دیتے تھے۔ یہ لوگ جن کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے دینِ ساحری کی ترقی یافتہ شکل سے نابلد ہیں۔ مصر، وادیٔ سندھ اور فرات و دجلہ کے دوآبے میں بسنے والوں نے دینِ ساحری میں جو خوبصورتیاں پیدا کیں، جو دلفریب داستانیں گھڑیں، جو فلسفے تراشے اور جن لافانی زرعی تہذیبوں کو جنم دیا، یہ ان سے کوسوں دور رہے۔ یہ تو گھر بھی نہیں بناتے۔ انہیں تو مستقل ٹھکانے بنانے کی توفیق بھی نہیں ہوئی۔ کھیتی باڑی بھی نہیں کرتے۔ کتے کے سواء کوئی جانور نہیں پالتے۔ گوشت پر گزر بسر کرتے ہیں۔ ان کا تمام وقت شکار کرنے میں لگ جاتا ہے۔ مٹی تلے دبی ہوئی جڑیں بھی کام میں لاتے ہیں۔ یہی جانتے ہیں کہ بھوک اور پیاس بجھانے والی یہ چیزیں کہاں ملیں گی ان کے یہاں دورِ ساحری کے بادشاہوں اور قبائلی سرداران کا کوئی وجود نہیں۔ بزرگوں کی ایک جماعت ہوتی ہے۔ وہی تمام مسئلے اور تنازعے حل کرتی ہے ان کے یہاں کوئی معبود نہیں اور اسی لیئے معبد بھی نہیں، پریسٹ ہڈ (پروہتی نظام) کی لعنت بھی نہیں۔

یہ لوگ لباس سے آشنا ہیں لیکن بیسویں صدی کے ملبوس درندوں سے کہیں زیادہ بااخلاق ہیں۔ مہذب دنیا کی طرح ان کے یہاں جنسی حملوں، قتل و غارت، جنسی وارداتوں اور ذہنی و جسمانی جنسی روگ کا پتہ نہیں ملتا۔ یہاں وہ کلینک بھی نہیں جہاں رات دن نفسیاتی معالج، جنسی مریضوں کی لمبی لمبی رپورٹیں تیار کرنے اور چھاپنے میں لگے رہتے ہیں۔ "کال گرل" اسی قسم کی ایک رپورٹ ہے جس کی درآمد ممنوع ہے اور اب یہی کتاب نئے نام سے فروخت ہو رہی ہے۔ یہ لوگ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے اور اسی لئے "کام سوتر" (کوک شاستر) اور "پرفیومڈ گارڈن" لکھنے والے مصنف ان میں پیدا نہیں ہوئے۔

حضرت آدمؑ کے یہاں بہن بھائیوں کی شادی ایک مجبوری تھی لیکن مہذب مصر میں ایسی کوئی مجبوری نہ تھی۔ پھر بھی فرعون اپنی حقیقی بہن سے شادی کرتا۔ ان کے یہاں تاج کی اصل وارث عورت ہوتی۔ فرعون حقیقی بہن کے علاوہ بیٹیوں سے بھی شادی کر لیتا۔ موحّد فرعون آخن عطون نے دو بیٹیوں سے شادی کی۔

آسٹریلیا کے ٹوٹم پرست سارا زور اس پر صرف کرتے ہیں کہ محرمات سے جنسی رشتہ استوار نہ کریں۔ ایسا لگتا ہے کہ ان کی معاشرتی تنظیم کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ محرمات کی حرمت بہر حال برقرار رکھی جائے۔ یہ تنظیم تو جیسے وجود ہی میں اس لئے آتی ہے۔

ان کا مسلک ہی ٹوٹم پرستی ہے۔ ٹوٹم کا رشتہ اتنا زبردست ہے کہ خونی رشتہ اس کے سامنے ہیچ ہے۔

ٹوٹم کیا ہوتا ہے؟

اس کا ذکر ابھی کرتے ہیں۔ یہاں یہ عرض کر دیں کہ ٹوٹم پرستی کا محرمات کی حرمت یا بیحرمتی سے کوئی تعلق نہیں لیکن نہ جانے یہ نظریہ کس طرح مذکورہ بالا ٹوٹم پرستوں کے یہاں رائج ہوا؟

ٹوٹم پرستی تاریخی اعتبار سے زرعی تہذیب اور زمین پرستی (دھرتی دھرم) سے قبل کا مسلک ہے اور جنگل کے آدمی یا شاید غار میں رہنے والے کی ایجاد ہے۔ یہ آج بھی افریقہ میں وسیع پیمانے

پر رائج ہے۔ شمالی امریکہ کی پرانی نسلیں بھی اس پر ایمان رکھتی ہیں۔ متعدد محقق مانتے ہیں کہ انسانی ارتقاء میں ٹوٹم پرستی کو اہم مقام حاصل رہا ہے اور یہ مرحلہ عالمگیر طور پر آیا ہے۔ (ٹوٹم اینڈ ٹیبو حاشیہ ص ۳۔ ۱۹۵۰ء)

ٹوٹم پرست الگ الگ قبیلوں میں بٹ جاتے ہیں تو وہ اپنی پہچان کے لیے الگ الگ ٹوٹم کو اپنا لیتے ہیں۔ یہ ٹوٹم کوئی ایسا جانور ہوتا ہے جو ضرر رساں بھی ہو سکتا ہے بے ضرر بھی۔ خنزیر، مگرمچھ شیر، گائے، بجلی (بچھڑا، یعنی چھوٹا سانڈ) بکری وغیرہ ٹوٹم تھے۔ بعض حالتوں میں پیڑ پودے بھی ٹوٹم بنا لیے جاتے ہیں جیسے برگد اور پیپل کے پیڑ، تلسی کا پودا، مظاہر قدرت بھی ٹوٹم بن جاتے ہیں جیسے مینہ۔

قبیلے کا ٹوٹم ہی اس کا مورثِ اعلیٰ اور جدِ امجد ہوتا ہے۔ یہ ٹوٹم اہلِ قبیلہ کا نگہبان ہوتا ہے اور مددگار بھی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ خوفناک اور خطرناک جانور کیونکہ ٹوٹم ہو سکتے ہیں۔ اس کا جواب فرائیڈ نے بڑی عمدگی سے دیا ہے۔ اس کا کہنا ہے برے سے برا جانور بھی اپنے بچوں کی نگہبانی کرتا ہے پس یہ وصف اس کے قبیلے کو فائدہ پہنچانا جو اس کی اولاد قرار پایا۔

وسطی آسٹریلیا کے بے آب و گیاہ علاقوں میں جہاں غذائی قلت شدت اختیار کر جاتی ہے ٹوٹم — مقدس جانور یا پیڑ پودے کی حفاظت کے لیے سحری رسوم بڑی پابندی، احتیاط اور صحت سے ادا کی جاتی ہیں۔ ہر ٹوٹم قبیلہ اپنے اپنے ٹوٹم کے لیے پریشان رہتا ہے۔ ان کی رسوم سحری تالیفی سحر کی ذیل میں آتی ہیں۔ ان میں نقالی کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ مثلاً ایک مقدس جانور کی بقاء اور افزائشِ نسل کے لیے رسم یوں ان کی جاتی کہ جانور کا ... بنایا جاتا اور اسے ہاتھ میں لے کر اس کی آواز پوری قوت سے نکالی جاتی ہے۔ شتر مرغ قبیلے کے لوگ زمین پر شتر مرغ کی تصویر بناتے ہیں۔ پوری تصویر نہ بنائیں تو ان اعضاء کا خاکہ بناتے ہیں جو انہیں مرغوب ہوتے ہیں۔ سب لوگ اس کے اردگرد بیٹھ کر گاتے ہیں۔ اس کے بعد وہ شتر مرغ کے ظہور کی نقل اتارتے ہیں انہوں

نے ایسے سر پوش پہن رکھے ہوتے ہیں۔ جو شتر مرغ کے سر اور گردن کے مماثل ہوتے ہیں۔ یہ تکلف اسی لئے ہے کہ شتر مرغ متعلقہ قبیلے کا اہم غذائی جانور ہے۔

قدیم مصری خنزیر کو مقدس جانور مانتے تھے۔ سانڈ ان کے یہاں ربّ الشمس کا جانور تھا اسی کی قربانی دیتے۔

ٹوٹم پرست اپنے ٹوٹم کو نہ کھاتے اور سمجھتے کہ انہیں کھانے سے کوڑھ اور دیوانگی ایسے مہلک امراض لاحق ہو سکتے ہیں۔ یہ عجیب و غریب لوگ بڑے بڑے عجیب جانوروں کو مقدس خیال کرتے اور خود کو ان کی نسل قرار دیتے۔ سانپ، کچھوا، مگرمچھ، کتا، کیچوا سبھی ٹوٹم تھے۔ اگرچہ فی زمانہ مہذب اقوام ٹوٹم پرست نہیں تاہم ٹوٹم پرستوں کے بعض جانور کھانے میں مضائقہ نہیں سمجھا جاتا۔ جاپانی سانپ کا سالن شوق سے کھاتے ہیں۔ کوریا کے لوگ کتوں کو چٹ کر جاتے ہیں۔ پنجاب کے سانسی کچھوے کھاتے ہیں۔

ٹوٹم پرستوں کا دستور تھا کہ وہ اپنے ٹوٹم کو چھوتے تو پھر اپنے آپ کو اور اپنے لباس کو دھو لیتے ان کے نزدیک اس طرح ٹوٹم کا تقدس برقرار رہتا ان کا یہ نظریہ بھی تھا۔ کہ جو مقدس ہے وہ خطرناک بھی ہے چنانچہ لوگ اپنے ٹوٹم کے احترام میں نہایت سنجیدہ اور محتاط ہوتے اسے چھونا بھی خطرناک تھا مگرمچھ کا ایک قبیلہ سمجھتا ہے کہ اس سے سامنا ہو جائے تو ضرر پہنچے گا لیکن پھر بھی لوگ اسے مقدس اور باپ مانتے۔

فریزر کے یہاں اس سلسلے میں کثرت سے مثالیں ملیں گی۔ بقول بابائے بشریات ٹوٹم پرست جانور کے نام پر اپنا نام رکھتا اور اسے بھائی کہتا ہے پھر یہ اسے ہلاک بھی نہیں کرتا۔ آسٹریلیا کے ٹوٹم پرست الو، چمگادڑ اور شتر مرغ کو جنس کی علامت قرار دیتے۔ ان کے علاوہ کسی دوسرے علاقے کے لوگ اپنے ٹوٹم کو جنس کی علامت قرار نہیں دیتے۔ یہی سبب ہے کہ آسٹریلیا میں جنسی تعلقات میں ٹوٹم پرستی کا عمل دخل ہے۔

ٹوٹم کی نسبت کہیں عورت سے اور کہیں مرد سے ہوتی ہے۔

قبیلے کے ہر فرد کی زندگی اپنے ٹوٹم (جانور یا پودے) سے وابستہ ہوتی۔ جنوں اور پریوں کی کہانیوں میں ہمیں یہ روایت ملتی ہے کہ فلاں جن کی جان طوطے میں ہے۔ طوطے کو ہلاک کر دیا جائے تو جن از خود ہلاک ہو جائے گا۔ کہانیوں میں یہ حوالہ ٹوٹم پرستی سے لیا گیا ہے۔ قبیلے کے فرد کا ٹوٹم سے یہ نازک رشتہ نہایت پُراسرار ہے۔

ٹوٹم کو ونگانگ اور کوبونگ بھی کہتے ہیں۔

ایک ہی علاقے میں متعدد انواع و اقسام کے جانور اور پیڑ پودے ہو سکتے ہیں لیکن ہر قبیلہ کسی خاص جانور یا پیڑ پودے کو اپنا جدِ امجد بنا لیتا اور اس کا احترام (اسکی پرستش) کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک حبشی نے کوّے کو مار ڈالا جو اس کا قبائلی ٹوٹم تھا۔ "تین چار دن کے بعد وہ مر گیا۔ وہ کچھ دنوں سے بیمار تھا۔ لیکن ونگانگ (ٹوٹم) کو مارنے کے باعث وہ تیزی سے موت کی آغوش میں چلا گیا" یہی حال ان لوگوں کا ہے جو چمگادڑ یا الّو کو مار ڈالیں۔ دراصل ٹوٹم کو مارنا اپنے آپ کو ہلاک کرنا ہے۔ اس میں اہلِ قبیلہ کی جان ہوتی ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کیا واقعی ٹوٹم کو مارنے والا مر جاتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ ایسا ہوتا ہے، ضرور ہوتا ہے۔

دینِ ساحری پر یقین رکھنے والے اوہام و وساوس کے دام میں اس بری طرح پھنسے ہوتے ہیں کہ مقررہ حدود توڑ کر جی نہیں سکتے۔ ان میں نظریے کی تکذیب کی سکت نہیں، سوفی کلیز کے ہیرو ایڈی پس کی ملکہ جیکوسٹا کو کئی سال کے بعد پہلی بار معلوم ہوا کہ اس کا شوہر اس کا بیٹا ہے تو اس نے اسی آن پھانسی لے لی۔ ایڈی پس نے آنکھیں پھوڑ لیں کیونکہ اس نے محرمات کے بارے میں جو دستور الاخلاق تھا اسے توڑا تھا۔ ماں کے رشتے سے وہ جن بیٹوں اور بیٹیوں کا بھائی تھا، بیوی کے ناطے سے باپ تھا۔

ٹوٹم اور ٹوٹم پرست میں زندگی اور موت کا تبادلہ بھی کیا جاتا۔ اس کے لئے شریکِ قبیلہ کرنے کی رسم (INITIATION) ادا کی جاتی۔ نوجوان پر موت سے ملتی جلتی غشی طاری کی جاتی۔ صوفیاء

کے یہاں یہ حالتِ سُکر کہلاتی اور اس کا مقصد موت کا ذائقہ چکھنا تھا پھر جب وہ آپے میں آنے لگتا تو باور کیا جاتا کہ اسے ٹوٹم حیاتِ تازہ عطا کر رہا ہے۔

جب یہ رسم ادا کی جاتی تو عورتوں کو قریب نہ پھٹکنے دیا جاتا۔ جو عورت کسی طرح یہ رسم دیکھ لیتی اسے ہلاک کر دیا جاتا۔

ٹوٹمی رسوم میں رقص بھی کیا جاتا۔ رقص قدیم ترین عبادت ہے۔ ٹوٹم پرست اس سے اپنے ٹوٹم کو زیر کرتے۔ تہذیبی دور میں رشو اور افزورائشی کی داسیاں معبدوں میں دیوی دیوتا کی خوشنودی کے لئے رقص پر مامور ہوتیں۔

ریت جو دینِ ساحری کی جان تھی رقص، موسیقی اور شاعری کا مجموعہ تھی۔ یہ تینوں فنون ریت کی کوکھ سے برآمد ہوئے ہیں۔ قدیم زمانے میں جو بھی فن ایجاد ہوتا اسے دینِ ساحری کے کھاتے میں ڈال دیتے۔ افسانہ تراشی اور افسانہ گوئی، ڈرامہ نویسی، ناٹک کھیلنا اور دیکھنا سب عبادت کے زُمرے میں آتے تھے۔

تہذیب کے اولین دور میں جب تریا راج تھا تو عورت ہی ٹوٹم کا نمائندہ اور وارث ہوتی۔ پھر جب پدری نظام آیا تو مرد کو یہ حق ملا۔

ٹوٹم پرستوں کے جنسی قوانین بھی عجیب وغریب تھے۔ ایک ٹوٹم قبیلہ کے لوگ آپس میں جنسی رشتہ قائم نہ کر سکتے تھے۔ آج کی زبان میں یوں کہئے کہ کنگرو قبیلے کے لڑکے اپنے ہی قبیلے کی لڑکیوں سے شادی بیاہ نہ کر سکتے تھے۔ اس کے لئے انہیں دوسرے قبیلے میں رشتے کرنے پڑتے تھے۔ یہ EXOGAMY ہے یعنی بیرونِ قبیلہ شادی بیاہ کرنا، ایک ہی قبیلے کے لڑکے لڑکیاں آپس میں بھائی بہن ہوتے۔ ان کا ایک ہی باپ ہوتا۔

یہ قانون اتنا سخت تھا کہ کوئی قبیلہ اسے توڑنے کی جسارت نہ کرتا۔ ٹوٹم (مُورثِ اعلیٰ) کی وجہ سے ایک قبیلے کی لڑکیاں اسی طرح لڑکوں کے لئے محرمات قرار پاتیں جس طرح ایک ماں باپ کی بیٹیاں ہوتی ہیں۔

اگر کوئی لڑکا اپنے قبیلے کی لڑکی سے جنسی رشتہ استوار کرتا تو پورا قبیلہ فردِ واحد کی طرح اس کے پیچھے پڑ جاتا اور اسے ہلاک کر کے چھوڑتا۔ اہلِ قبیلہ سمجھتے کہ اس قانون شکنی کو نظرانداز کیا گیا تو ان سب پر کوئی آفت ٹوٹ پڑے گی۔ شاہ ایڈی پس جس نے اپنی ماں سے بیاہ رچالیا تھا پوری علاقے کے لئے مصیبت کا باعث بن گیا تھا۔ رب الشمس نے لوگوں کو طاعون میں مبتلا کر دیا تھا۔

بقول فریزر (بحوالہ فرائیڈ ص ۴، ۵) "آسٹریلیا میں ممنوعہ قبیلے کی عورت سے جنسی رشتہ استوار کرنے کی باقاعدہ سزا موت ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ جنگ کے دوران عورت پکڑی گئی اور کسی اور ہی قبیلے سے تعلق رکھتی تھی۔ غلط قبیلے کی عورت کو بیوی بنانے پر لوگ دونوں میاں بیوی کو مار ڈالتے البتہ بعض حالتوں جب کچھ مدت کے لئے وہ مفرور رہتے اور اہلِ قبیلہ کے ہتھے نہ چڑھتے تو انہیں معاف کر دیا جاتا۔ کہیں کہیں صرف مرد کو سزائے موت دینے کا رواج تھا، عورت کو صرف پیٹا جاتا اور ادھ مؤا کر کے چھوڑ دیا جاتا۔"

افریقہ میں بعض قبیلوں میں زنا کی سزا بید زنی ہے۔ بیٹی کو اس کا باپ سزا دیتا ہے۔ اس کا ٹوٹم پرستی کے آئین سے کوئی تعلق نہیں۔ بداخلاقی کو روکنے کے لئے ایسا کیا جاتا ہے آج کل بھی یہ رسم جاری ہے۔

ٹوٹم ہی سے قبیلے کی پہچان ہوتی تھی۔ ٹوٹم موروثی ہوتا تھا اس لئے شادی کے بعد اس میں کوئی تبدیلی نہ آتی تھی۔ اسے یوں سمجھئے کہ اگر قبیلہ مادری نظام پر قائم ہے اور عورت ہی قبیلے کی کرتا دھرتا ہے تو شادی کے بعد اولاد کی شناخت ماں کے قبائلی ٹوٹم سے ہوگی۔ مثلاً شترمرغ قبیلے کی عورت کنگرو قبیلے کے مرد سے شادی کر لیتی تو ان دونوں کے بچے شترمرغ قبیلے کے رکن قرار دیئے جاتے اس کے بعد یہ بچے شترمرغ کی برادری میں شامل ہوتے اور اس برادری کے لڑکے لڑکیاں ان پر حرام ہوتے۔

اس حد تک تو ٹوٹم پرستی کے اس قانون کو بجا تسلیم کر لیا لیکن کنگرو قبیلے کے باپ کے معاملے میں یہ نہایت ہی بیہودہ ہو کر رہ جاتا ہے، کنگرو قبیلے کے باپ پر اس کی وہ بیٹیاں حلال سمجھی جاتیں جو اپنی ماں کی وجہ سے شترمرغ قبیلے سے ہوتیں۔

اسی طرح اگر قبیلے میں پدری نظام مروج ہوتا تو کنگرو قبیلے کا مرد شتر مرغ قبیلے کی عورت کے بطن کی اولاد سے جنسی رشتہ قائم نہ کر سکتا۔ لیکن ماں اور بیٹے میں اس کی ممانعت نہ تھی۔

چونکہ مادری نظام (تریا راج) پدری نظام سے قدیم تر ہے اس لئے واضح ہے کہ سب سے پہلے ماں ہی نے اپنے بیٹے کے خلاف اپنی آبرو کا تحفظ کیا اور اپنی اولاد کو باپ کی بجائے اپنے ٹوٹم کی برادری میں شامل کیا۔

ول ڈیوران نے بڑی خوبصورتی اور وضاحت سے ٹوٹم پرستی کا ذکر کیا ہے۔ اس کا موقف یہ ہے کہ قبل تہذیب ہی سے آدمی زمین اور عورت دونوں ہی میں پیدائش اور پیداوار برقرار رکھنے کے لئے شدت سے مضطرب رہتا تھا۔ یہ اس کی سب سے بڑی آرزو تھی۔ پھر جب زرعی تہذیب کا آغاز ہوا تو یہ آرزو اور بھی زیادہ شدت اختیار کر گئی کیونکہ اب پیڑ پودے اور اناج اگانے میں عورت کی کارگزاری بھی شامل ہو گئی۔ عورت پُراسرار ہستی مانی جاتی تھی۔ کیونکہ اوائلی دور کا انسان عورت اور صرف عورت کو بچے کی پیدائش کا ذمہ دار قرار دیتا تھا۔ "دورِ وحشت کا آدمی نطفے اور تخلیقی جرثومے کے بارے میں کچھ نہ جانتا تھا۔ وہ تو بس بیرونی نسائی اعضاء سے آگاہ تھا جو پیدائش کے عمل میں کام کرتے۔ انہی کو وہ مقدس گردانتا۔ اس کے نزدیک ان میں ارواح پوشیدہ تھیں جن کی پرستش ضروری تھی۔ کیا یہ پُراسرار تخلیقی قوتیں تمام قوتوں میں سب سے زیادہ حیرت انگیز نہ تھیں؟ زرخیزی اور پیدائش و پرورش کا معجزہ زمین سے کہیں زیادہ عورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسی بنا پر نسائی اعضا براہ راست مافوق الفطرت قوت کا مظہر تھے۔ قدیم زمانے کے قریباً سبھی لوگ کسی نہ کسی شکل اور رنگ میں عورت کی پرستش کرتے۔ غیر مہذب ہی نہیں بلکہ نہایت مہذب قومیں کامل طور پر زرخیزی پرستی میں اپنے جذبات کا اظہار کرتے۔ قدیم مصر، ہندوستان، بابل، آشوریا، یونان اور روم میں ہمیں جنسی پرستش کا سراغ ملتا ہے۔ اوائلی عہد کی دیویوں کے جنسی کردار اور اعمال و افعال کو احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ یہ طرزِ عمل دماغی خلل یا فحش پسندی کے باعث نہ تھا۔ یہ اس خواہش کا نتیجہ تھا جو عورت اور زمین کی قوت پیدائش کی نسبت لوگوں میں شدت سے پائی جاتی تھی۔" (سٹوری آف

سویلیزیشن، ص ۶۱، ۱۹۵۷ء)

یہ خواہش اندھی تھی اور اسی بنا پر ٹوٹم نے جنم لیا" سانڈ اور سانپ ایسے بعض جانور بدیں سبب پوجے جاتے کہ لوگوں کے خیال میں ان کے اندر اعلیٰ درجے کی مقدس تخلیقی قوت پائی جاتی تھی یا پھر یہ اس قوت کی علامت تھے ـــ ناگ کو ہم لنگم کا مثیل ٹھہراتے ہیں ـــ آدم اور حوا کے قصے میں یہ شر کی طاقت ہے اور جنسی بیماری سے درحقیقت خیر و شر کی آگہی کا آغاز ہوتا ہے" (ایضاً)

"مصری گوبری کیڑے (گبریلا) سے لے کر ہندؤں کے ہاتھی تک شاید ہی کوئی ایسا جانور ہو جسے کہیں نہ کہیں دیوی دیوتا کے طور پر پوجا نہ جاتا ہو۔ اوجبوا قبیلے کے لوگوں نے اپنے مقدس جانور کو ٹوٹم کا نام دیا اور اسی پر اپنے قبیلے کا نام رکھا۔ قبیلے کے ہر فرد کا نام بھی اسی ٹوٹم پر ہوتا۔"

ہر ٹوٹم قبیلہ کسی خاص جانور یا پودے کی پوجا کرتا۔ یہ جانور یا پودا اس قبیلے کا ٹوٹم ہوتا۔ ٹوٹم پرستی کے بارے میں سب سے عجیب حقیقت یہ ہے۔ کہ عہد قدیم میں اس کا رواج ان قبیلوں میں تھا۔ جو جغرافیائی اعتبار سے باہم کوئی رابطہ نہ رکھتے تھے۔ ان کے درمیان زمینی فاصلے اتنے زیادہ تھے کہ وہ آپس میں تعلق پیدا ہی نہیں کر سکتے تھے۔ شمالی امریکہ کے انڈین، افریقہ کے جنگلی لوگ، ہندوستان کے دراوڑ اور آسٹریلیا کے وحشی قبائل ایک دوسرے سے ہزاروں میلوں پر رہتے تھے لیکن ٹوٹم پرستی سب میں ملتی ہے۔ یہ کوئی فطری طلب تھی جسے یہ سب لوگ یکساں طور پر محسوس کرتے اور ان پر عمل پیرا ہوتے۔

ٹوٹم سے قبیلے کے افراد میں اتحاد اور مقدس رشتہ قائم ہوتا تھا۔ یہ لوگ خود کو ٹوٹم کی اولاد سمجھتے اور ٹوٹم کے رشتے سے ایک دوسرے سے بندھے رہتے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ ریچھ، بھیڑیے، ہرن وغیرہ ایسے جانوروں کی اولاد ہیں جو عورتوں سے ملوث ہوئے۔ جوں جوں زمانہ بدلتا گیا ٹوٹم قوموں اور حکمرانوں کے اقتدار کے نگہبان جانور ہو کر رہ گئے۔ یونان کے حکمرانوں نے عقاب کو اپنا جانور بنا لیا۔ مصری فراعنہ کی روح کو عقاب اہرام کی چوٹی سے اڑا کر رب الشمس کے پاس لے جاتا۔ ناگ یونان کے معالج دیوتا کا محافظ و معاون ہو گیا۔ بعض اقوام نے شیر کو اپنا لیا۔ رفتہ رفتہ ٹوٹم کی دینی معنویت ختم ہو گئی لوگوں

نے اپنی حفاظت، سرپرستی اور اعانت کے لئے بہتر خدا گھڑ لئے اور پھر جب تہذیب و تمدن نے خوب ترقی کر لی تو انسان نما خداؤں کا دور شروع ہوا۔ لوگوں نے اپنی شکل و صورت و خصائل اپنے خداؤں میں منتقل کر دیں۔ ایک طرح سے رفعت یافتہ آدمی ہی خدا بن گیا۔"

ناخنہ آج امن عالم کا جانور ہے۔ درحقیقت یہ قبل تہذیب کا ایک ٹوٹم تھی۔

"بیشتر حالتوں میں ٹوٹم جانور شجر ممنوعہ تھا۔ اسے چھونے کی اجازت نہ تھی۔ خاص خاص حالتوں میں کسی سحری تقریب پر اسے کھاتے تھے۔ مذہباً وہ اسے خدا خوری قرار دیتے۔ جبشہ کے لوگ جس مقدس مچھلی کی پرستش کرتے جب اسے کھاتے تو محسوس کرتے کہ اس کی روح ان کے اندر حرکت کر رہی ہے۔

"متعدد دوسرے ملکوں کی طرح ٹوٹم پرستی کی ابتداء بھی غالباً خوف کے باعث ہوئی۔ لوگ جانوروں کو اس لئے پوجتے کہ وہ زبردست ہوتے تھے۔ ان کی دلجوئی ضروری تھی۔ جب شکار کی وجہ جنگلوں میں جانور نہ رہے اور کھیتی باڑی نے زراعت کی جگہ لے لی جو نسبتاً زیادہ بھروسے کے لائق ذریعۂ معاش تھا۔ تو ان جانوروں کی وحشت، وحشت اور غصیلاپن ان کی جگہ لینے والے نئے خداؤں میں آ گئے۔ انتقال کی اس واردات کا سراغ ان کہانیوں میں ملتا ہے جن میں آدمی اور خدا اپنی شکلیں بدلتے ہیں" (ایضاً، ص ۶۲)

اس سلسلے میں یونان کے رب زیوس کے معاشقے قابل ذکر ہیں۔ وہ اژدہا، سانڈ اور بطخ کی شکل بدل لیتا ہے۔ اگر ہم آدمی کے معبودوں کی داستان بیان کریں۔ تو نقطۂ آغاز ٹوٹم (قابل پرستش جانور) ہوگا۔

ہندسوں کی جادوگری

تہذیب کی کہانی، ہندسوں کی زبانی ـــــ اعداد و شمار کا گورکھ دھندا

دین کے انداز میں جادو کا تصور ـــــ

پیٹ کی ضرورت سے اعداد و شمار کا شعور ـــــ

یہ تصور اور یہ شعور آدمی کی پیدائش کے ساتھ ہی بروئے کار آئے اور رفتہ رفتہ پروان چڑھے۔

آدمی نے سب سے پہلے اپنے لئے معبود بنائے کہ عبدیت اس کی فطرت ہے۔ پہلے پہل اس نے معبودوں کو نام نہیں دیئے کیونکہ ابھی اس کے پاس کوئی لمبی چوڑی لغت تھی، نہ اسمائے معرفہ کا اتنا بڑا ذخیرہ تھا۔ وہ اپنے معبود کو "وہ" یا "تو" کہہ کر پکارتا۔ وہ مدتوں بے نام خداؤں سے کام چلاتا رہا زمین، سورج، پانی، بجلی کی گرج چمک، سیلاب، زلزلہ اور دوسرے قدرتی مظاہر دیکھتے ہی اس نے اپنے معبود بنا لئے۔ گرمی، سردی، دھوپ، موج ہوا، نمی کے طلسماتی تجربے سے بالواسطہ یا بلاواسطہ خالق سے تعلق قائم کیا ـــــ اس تعلق نے بڑا فساد ڈالا۔ اسی تعلق کی فلسفیانہ موشگافیوں کی مدد سے ہو یدائنت میں اوتار (بھگوان بشکلِ انسان) اور حلولی مسلک کو فروغ دیا۔ یہی ایک خاص شکل میں انا الحق، من تو شدم تو من شدی، آپے رانجھا ہوئی اور اسی نوع کے نظریات میں ڈھل گیا۔

صحیح تہذیب کے پروہت (ساحر) کے لئے ممکن نہ تھا کہ خالق جزء و کل کو اکائی کی صورت میں سمجھتا۔ زرعی تہذیب کے انتہائی ترقی یافتہ دور میں ۴ا صدی قبل مسیح میں فرعون اخن عطون پہلا مفکر تھا جس نے وحدانیت کا نظریہ پیش کیا (البشریات کے نامور عالم اور مصریات کے ماہر جیمز

بریسٹیڈ کے نزدیک حضرت موسیٰ اسی کے دور میں گزرے ہیں۔ اور انہوں نے اخن عطون کی موت کے بعد وحدانیت کا پرچم بلند کیا۔ ساحر پروہت نے کائنات کی تعبیری اور تجربی قوتوں کے حوالے سے معبودوں کو الگ الگ شعبوں میں تقسیم کیا۔ دین ساحری (دیومالا کی شکل میں) اسی ابتدائی سوچ کے خام مال اور مصالحے سے تیار ہوا۔ شاعر پروہت نے شعری صداقتیں گھڑیں اور پھر ان کی شیرازہ بندی اور تانوں بانوں سے انتہائی دلفریب افسانوی ایوان کھڑا کیا۔

اعداد و شمار کا تصور روزمرہ کی سیکولر سرگرمیوں میں پیدا ہوا۔ بعدازاں جادو کی لپیٹ میں آیا اور اس طرح اعداد و شمار تقدس کا سمبل بن گئے۔

آج سے ہزاروں سال پہلے لوگ میمتھ کا شکار کرتے تھے جو ہاتھی کی نوع کا تھا لیکن اس سے کہیں بڑا اور درندہ تھا۔ (ابرہۃ الاشرم جس عظیم الجثہ ہاتھی پر بیٹھ کر کعبے کو ڈھانے آیا تھا، وہ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری کے بقول میمتھ تھا (انہوں نے اسے محمود کے نام سے معرّب کیا ہے) جب ایک بہت بڑے قبیلے یا دو تین چھوٹے قبیلوں نے مل کر بڑے بڑے پتھروں اور پیڑوں کے تنوں سے لمبے لمبے بالوں والے اس خونخوار جانور کو مارا تو انہوں نے اس کے چار پاؤں، ایک سونڈ اور باقی جسم کو ٹکڑوں میں تقسیم کیا ہوگا۔ اور پھر الگ الگ قبیلوں کے ارکان کی گنتی بھی کی ہوگی ــــ یہ گنتی انہوں نے شعور کی پختگی کے بعد انگلیوں کی مدد سے کی ہوگی۔ نہ جانے اس سلسلے میں انہیں کتنی مشکل کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ بہرحال اعداد و شمار کے شعور کا آغاز کچھ اسی انداز سے ہوا ہوگا۔ کچے گوشت اور پھلوں کی ڈھیریاں لگانے اور بانٹنے میں بھی گنتی کا شعور درکار ہوتا تھا۔ پھر جب قبیلے کی زندگی نے ترقی کی تو گنتی کا شعور بھی بڑھا اور اس کے بعد جب آدمی نے غار اور جنگل کو خیرباد کر کے ایگری کلچر (زرعی کلچر) اپنایا، خودرو پیڑ، پودوں کی بجائے اپنی اگائی ہوئی فصلوں پر تکیہ کیا، جنگلی جانوروں کو پالتو بنایا اور لین دین کے لیے جنس برائے جنس کا طریقہ اختیار کیا تو اعداد و شمار لامحالہ روزمرہ کا معمول بن گئے۔

زرعی تہذیب کے آنے سے دین ساحری کی شیرازہ بندی زیادہ سائنسی طریقے سے کی گئی اور یہ باقاعدہ مسلک اور موثر تر حربے کی صورت اختیار کر گیا۔ جوں جوں زمین سے آدمی کا رشتہ مضبوط ہوا توں

تو دینِ ساحری کی جڑیں (زمین اور دل میں) مستحکم ہوئیں۔ آدمی اور زمین میں قرب بڑھا اور وصال کی حد تک جا پہنچا۔ غار اور جنگل کی زندگی کے بعد زمین کی قدر و منزلت سوا ہوئی اور اس کے احترام و تقدس میں گرانقدر اضافہ ہوا۔ دھوپ، پانی اور مٹی ۳ مسلمہ اکائیاں تھیں۔ ان ۳ اکائیوں نے مل کر توانائی کی ایک نئی تخلیقی اکائی کو جنم دیا۔ یہ کاشتکار کی سیدھی سادی اکائی تھی جسے ساحر (شاعر) نے اپنے تصرف میں لے لیا۔ درحقیقت زمین کی تخلیقی کرشمہ کاری سے شاعر کو خیال، سوچ اور قیاسات کی نئی حسین دنیا مل گئی۔ نئی دیومالا نے جنم لیا جو غار اور شکار کی زندگی کے بعد نیا ارتقائی اقدام تھا۔ نیا معاشرہ مرتب ہوا۔ نئی سرگرمیوں نے راہ پائی، فکر و عمل کے نئے زاویے پیدا ہوئے۔ شاعری کو نیا حسن، نیا روپ ملا، نئی ترتیب ملی،

اعداد و شمار میں اضافہ ہی نہیں ہوا بلکہ انہیں واضح طور پر تقدس کا لبادہ اوڑھایا گیا۔ دینی پیرائے میں اعداد و شمار کو نئی معنویت ملی۔

زرعی تہذیب سے قبل سورج ہی سب کچھ تھا لیکن اب زمین۔ اور... گرجنے برسنے والے بادل نے آدمی کی توجہ اپنی جانب کھینچ لی۔

زمین نے آدمی کی ماں اور پالن ہاری کا روپ دھار لیا۔ زمین کی کوکھ سے اناج اور پھل پھول اگتے۔ مرنے کے بعد زمین آدمی کو اپنی گود میں چھپا لیتی۔ انہی اوصاف اور احسانات کی وجہ سے آدمی زمین کو پوجنے لگا۔ معبود کوئی ہو... خدا ہو یا بت، آدمی میں بہرحال عبودیت کا جذبہ داخلِ فطرت ہے۔ اس طرح دھرتی دیوی کو ہر اس ملک کی دیومالا میں پہلا درجہ ملا جس کا دارومدار کاشت کاری پر تھا۔ وادیٔ نیل، دوآبۂ فرات و دجلہ (میسوپوٹیمیا) اور وادیٔ سندھ میں یہی صورت پیدا ہوئی۔

دھرتی دیوی سے اکائی اور زوج (دوئی یا ثنویت) کا تصور ابھرا اور مقدس ہو گیا۔ دینِ ساحری کے یہ دو قدیم ترین مقدس ہندسے تھے۔ اسی دور میں رقص اور شاعری نے عروج پایا ـــــ چونکہ رقص اور شاعری نے جڑواں بچوں کی طرح جنم لیا۔ اور زیست کے شعبے میں گھل مل کر رہے اس لیے سائنسی اور حسابی لحاظ سے سُر تال اور لَے کے ذریعے زیادہ صحت سے ہندسوں کی اکائیاں دہائیاں معرضِ

وجود میں آئیں۔ ڈھول کی گت اور رقاصہ کے پاؤں کی ضربوں اور شعر کے پیمانوں میں کامل آہنگی ہوتی۔ یاد رہے کہ رقاصہ کا پاؤں اور شعر کا پیمانہ "فٹ" ہی کہلاتے ہیں۔ اسی اثناء میں موسیقی نے بھی جنم لیا اور ان تینوں فنونِ لطیفہ سے ریت کو ترتیب اور جلا ملی۔ یہ تینوں ہی ریت (دینِ ساحری کے دور کی علامت) کے اجزائے ترکیبی تھے۔

ایک اور درد کے ہندسے زرعی ضمنیات میں اہم ترین اور اساسی مقام رکھتے ہیں۔ اور دھرتی دیوی کی بدولت مقدس ہیں۔ بشریات و سحریات کے باوا آدم سر جیمز فریزر نے یونان کی دھرتی دیوی دیمی تر کے حوالے سے ان ابتدائی اساسی ہندسوں کی وضاحت کی ہے۔

اسی دیوی (دیمی تر) نے یونان میں سریت اور پراسرار سحری رُسوم کو جنم دیا۔ یہ دیوی قدیم شام کی عیسطارطی (افرودائتی) فریجیا کی سائبیل اور مصر کی آئی سس کے مماثل تھی۔ دیمی تر زمین کی عام دیوی نہیں بلکہ خاص دیوی تھی۔ اور صرف زرعی تہذیب کے ترقی یافتہ عہد کی نہایت شائستہ اور مہذب دیوی تھی۔

دیمی تر اور اس کے مماثل دوسری دیویاں زرخیزی اور ہریالی کی انسانی تشکیلیں تھیں۔ دھرتی دیوی "جی آ" جس سے جیوگرافی، جیومٹری، جیومیٹری اور زمین سے تعلق رکھنے والے دیگر علوم کو نام ملے، دیمی تر سے زیادہ پرانی ہے۔ یونانی ریاست اسے ٹیکا کے شہر ایلیوسس میں دیمی تر کی انتہائی مخفی رُسوم ڈرامائی انداز میں ادا کی جاتی تھیں۔ آج تک علمائے بشریات ہزار کوشش کے باوصف ان مخفی رُسوم کی تفصیلات سے محروم ہیں۔ یونانی پروہتوں نے ہند کے وید منتروں کے رکھوالے برہمنوں سے کہیں زیادہ ان رُسوم کی حفاظت کی اور ان کا راز فاش نہ ہونے دیا۔ اس راز کو فاش کرنے کی سزا موت تھی۔

دراصل ان کا راز فاش کرکے بے وجہ ان کی سحری تاثیر اور اہمیت ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔

دیمی تر دیوی کی پوجا کا مرکز ــــ ایلیوسس بذاتہ چھوٹی سی خود مختار ریاست تھی (جیسے آج کل اطالیہ میں پوپ نگر ــــ ویٹیکن ہے) ایلیوسس میں اناج (جو) اگتا تھا۔ دوسری جانب علم و فضل کی سرزمین میں سقراط، افلاطون، ارسطو، ایسکائی لس، یوری پیڈیز اور سوفوکلیز ایسے

ہنر مندوں کا گہوارہ ــــ ایتھنز (ایتھنی دیوی کا شہر) تھا جس کے میدان زیتون کے پیڑوں سے ڈھکے رہتے تھے۔ دیوی کے تہوار پر جلوس نکالے جاتے، گیت گائے جاتے۔ دیوی دی می تر درحقیقت حیوانی ونباتاتی زندگی اور تخلیقی عمل کی علامت نیز موسمی تبدیلیوں کی اشاراتی چھڑی تھی۔

دیومالا کی کہانی کے مطابق دیمی تر کی زندگی میں جب بری گھڑی آئی تو پاتال دیو پلوٹو (جو ہیڈیز بھی کہلاتا تھا) اپنے سنہری رتھ میں سوار سطح زمین پر نمودار ہوا اور دیمی تر کی کنواری بیٹی ــــ پرسیفونی کو اٹھا کر اپنے ساتھ زمین تلے لے گیا۔

یہاں برسبیل یہ بتا دیا جائے کہ پرانے زمانے کے لوگوں نے اپنی ضرورت کے مطابق اپنے خدا ہی وضع نہیں کئے، انہیں اپنی شکلیں ہی نہیں دیں بلکہ اپنے بھلے برے اوصاف بھی دیئے۔ یہی سبب ہے کہ ان کے تراشے ہوئے خدا انہی کی طرح اغوا اور آبروریزی کی وارداتیں کرتے پھرتے اور پرے بھی نہ بیٹھتے۔ ان خداؤں کا نظامِ اخلاق اور نظامِ زندگی ان کے پجاریوں کے نظامِ اخلاق اور نظامِ زندگی سے مختلف نہ تھا۔ چنانچہ جب سقراط نے ان بدکار خداؤں کا محاسبہ کیا اور انہیں برا بھلا کہا تو بہت بڑا ہنگامہ کھڑا ہوا جس نے یونان میں جڑ پکڑی ـــ پانچویں صدی قبل مسیح میں اخلاقی اور فلسفیانہ انقلاب برپا کیا۔ اس کے ساتھ دیومالا کا دور تمام ہوا اور یونان میں فلسفے کے دور کا آغاز ہوا۔

سنہری بالوں والی دھرتی دیوی دیمی تر اپنی بیٹی کی گمشدگی پر غمزدہ بھی ہوئی اور برافروختہ بھی ماتمی لباس پہن کر وہ اسے بحر و بر میں ڈھونڈنے نکلی۔ دیوی کا یارانہ سورج دیوتا سے بھی تھا اور پاتال دیو سے بھی (چنانچہ ربّ الشمس اپالو نے اسے پرسیفونی کے اغواء کا حال بتا دیا۔ یہ جان کر دیمی تر نے سرزمین ایلیوسس میں ڈیرہ جمایا جہاں اناج (جو) اگتا تھا۔ وہ "کنواری کے کنویں" کے پاس زیتون کے پیڑ تلے بیٹھ گئی۔ شاہ ایلیوسس کی بیٹیاں برنجی گھڑے لیے "کنواری کے کنویں" پر پانی بھرنے آئیں تو وہ دیمی تر کو خاطر میں نہ لائیں جو اپنی پیاری بیٹی کی موت پر غمگسار تھی اور بڑھیا کا بھیس بدلے ہوئے تھی۔ اس نے عہد کیا کہ جب تک اسے پرسیفونی نہیں ملتی وہ اناج کے دانے زمین تلے چھپائے رہے گی اور اسے اگنے نہ دے گی۔ یہی نہیں بلکہ وہ اولمپس پر خداؤں

کی قابلِ رشک اور بے نظیر بستی کا رخ بھی نہیں کرے گی۔

دیوتا اس کی بے اعتنائی سے سخت پریشان ہوئے۔

کسان بیلوں کو لیے کھیتوں میں ہل چلاتے رہے اور جَو کے دانے بکھیرتے رہے لیکن دھوپ سے جلی بھنی زمین کی کوکھ سے کچھ نہ اگتا۔

دیوتا ان قربانیوں سے محروم ہو گئے جو زرعی میلوں پر دی جاتی تھیں۔ آخر بڑے دیوتا (ربِّ برشگال ... میگھ دیوتا زیوس) نے اس بھیانک صورتحال پر توجہ دی جس سے قحط کا اندیشہ ہو گیا تھا۔ اس نے آقائے رفتگاں پُلوطو کو حکم دیا کہ پرسیف اونی کو رہا کر دے۔ پُلوطو نے سرِ تسلیم خم کیا اور پرسیف اونی کو رہا کر دیا۔ اس کے آتے ہی اناج پھوٹ پڑا۔ پودے زمین سے باہر نکل آئے اور مردہ کھیتوں میں جان پڑ گئی۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ شاعر پروہت نے کس طرح قحط سالی، خشک سالی، زمینی تخلیقی عمل کو داستان میں ڈھال دیا۔ دیومالا ایسی ہی داستانوں کا مجموعہ ہے۔

ماں بیٹی ـــــ دھرتی دیوی دیمی تر اور کنواری پرسیف اونی کا یہ قصہ دراصل ایک اور دو یا ایک میں دو اور دو میں ایک کا گورکھ دھندا ہے وہی ماں ہے، وہی بیٹی ہے ـــــ ایک ہی کے دو روپ ہیں۔

ان ہندسوں ہی میں زرعی سائنس کی حقیقتیں ملیں گی جنہیں ساحر پروہت نے دیومالا کی زبان میں بیان کیا۔ ہل سے زمین میں نالیاں بنانا، ان میں بیج گاڑنا، کھیت کو پانی دینا، بیج کا ایک معینہ مدت تک مٹی تلے پراسرار طریقے سے پڑے رہنا اور جڑ پکڑنا، پھر ایک صبح نمودار ہونا، پروان چڑھنا اور پک کر تیار ہونا، فصل کا کٹنا اور پھر کئی مہینوں تک زمین کا افسردہ و بربار رہنا ـــــ یہ سب کچھ صبحِ تہذیب کے انسان کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ وہ حیران و پریشان تھا۔ حیرانی اور پریشانی کے روگ سے چھٹکارا پانے کے لیے اسے شاعرانہ پیرائے میں سمجھا اور سمجھایا اور نہ صرف انسان بلکہ زمین کے تخلیقی عمل کو دیومالا بنا دیا۔

ایلیوسس کی شہزادیاں ہرے بھرے کھیت دیکھ کر خوش ہوئیں۔ انہوں نے دیوی کے لئے معبد بنایا اور دیوداسیاں بن کر اسے پوجنے لگیں۔

یوں ۲ کا ہندسہ زرعی تہذیب میں زرخیزی و شادابی اور زندگی کی علامت بن گیا۔ سال ۲ حصوں میں بٹ گیا۔ پرسیفنی ۲/۳ حصہ زمین پر ماں کے ساتھ گزارتی اور ایک تہائی زمین تلے (جب بیج مٹی میں جا چھپتا) پاتال دیو پلوطو کے ساتھ گزارتی۔ ان ۲ حصوں میں ۱/۳ اور ۲/۳ کا تصور موجود ہے۔ اس لحاظ سے ایک ۲ اور ۳ معنی خیز ہیں۔

۲ دیویوں کا نظریہ زرعی تہذیب کی پیداوار ہے۔ اور اناج (دانۂ گندم یا دانۂ جو) کو انسانی شکل میں متصور کیا گیا ہے۔ یہ بے شوہر کی ماں اور بیٹی کا تصور ہے۔ یا پھر یہ وقت کا تصور ہے، ماضی اور حال کا تصور ہے۔ ماں بیٹی کو جنم دیتی ہے، بیٹی ماں کی جگہ لے لیتی ہے اور وقت کے دھارے پر یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے۔ اس ماضی اور حال کے بعد مستقبل بھی ہے لیکن حقیقت صرف حال ہے۔ مستقبل حال میں منتقل ہو جاتا ہے، حال سے گزر کر ماضی بن جاتا ہے۔ حال بہر حال برقرار رہتا ہے ایک ہی اکائی وقت کے سانچے میں ڈھل کر ۳ روپ اختیار کر لیتی ہے" دیوی (بیٹی) ۲ اور ایک دوسری روایت کے مطابق ۶ ماہ زمین تلے مردوں کے ساتھ گزارتی ہے اس دوران میں جو کا بیج مٹی میں چھپا رہتا ہے۔ جب وہ واپس آتی ہے تو بیج پھوٹتا ہے۔ یہ دیوی سرسبزی اور ہریالی کی ضمیاتی شکل کے سوا کچھ نہیں، جو موسم بہار میں جلوہ افروز ہوتی ہے،،

ضمیاتی دور کے بوجھ بجھکڑوں نے ایک اور ۲ کا فرق یوں بیان کیا کہ بقول فریزر پچھلے سال کے اناج کو ماں اور نئے سال کے اناج کو بیٹی کر دیا۔ سجرے دانوں میں کنوارپن کی شادابی تھی۔ پرانے دانوں میں ماں کا باسی پن تھا۔ عملی شکل یہ تھی کہ پچھلی فصل کے دانے بیج کے طور پر بوئے جاتے جن سے نئے دانے پیدا ہوتے۔ زمین کو ماں کہنے والے (دھرتی پجاری) اس فطری تخلیقی عمل کو حیوانی جنسی عمل ہی کے مماثل قرار دیتے۔ اسی طرح زندگی گردش میں سالِ رواں کی پرسیفنی ـــــ دوشیزہ (نئی فصل) اگلے سال ماں ـــــ دیمی تر (بیج) بن جاتی۔

اگر ان ضمیاتی گرہوں کو کھولیں اور انہیں جسمانی سطح پر پرکھیں تو واضح ہوگا کہ ان میں زندگی کے عروج و زوال کی کہانی ہی بیان کی گئی ہے۔ جسمانی سطح پر زندگی عروج و زوال کے ۲ حصوں پر مشتمل ہے ایک تخلیقی اور دوسرا غیر تخلیقی اور، ربّ العزّت نے زندگی کو یہی انداز بخشا ہے ــــ دیومالا کے تصوّرات ہزاروں سال پرانے ہیں۔ چھ سات ہزار قبل تک ہمیں ان کے آثار ملتے ہیں ان تصوّرات کی رو سے ایک ہی سال میں نمود، پیدائش کا عمل اور موت کا عمل پایۂ تکمیل کو پہنچتا۔ یونانی تقویم کا آغاز خزاں (ستمبر) سے ہوتا اور موسم بہار سے گزرنے کے بعد خزاں پر جا کر سال تمام ہو جاتا۔

ثریا راج کی دھرتی دیویاں اور پدری نظام (PATRIARCHY & MATRIARCHY) کے دھرتی دیولا فانی تھے۔ یا یوں کہئے کہ فصل کٹنے کے بعد یہ دیوی دیوتا مر جاتے تو حیوانی زندگی برقرار رکھنے، نباتات ــــ ہر قسم کی ہریالی، شادابی اور زرخیزی کو واپس لانے کے لئے انہیں دوبارہ زندہ کرنا ضروری تھا۔ بہار کے بعد ان کے مرنے ہی سے خزاں آتی، حیوانی زندگی کی تازگی ماند پڑ جاتی اور ہریالی نہ رہتی اسی لئے ان دیوی دیوتا کے لئے انسانی قربانی دی جاتی۔ غلام اور دوشیزائیں قربان کی جاتیں حیوانی قربانی بعد کی چیز ہے۔ مصر، میسوپوتیمیا (دوآبے) یونان اور ہند۔ کہیں قربانی کے خون سے دیوتا کو مرنے کے بعد دوبارہ جلایا جاتا۔

اس ساری گفتگو کو ۲ کے ہندسے تک محدود رکھنے کا سبب یہ ہے کہ زرعی تہذیب کے ابتدائی دور میں ثریا راج بر سرِ کار آیا تو جنسی عمل میں آدمی کے کردار کا ادراک نہ کیا جا سکا۔ بشریات بالخصوص یونان کے عہدِ جاہلیت کی محققہ ــــ مس جین ایلین ہیریسن کا یہ بیان اس حقیقت کو عیاں کرتا ہے ــــ

"دورِ حاضرہ کے شعور مندوں کو یہ جان کر تعجب ہوتا ہے کہ دورِ ساحری میں کھیتی باڑی کا کام بیشتر عورتیں کرتی تھیں، وہی دیویوں کی شکل میں جلوہ گر ہوتی تھیں۔ اس زمانے میں جیسے مرد شکار اور لڑائی بھڑائی سے وابستہ رہتا تھا تو قدرتی طور پر کھیتی باڑی اور متعلقہ رسمیں عورتوں کو سونپی جاتیں۔ مزید برآں معاشرتی ضرورت میں ایسے وہم

کو شامل کیا گیا جس کی جڑیں بڑی گہری تھیں۔ آج بھی ادائلی عہد کی طرز زندگی رکھنے والا مرد کھیتی باڑی میں دخل دینے سے باز رہتا ہے۔ سحری لحاظ سے وہ زرعی شعبے کی کامیابی کا سہرا عورت کے سر باندھتا اور اس کی تولیدی ہنرمندی کو اس کا موجب قرار دیتا ہے۔ جب عورتیں مکا (مکئی) بوتیں تو اس کا تنا دو دو تین بالیں لاتا۔ یہ کیوں؟ یوں کہ عورتیں بچے پیدا کرنا جانتیں۔ وہ اس کام کو مردوں سے بہتر جانتیں اور کرتیں"۔

۲ کا ہندسہ ایک کنارے سے دوسرے کنارے ـــــ خزاں میں کشت کاری (بیج بونے) سے بہار (اپریل، مئی) میں فصل کاٹنے تک پھیلا تھا اور قدیم تر (زرعی دنیا کے عہد جاہلیت) میں عورت سے عورت تک محدود تھا۔ دھرتی دیو بعد کی چیز ہے۔ جب مرد کے تخلیقی کردار کا شعور پیدا ہوا، مرد نے ہل کی ہتھی تھامی، کھیتی باڑی میں اس کی کامیابی عیاں ہوئی اور اپنی قوت کا لوہا منوایا، تریا راج کا طلسم توڑ کر برسر اقتدار آیا تو دھرتی دیو معرض وجود میں آیا۔ ۲ میں ایک اور شامل ہوا۔ یوں ۳ کا ہندسہ ابھرا

۳ کے اس انقلاب نے مرد کو نیا تشخص بخشا، عورت کا زیر دستی نہ رہا اور اس نے اس نظریے کا ابطال کیا کہ صرف عورت اپنے جنسی تخلیقی وصف کے باعث کھیتی باڑی کرنے کی اہل ہے اور اسی کے دم قدم سے بزم ہستی کی رونقیں قائم ہیں ـــــ وہ کھیت میں پاؤں نہ دھرے اور ہل نہ چلائے تو فصل ہی نہ اُگے۔ مرد کو اچانک تجربہ ہوا کہ وہ بھی فصل اگا سکتا ہے تو وہ شیر ہوا اور اس نے زندگی کے اُمور و معاملات کی باگ ڈور عورت سے لے کر خود سنبھال لی، مادری نظام کو رخصت کیا اور پدری نظام کو رواج دیا۔

۳ کا ہندسہ دراصل زرعی تہذیب میں انقلاب کی نشاندہی کرتا ہے ـــــ مادری نظام (تریا راج) پر پدری نظام کا غلبہ پانا ایک انقلابی اقدام تھا۔ معاشرے نے زنانہ کینچلی اتار کر مردانہ کینچلی پہن لی قبیلے کی قیادت، املاک و اموال کی ملکیت، اولاد کی نسبت اور شناخت میں مرد کا عمل دخل ہو گیا اب باپ کے مرنے پر اس کی بیویاں بیٹے کے تصرف میں آتیں۔ عورت کا اثر و رسوخ پہلا سا نہ رہا بر گزیدوں کا رخ بدل گیا۔ شوا اور پاربتی کے مندروں، افرودائتی اور عشطار (ساميوں کی دیوی) کے معبد وں،

کہانت گاہوں (جن میں عربوں کے عہدِ جاہلیت کی کہانت گاہیں شامل ہیں) اور لنگم پوجا۔ اور دیو داسیوں کے روپ میں عورت کا عمل دخل تو رہا لیکن مرد نے ہر کہیں اپنی خواہش اور جذبۂ برتری کی تسکین کا اہتمام کیا۔ اس نے سیاہ و سفید بن کر عورت کو اپنی آرزوں کی قربان گاہ اپنی پراسرار اندرونی تپش کی جوالا مکھی کے سپرد کیا۔

مادری نظام (MATRIARCHY) میں عورت نہایت پروقار اور مقدس مقام رکھتی تھی۔ آج کا قاری اس مقام کا صحیح تصور نہیں کر سکتا کیونکہ اس کا تعلق اس سحری دور اور سحر یاتی ماحول سے تھا جو اب معدوم ہے۔۔ یہ مقام عاشقِ صادق اور شفیق ماں کے درمیان تھا۔ ماں/عورت اپنے آدمی کی محافظ بھی تھی، چاہنے والی بھی تھی۔ وہ اسے مہم جوئی پر تیار اور مامور بھی کرتی۔ وہ خود بھی لڑتی۔ یونان کی ریاست سپارتا کی ایمیزن (لڑاکا خواتین) نے بڑا نام پیدا کیا۔ عورت سرپرست تھی۔ اس کی ذات باعث برکت تھی۔ جیسن، ہیراکلیز وغیرہ ایسے زعیم مادری نظام کی عورتوں (دیویوں) کی سرپرستی اور معاونت سے فائدہ اٹھا کر حیرت خیز کارنامے سرانجام دے سکے (مس ہیری سن کی تالیف "پرولیگومیناص ۲،۷)

دھرتی دیوی اور دھرتی دیو کے ساتھ اناج کی روح (CORN-SPIRIT) کا تصور بھی عیاں ہوا جیسے اناج سے ماوراء ایک بیرونی قوت مانا گیا۔ فریزر کے نزدیک روحیں ہی کائنات میں جان ڈالتی روح پرستی (ANIMISM) دیوی دیوتاؤں کے وجود میں آنے سے پہلے بھی دنیا میں مروّج تھی۔ نظریہ یہ تھا کہ کائنات نیک اور بد ارواح سے بھرپور ہے۔ دیوی دیوتا تو اس وقت پیدا ہوئے جب زعیموں (ہیرو) نے غیر معمولی کاموں اور فتوحات سے اپنا سکہ جمایا۔ یہی زعیم مرنے کے بعد دیوی دیوتا بن گئے۔ فرعون اوسائرس جس نے دنیا میں پہلی بار خود کرو گندم کی بجائے اپنے ہاتھ سے کھیتوں میں گندم اگائی اپنی حیرت خیز ایجاد اور کاوشس کی وجہ سے دیوتا بن گیا۔

مہا کے ہندسے کے عمل دخل سے مردوں اور عورتوں کے درمیان نئے سرے سے امور و فرائض کی تقسیم ہوئی۔ اس بٹوارے سے دیوی کو زنانہ اوصاف اور دیوتا کو مردانہ اوصاف دیے گئے۔ دیوتا کو پہلی حیثیت اور دیوی کو دوسری حیثیت ملی۔

عورت اقتدار سے محروم تو ہوئی لیکن اس کے اختیار کی صورتیں مٹ نہ سکیں۔ وہ گاڑی کا مضبوط پہیہ بنی رہی۔

۲ کا ہندسہ نئی تہذیبی علامت بن گیا۔ دیمی تُرہ (دھرتی دیوی) نے بڑے دیوتا زیوس سے بیاہ رچایا اور ان کے یہاں پرسیف ادنی پیدا ہوئی۔ اس تثلیت نے دیو مالا کو نیا رنگ دیا۔ دھرتی دھرم کے ساتھ دینِ شمسی (اور فلکی ضمیات) کا چلن ہوا۔ ارضی خدا اپنی جگہ پر تو رہا لیکن ان کی اجارہ داری ٹوٹ گئی فلکی خدا بھی آن ٹپکے۔ انہوں نے فاتحین کی قوت سے اپنے لئے جگہ بنائی اور بہت اونچی بنائی۔ یہ اولمپس پہاڑ کی چوٹی پر جا پہنچے اور انہوں نے اپنے لئے دلآویز ایوان بنائے جن کے چمکتے دمکتے در و دیوار پر دکھائی نہ دینے والے پردے تنے رہے اور دنیا بھر کو روشنی سے زیر کرنے والے سورج کے ساتھ ساتھ دنیا کو فتح کرنے کے منصوبے بناتے رہے۔ چونکہ زمین پرست کھیتی باڑی کے باعث ایک ہی جگہ پر قیام کرتے، اپنی زمینیں نہ چھوڑتے، اپنے کھیتوں کی مٹی سے چمٹے رہتے اس لئے وہ بے حس و حرکت ہو کر رہ گئے۔ ہند کے باشندے دراوڑ اور یونان کے زمین پرست پیلازجی اسی سبب سے بیرونی حملہ آوروں (شمس پرست آریاؤں اور آکیاؤں) کے ہاتھوں شکست کھا گئے۔ صرف مصر وہ خطہ ارض تھا جہاں لوگ بیک وقت زمین پرست اور شمس پرست تھے۔ یہ خود ہی اپنے ملک پر حکمران رہا۔ تھوڑا سا زمانہ ضرور آیا جب بیرون ملک سے "ہِک سوس" (گڈریا حکمران) آئے اور نبی اسرائیل کو ساتھ لائے۔

"اولمپس پہاڑ ۳ × ۴ (۱۲) دیوتاؤں کا مسکن بن گیا۔ یہ اکائی کے روپ ہیں اسی سے ثنویت اور تثلیث نے راہ پائی۔

۳ کا ہندسہ رائج ہوا تو دیو مالا میں نئی ترتیب در آئی۔ انتقام کی دیویاں (ایری ای نیز) جو ایک خاص واقعے کے بعد رحم و کرم کی دیویاں بنائی گئیں۔ ۳ تھیں۔ یہ کالی، چنڈی اور درگا سے مختلف تھیں۔ مشرکین یثرب کی خونی دیوی ۔۔۔ منات کے بھی مماثل نہ تھیں۔ ان دیویوں کی عبادت گاہ میں ان کی جو مورتیاں رکھی گئیں وہ کسی طور ڈراؤنی نہ تھیں، انہیں پریوں کی طرح پر لگے تھے۔ یہ عبادت گاہ ایتھنز میں اس عدالت (ایری اوپاگس) کی بغل میں واقع تھی۔ جہاں مشہور تاریخی اور رزمیہ شاعری کی شخصیت اور اپنے عہد کی حسین

ترین عورت ـــــ ہیلین کی بہن کلائی ٹیم نیسترا کے قاتل بیٹے کے خلاف مقدمہ چلا تھا۔ اسے سزا نہ دی گئی جس کا سبب زمین پرستی اور فلک پرستی کا باہمی تنازعہ تھا۔ ہیلین اور کلائی ٹیم نیسترا دونوں بہنیں زمین پرستوں کے معزز خاندان سے تھیں۔ انہیں حملہ آور اور فاتح فلک پرستوں نے جبراً اپنے گھروں میں ڈال لیا ہیلین اپنے زمین پرست منگیتر پیرس کے ساتھ بھاگ گئی۔ پیرس جزیرہ طروئے (ایلی اون) کا شہزادہ تھا۔ طروئے فلک پرستوں کا مخالف، زمین پرستوں کا دیس تھا۔ درحقیقت یونان اور طروئے کی جنگ اس مذہبی اختلاف کے باعث ہوئی۔ یہ زمین اور آسمان کے مابین لڑی گئی۔ ہیلین بہانہ بن گئی۔ اس کی بہن کلائی ٹیم نیسترا نے اپنے فلک پرست شوہر کو بیٹی کی قربانی دینے پر قتل کیا۔ کلائی ٹیم نیسترا کو اس کے بیٹے نے قتل کیا۔ یہ قتل دھرتی دیوی کا تھا۔ فلک پرستوں نے اسے اہمیت نہ دی اور قاتل کو معاف کر دیا۔ انتقام کی دیویاں (جو دھرتی دیویاں تھیں) بہت سٹپٹائیں تو انہیں رحم و کرم کی دیویاں بنا دیا گیا۔ دونوں حالتوں میں تعداد ۳ ہی رہی۔

ہومر جو فلک پرست فاتحین کا شاعر تھا قدیم باشندوں ـــــ پیلازجیوں کی تہذیب اور زمین پرستی کے مسلک کا بیری تھا۔ اس نے ہیلین کو خوب بدنام کیا کیونکہ وہ دھرتی دیوی تھی۔ ہومر دھرتی دھرم کو مٹا کر فلک پرستی کو ترقی اور زرعی تہذیب (زمین پرستی) کی بجائے شمسی تہذیب کو برتر جگہ دینا چاہتا تھا اس سلسلے میں یونان اور طروئے کی وہ ہستیاں اس کی عصبیت کا شکار ہوئیں جو دھرتی دھرم سے نسبت رکھتی تھیں۔

یونان میں ۲ کا ہندسہ جو دیمی تر اور پرسیفونی سے تعلق رکھتا تھا دھرتی دھرم کی علامت تھا، رفتہ رفتہ ماند پڑ گیا۔ ہومر اور اس کے معاصرین کی کاوش سے پرانی علامتیں مٹنے لگیں لیکن دھرتی دھرم جس کی جڑیں بے حد گہری تھیں، مثلاً ریٹس ایتھنہ دھرتی دیویاں اقتدار سے محروم ہوئیں۔ فلکی دیوتا کئی دھرتی دیویوں ـــــ ہیرا، ایتھنی، افرودائتی کو اٹھا کر آسمان پر لے گئے اور وہ المپس کے ایوانوں میں رہنے لگیں جہاں ان کی رسوائی کا سامان کیا گیا۔ سنہری سیب کا افسانہ خاص طور پر مشہور ہے۔

جادوگری کے شعبے

جادو زدہ اور جادو پرست اقوام و قبائل کے شاعروں (پروہتوں) نے سائنسی معلومات کی کمی یا فقدان، اسباب و علل اور نتائج کے منطقی تعلق کی لاعلمی اور ناکافی تجربے کے باعث تجسس پسند طبع انسانی کو مطمئن کرنے کے لئے ازل سے ابد تک پھیلے ہوئے استفہام کا جواب دینے کی غرض سے جو سعی کی اُپج دکھائی اور تخلیقی صلاحیتوں سے کام لے کر جس جادو نگری کو آباد کیا وہ خیر و شر کا اکھاڑا بن گئی۔ پھر اس اکھاڑے میں غلامی کی ایسی رسم پڑی کہ ہزاروں سال کے بعد جاکر ختم ہوئی، لاکھوں انسان ایک فرعون کو ہمیشہ کی زندگی دلانے کے لئے اس کے مقبرے کو تیار کرنے والے مصالحے میں مر کھپ گئے۔ صاف ستھرا ماحول برباد ہوا۔ شر کی طاقتیں کُھل کھیلنے لگیں۔ عورت اور مرد کے تعلقات اصولِ فطرت کے مطابق سیدھے سادے نہ رہ سکے۔ جادوگر پروہت کی نیت میں فتور آیا۔ وہ لنگم پوجا جو دھرتی دھرم (زمین پرستی در رسوم زرخیزی) کے تحت انسان کی تخلیقی قوت بیدار کرنے کے لئے رائج کی گئی تھی، ہند میں آکر جنسی بے راہروی، عیاشی اور بدکاری میں تبدیل ہو گئی، سلطان محمود غزنوی نے سومنات کی رشو مندر میں بقول ــــ (مولف بلیک ورشپ) جو انتہائی کریہہ، بدوضع اور بہت ہی بڑا لٹھ دیکھا وہ یقیناً "کوئی بت نہ تھا" اس بھونڈے اور بیہودہ پیکر (لنگم) میں کوئی فنی خوبی کوئی حسن نہ تھا۔ محمود غزنوی جیسے عظیم مہذب انسان، صاحب ذوق، علم دوست اور تہذیب کے مربی اعظم کا جمالیاتی ذوق اس بری طرح مجروح ہوا کہ اس نے اسے توڑ دیا۔ اس کے دور میں اس قسم کے واہیات اور ہر نفاست پسند کی طبع پر گراں گزرنے والے پیکر ہند کے طول و عرض میں درجن بھر تھے۔ یہ معبد

جرأت والسیوں سے بھرے رہتے اور خواتین بہ تعدادِ کثیر یہاں آتیں۔ ان کے تہہ خانے جہاں شیو دیو کے اوتار (پروہت) وارد ہوتے، سادہ لوح خواتین کی آبرو ریزی کے مرکز بن گئے۔

پانچ ہزار سال تک وڈیرہ شاہی اور ملوکیت نے اس جادوگری کو نہایت آب و تاب اور گلیمر کے ساتھ برقرار رکھا لیکن پھر سیاسی نظام کے انسانیت سوز معاشرتی کردار، بدوضع رویوں اور ان کے ساتھ جادوگر کی خوفناک قوت، اس کی خونخوار اجارہ داری اور سحری رسوم میں جذبات کے عدم توازن، شرانگیزیوں اور جنسی تباہ کاریوں نے اس کا پٹھڑ کر دیا ــــ اسلام نئی توانائی، صحیح فکر و عمل، فطری سادگی، بلند خیالی، بلند کرداری اور ان کے ساتھ اُخوت و مساوات کے ذریعے معاشرے میں انسانوں کی شیرازہ بندی کا نیا ہنر لایا تو پچاس صدیوں کی پرانی غلاظتیں دور ہو گئیں۔

بشریات کے طالب علم کے ذہن میں بار بار یہ سوال ابھرتا ہے ــــ جب دینِ ساحری غلط سوچ کا نتیجہ تھا، غلط کاریوں کا مسلک تھا پھر یہ کیوں اتنی مدت تک دنیا میں رواں دواں رہا؟ اس کا جواب چنداں مشکل نہیں۔ جیٹ طیاروں اور ستاروں پر کمندیں پھینکنے والے فلک شگاف خلائی جہازوں کی پرواز کے اس دور میں قدیم عہد کے انسان کی رفتارِ کار، رفتارِ فکر اور فکر کی محدود رسائی کا اندازہ کرنے میں غلطی کھاتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ ان جناتی لوگوں نے ہرمِ اکبر جیسی عظیم الشان اور عجیب و غریب تعمیر دس سال کی انتہائی قلیل مدت میں ہاتھوں کی مدد سے مکمل کی اور آج کے برقی میکانکی دور کے انجینئر اور سائنس دان جدید ترین آلات اور تکنیک کی مدد سے اسے دس گنا مدت میں بھی تیار نہیں کر سکتے لیکن ماضی کی بڑی بڑی تہذیبیں بہر حال ہمارے مقابل انتہائی سست رَو تھیں اور انہیں بدلنے کے لئے جس فکر و عمل کے اثاثے کی ضرورت تھی وہ کم و بیش اتنی ہی مدت میں جمع ہوا۔ جادو کا آخری تہذیبی گڑھ جہاں مصر کے پروہتوں کی دانش کے خزانے صرف ہوئے، یونان تھا۔ یہاں پانچویں صدی قبلِ مسیح میں سقراط کی آمد سے ربّ البرق والرعد زیوس کی دیوتا کی لوٹ پھوٹ کا عمل شروع ہوا۔ اس کے بعد اس کی معنوی اولادوں، افلاطون و ارسطو اور دوسرے مفکروں نے فلسفے کے تیشے سے اس کی جڑیں کاٹیں پھر جب ساتویں

صدی کے نصفِ اول میں تہذیب کے افق پر اسلام طلوع ہوا تو فلکی دیو مالا اور ارض پرستی کے تمام باقیات پامال ہوئے، جادو نگری کھنڈر ہوئی کعبے کی تطہیر کے بعد جہاں جہاں مسلمان پہنچے انہوں نے بت کدے کی تطہیر کا کام اپنے ذمے لیا۔ ساتویں صدی عیسوی تک کی داستان فکری و علمی کج روی کے خلاف جہاد کی ناقابلِ فراموش تاریخ ہے۔ آخری جہاد حضرت احمد سرہندی مجدد الفِ ثانی نے دینِ اکبر کے خلاف کیا اور کفر و الحاد کا گڑھ ڈھایا۔ الغرض اسلام کے تعمیری و تطہیری فکر و عمل سے پرانے پیکر یکسر بدل گئے۔ علامہ اقبال نے اسلام کے چہرے سے جو گرد دور کی اور غلط تاثرات رفع کئے وہ بھی ایک طرح سے مجددانہ کارنامہ ہے۔

جادوگر نے پانچ ہزار سال میں جو علمی و فنی شعبے قائم کئے وہ اپنی تہذیبی سرگرمیوں کے اعتبار سے کمال کی آخری حد تک پہنچے۔ آج ہمیں شاعری، رقص، موسیقی، افسانہ و داستان، ڈرامے، سنگتراشی، کوزہ گری فنِ تعمیر، کیمیا، علمِ ہندسہ، نجوم اور بعض دوسری علمی و فنی سرگرمیوں میں جو رونق دکھائی دیتی ہے وہ جادو ہی کا کارنامہ ہے۔ ابتداء میں جب چھوٹے چھوٹے قبیلے اور چھوٹی چھوٹی بستیاں تھیں تو ایک ہی شخص سب کچھ کر لیتا۔ وہی بیک وقت سردارِ قبیلہ، سپہ سالار، طبیب اور جادوگر ہوتا لیکن امتدادِ زمانہ کے ساتھ جب کام میں ترقی ہوئی۔ الگ الگ شعبے بنے۔ کاروبار بڑھا تو نظم و نسق کا دائرہ بھی پھیلا اور تقسیم کار کی رو سے پروہتی نظام کے کارکنوں، اعلیٰ و ادنیٰ کارکنوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا ایک بڑی حکومت بڑی قوم اور بڑی ریاست پر کنٹرول کرنا سہل نہ تھا اس کے لئے بے انتہا مستعدی، ہوشیاری اور ذہانت کی ضرورت تھی یہ کام عملے کے بغیر نہ ہو سکتا تھا۔

پانچ ہزار سال میں ذیل کے تہذیبی شعبے بروئے کار آئے۔

- دیو مالا۔ یہ خدا سازی، داستان تراشی اور داستان سرائی کا شعبہ تھا۔ پروہت (شاعر) قومی زعیموں (ہیرو) کو خدا بناتے انہی نے مصر کے بادشاہ فرعون اوسائرس کو خدا بنایا اور پاتال کی دنیا اس کے حوالے کی۔ اس کی بہن (بیوی اور محبوبہ) آئسس کو دیوی بنایا۔ یہ دھرتی دیوی تھی۔ اسی طرز پر یونانیوں (ہسی یوڈ، ہومر اور دیگر شعراء) نے ہیرا، ہیلن، ایتھنی، افروڈائتی (عربوں کی عشتار) کو دیوی بنایا۔ رومنوں

کی وینس (زہرہ) اور دیانا (ناہید) کو بھی دھرتی دیویوں کا درجہ ملا۔ یونانیوں نے اپنے قومی ہیرو اور اولمپک کھیلوں کے بانی ہیراکلیز کو آسمان پر ہیرا دیوی کے پاس پہنچایا اور اسے عالی مقام بنایا۔
ہر فرعون کو پہلے ربّ الشمس کا اوتار اور ارضی خدا بنایا پھر مرنے کے بعد اسے آسمان پر پہنچا کر ربّ الشمس بنایا۔

مس جین ایلن ہیریسن کے خیال میں آدمی نے اپنی شکل و صورت پر اپنے لئے خدا تراشے، ان خداؤں کو اپنے اوصاف ــ اپنی اچھائیاں اور برائیاں دیں۔ فطرت کی طاقتوں اور قدرت کے مظاہر کو بھی خداؤں کا روپ دیا چنانچہ یونانی دیومالا میں پرانے اور نئے خداؤں کی دہ سالہ جنگ درحقیقت فطری طاقتوں کی باہمی کشمکش تھی جس کا بنیادی مقصد پرانی پیلازجی تہذیب کو شکست دے کر نئی شمسی تہذیب کو بروئے کار لانا تھا۔

زعیموں اور خداؤں سے جو داستانیں منسوب کی جاتیں بسا اوقات وہ دوسرے غیر معروف زعیموں اور ادھر ادھر بکھری ہوئی لوک کہانیوں کی شیرازہ بندی سے تیار کی جاتیں مثلاً ہیراکلیز کے بعض کارنامے دوسروں نے سرانجام دیئے لیکن اسے قدآور بنانے کے لئے اس سے منسوب کر دیئے گئے۔
یہ کام جب وقت کے ساتھ ساتھ بڑھا اور ایک آدمی کے بس کا نہ رہا تو بقول مس ہیریسن اس میں دیوداسیوں اور چھوٹے پروہتوں کو بھی شامل کر لیا گیا۔ ضمیاتی فلسفے کی تراش خراش اور ترمیم و اضافہ کا کام اسی شعبے میں ہوتا۔

۹ کلام ... داستان گوئی اور داستان سرائی کے پہلو بہ پہلو ایک اور اہم کام منتروں اور منتروں کی گھڑائی تھا۔ عملی سحر میں کلام کو منزل مراد تک پہنچنے کا کلیدی ذریعہ سمجھا جاتا۔ سفلی عمل ہوتا یا علوی عمل، بالمثل ہوتا یا لمسی، بہرحال کلام کا استعمال ناگزیر تھا۔ ہمارے خیال میں خالص منتروں کی سب سے بڑی اور سب سے اہم کتاب مصری پروہتوں کی "کتابِ رفتگان" (ایک آف دی ڈیڈ) ہے جو کئی صدیوں میں جا کر تیار ہوئی۔ اس کے منتر پروہتوں نے گھڑے، دھنی ان کی دھنیں باندھتے اور نغمہ سرا ہوتے۔ بڑے بڑے تہذیبی مرکزوں میں مہا مہنت اور اس کے تربیت یافتہ سیوت یہ کام کرتے۔

یہ نہایت ہی مخفی علم تھا جسے کام اور مطلوبہ شخص کے درجے کے مطابق اس کے ہم پایہ پروہت ہی استعمال کرتے۔ مثلاً فرعون کا پروہت معمولی آدمیوں کے لئے نہیں تھا۔ ان کے لئے نچلے درجے کے پروہت تھے۔ معاوضہ گاہک کی مالی حیثیت کے مطابق ہوتا۔ فرعون کی عزائی رسوم ادا کرنے، تابوت میں رکھنے کی غرض سے "کتاب رفتگان" کے نسخے تیار کرنے اور اس کے منتر پڑھنے والے جو معاوضہ وصول کرتے وہ کبھی کبھی فرعون کی دولت و ثروت کو بھی شرماتے۔ یہ عالی قدر پروہت صحیح رسوم ادا کرتے۔ صحیح منتر پڑھتے اور فرعون کی کع (روح) کو رب الشمس تک پہنچاتے اور اسے رب الشمس بناتے وہ اہرام کے تحفظ اور اس کی سلامتی کے بھی ذمہ دار ہوتے۔

کلام گوئی اصلاً نغمہ سرائی تھی اور اسی سے موسیقی اور شاعری نے جنم لیا۔ رقص پہلے سے موجود تھا۔ یہ فن اعضاء کی موزوں و متناسب اور خیال افروز حرکات کی ترتیب و ترکیب کا نام ہے اور شیلڈن چینے نے اپنی کتاب "تھیٹر" میں اسے ام الفنون قرار دیا ہے۔ شاعری کا اس سے گہرا تعلق تھا موصوف نے اس تعلق کی یوں مثال دی ہے کہ رقاصہ فٹ ورک سے کام لیتی اور تال کا نظام قائم کرتی ہے۔ شعر کے پیمانے کو انگریزی میں فٹ ہی کہتے ہیں۔

ہند میں موسیقی کا آغاز رگ وید سے ہوا لیکن وادیٔ سندھ میں یہ بہت پہلے سے معمولِ حیات تھی۔ شعر، رقص اور موسیقی سے منتروں میں اثر انگیزی آتی۔ دیوتا کو رام کرنے اور حکما اُس سے کام لینا ممکن اور سہل ہو جاتا۔

دینِ ساحری میں کلام کی مدد سے پروہت خداؤں کو تابع کر لیتے۔ ظاہر ہے خدا کیوں تابع نہ ہوتے، خود انہی نے تو انہیں گھڑا تھا۔ وہ اپنی مخلوق سے ایسا سلوک کیوں نہ کرتے، سورج تو پہلے سے موجود تھا لیکن رب الشمس ان کا من گھڑت تھا۔ زمین موجود تھی لیکن رب الارض (دھرتی دیوتا) ان کی دریافت یا ایجاد تھی۔

خدا سے کام لینے کے لیے جو منتر بنائے گئے ان کا بہت بڑا ذخیرہ ہم تک پہنچا ہے "کتاب رفتگان" (جلد دوم، ص ۱۹۶۰۸ء) سے ایک منتر کا کچھ حصہ درج ذیل ہے ۔۔۔۔۔

"اے مقدس خدا، اے رع! تو آپ ہی پیدا ہوا۔ تجھی سے سب کچھ پیدا ہوا۔
تیرے لئے سرِ تسلیم خم ہے۔"
"جہاں تک تیری دو آنکھیں دیکھتی ہیں وہاں تک تو نے افلاک برپا کئے۔"
دلوی پوری اس نے تیرے بیریوں کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔"
"تو حسین ہے۔
جب تو اپنی پر عظمت روشنی بھیجتا ہے تو پاتال کے اصحاب مسرور ہو جاتے ہیں۔
ان کی دونوں آنکھیں تیری جانب ہو جاتی ہیں۔"
"وہ جو تابوت میں پڑے ہیں تو ان کی صدا سنتا ہے۔"
"ان کی بے بسی دور کرتا اور ان کے آس پاس سے ان کے بیریوں کو بھگا دیتا ہے۔
تو ان کے نتھنوں میں سانس ڈالتا ہے۔"

یہاں ایک بات قابل توجہ ہے۔ اس سحری منتر میں ایک سائنس کی حقیقت بھی بیان کی گئی ہے ۔۔۔ گو وہ آج کی تحقیق سے پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ اس منتر میں سورج کو ہر شے کا خالق بتایا گیا ہے۔ موحد فرعون آخن عطون نے اپنے ربُّ الشمس کے لئے جو طویل حمد لکھی اس میں بھی عطون (سورج دیوتا) کو زندگی کا خالق قرار دیا ہے۔ خلاف ازیں قرآنی حکمت کے بموجب پانی سرچشمۂ حیات ہے چنانچہ ارشاد ہوا۔ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ۔

جدید ترین تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ آج سے چند ارب سال قبل جب "ایک خلیہ زندگی" نمودار ہوئی تو اس کے بروئے کار آنے اور زیادہ کاری کی بوچھاڑ کے بعد مزید خلیے اور بالآخر "زوپلانکٹن" کے حیاتی ذروں سے جانداروں کی پیدائش کا جو طویل عمل ۔۔۔ کروڑوں سال تک ہوا اس کا محلِ وقوع پانی تھا۔ پانی ہی میں حیاتیاتی ملغوبہ تیار ہوا تھا۔

فن تعمیر اور سنگ تراشی، انجینئرنگ کا یہ شعبہ ہزاروں سال قبل کے ساحروں کے فکر و عمل کی طویل جدوجہد کا حاصل ہے ہے اس نے معمولی سی خشتی قبروں اور ننھے منے مقبروں سے بڑھ پھیل کر اہرام

ایسے جناتی مقبروں کی شکل اختیار کرلی جس کے معمار سلوں کی تعمیر تراش خراش اور انہیں ایک دوسرے پر جمانے میں ایسے ماہر تھے کہ پچیس پچیس اور پینتیس پینتیس ٹن کی سلوں کے طول و عرض میں بال بھر فرق نہ ہوتا۔ یہ معمار ریاضی کے موجد بھی تھے اور فنِ تعمیر میں اس کے استعمال میں یکتا بھی تھے۔ یہی نہیں بلکہ علم آبِ رواں اور علم النجوم میں بھی یکتا تھے۔ دریائے نیل کے سیلابوں کو زراعت میں حسن و خوبی کام میں لاتے۔

معبدوں اور بتوں کے بنانے کا کام بھی یہی لوگ کرتے۔

انہی میں مصور ہوتے اور ہائرو گلیفکس کے ماہر بھی جو فرماں رواں کے کارنامے تصویروں میں منتقل کرتے اور ان کی عبارتیں پتھروں پر کندہ کرتے۔ ان کے بنائے ہوئے مجسمے، مخطوطے، الواح اور منقش ظروف علمائے بشریات کے لیے بصیرت کا سامان رکھتے ہیں۔

• ریت، عبادات کا یہ شعبہ جادوگروں کی بہت بڑی ایجاد ہے۔ بعض ریتیں اتنی خفیہ اور پراسرار تھیں کہ ان کی پوری تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔ اس دور میں ان کا ذکر کسی کی زبان پر نہ آتا۔ دھرتی دھرم جیسے سحر بالمثل کا سب سے بڑا کارنامہ قرار دیں گے ریتوں ہی کا مجموعہ تھا۔ تصوف (خصوصاً "عجمی تصوف") اور رہبانیت کا مبداء بھی یہی ہے۔

قربانی کی ریت، شامل قبیلہ کرنے کی ریت اور مردے کی ریت کو سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی۔ بعض ریتیں اجتماعی شکل میں ادا کی جاتیں۔ جلوس نکالے جاتے، میلے منائے جاتے، عزائی گیت گائے جاتے۔

اس ریت ہی نے ہمیں رقص، موسیقی اور ڈراما دیا۔

• طب ساحری، یہ شعبہ بھی بنیادی اہمیت کا حامل تھا۔ آدمی کے ساتھ ہی موت اور بیماری آزار نے بھی سر اٹھایا۔ چوٹ بھی ضرور لگتی ہے۔ فرعون طوطن خامن (طوطن خامون) کی لاش کے ایکسرے اور دوسرے تجربے کرنے سے کئی بیماریوں کا پتہ چلا ہے جن میں وہ مبتلا ہوا اور جو اس کے دور میں پائی جاتی تھیں۔ جادوگر طبیب نے دواؤں کے ذریعے علاج کا طریقہ تو معلوم کیا لیکن طب کا شعبہ براہِ راست جادو سے تعلق رکھتا تھا

ہر جڑی بوٹی اور ہر شے جو دوا کے طور پر استعمال ہوتی اپنے اندر سحری تاثیر اور مخفی طاقت رکھتی جسے "مانا" کا نام دیا گیا۔ دوا کے ساتھ منتر اور گنڈے تعویز کا بھی چلن رہا۔ دنیا بھر کا علم طب اسی طب سحری کے کمالات اور تجربات سے حاصل ہوا۔ سائنسی طور پر اسے حضرت عیسیٰؑ سے چند صدی قبل یونان میں بقراط اور جالینوس ایسے جید اطباء نے رائج کیا اور دینِ ساحری سے الگ کیا۔

• کہانت، کاہن اور ساحر ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ کہانت گاہ اور معبد میں تکنیکی طور پر فرق ضرور ہے لیکن یہ دینِ ساحری ہی سے براہِ راست متعلق ہے۔ اسے جادوگر کا دفتر خارجہ اور پبلک ریلیشنز ڈیپارٹمنٹ بھی کہہ سکتے ہیں۔ ڈیلفی کی کہانت گاہ یونان کا عظیم القدر اعصابی مرکز تھا۔ اور ملک کے لیے سیاسی بصیرت کا ذریعہ تھا۔ شہزادہ اِیڈی پس کو اپنے ماں باپ کا کھوج لگانے کے لیے یہیں آنا اور کاہنہ سے رجوع کرنا پڑا جس نے پیشگوئی کی کہ وہ باپ کو ہلاک کرے گا اور ماں سے بیاہ کرے گا۔ اسی طرح عرب میں بھی کہانت گاہیں تھیں جو مشکل کے وقت لوگوں کے آڑے آتیں۔ جب عبدالمطلب کے دس لڑکے ہوئے اور انہیں اپنا عہد یاد آیا کہ دس لڑکے ہونے پر وہ ایک کو خدا کی راہ میں قربان کر دیں گے تو انہوں نے کعبے کے پروہت سے عزّیٰ کے بت کے قریب رکھے ہوئے تیروں کے ذریعے فال نکلوائی جو عبداللہ کے نام نکلی اور وہ اس کی قربانی پر تیار ہو گئے۔ بالآخر لوگوں کے منع کرنے پر انہوں نے فال ہی کے ذریعے بیٹے کی قربانی کی بجائے سو اونٹوں کی قربانی قبول کی اور عرب کی کاہنہ سے توثیق کروائی۔

• سائنس:۔ یہ شعبہ دینِ ساحری کا جزو لاینفک تھا اور علیٰحدہ کوئی حیثیت نہ رکھتا۔ کئی جگہ ساحر ہی کو "میڈیسن مین" کہتے ہیں جو معاشرے میں نہایت وقیع مقام رکھتا۔ ساحر طبیب ہی نے سائنسی رجحان پیدا کیا۔ طب کے علاوہ سائنس کے کتنے ہی دوسرے شعبے، دینِ ساحری کے زیرِ سایہ معرضِ وجود میں آئے۔ علم النجوم، اقلیدس، حساب و ہندسہ، انجنیئری، علم آب رواں (ہائیڈرالکس) آبپات (ہائیڈرولوجی) علم زراعت اور کیمیا نے بڑا عروج پایا۔

عہد ماضی کی پچاس تہذیبی صدیوں میں جادو کو بڑا عروج ملا۔ آدمی کی فطرت میں ڈر خوف اور

شک کا جو عنصر شامل ہے، جس نے لاتعداد غیر یقینی کیفیتیں اور اوہام و وساوس پیدا کئے۔ انہی کی شیرازہ بندی سے جادوگر نے اپنے علم و فن کو جنم دیا۔ اسی نے قبائلی نظام سے نکل کر بڑے پیمانے پر وڈیرہ شاہی قائم کی۔ اسی لئے جادو نے ملوکیت کو سہارا دیا اور اس کے لئے سہارا بنا۔

اسلام کے تطہیری اور انقلابی عمل سے جادو کے تانے بانے بکھر گئے اور تمام علوم و فنون کو طلسم خانۂ اوہام و وساوس اور قیاسات کی دنیا سے نکال لیا گیا۔

معدوم تہذیبی قدر

ایک معدوم تہذیبی قدر جس میں صدیوں انسان مبتلائے فریب رہا۔

دین ساحری جسے بشریات دان جادو کے نام سے پکارتے ہیں دنیا کے ذہین ترین شاطروں کی فریب آفرین ایجاد ہیں۔ یہ لوگ قوم کی جملہ معاشرتی اور تہذیبی ضروریات پوری کرنے پر مامور ہوئے یہ اعلیٰ ترین منصب انہوں نے اپنی قابلیت اور زور بازو سے حاصل کیا۔ پھر ارضی خداؤں ــــ فرعونوں اور نمرودوں کو اپنی بھول بھلیاں میں پھینک کر انہیں اپنی کٹھ پتلیاں بنا لیا۔ ان کے خیالوں کی غلام گردشوں میں بھٹکنے اور پھر انہی میں دم توڑنے والے لافانی ارضی اور سماوی خداؤں کی مدد سے انہوں نے اتنی طاقت پکڑ لی اور ایسی زبردست اجارہ داری بنائی جو ہر نبی اور رسولؐ کے لئے درد سر بنی۔ تاریخ گواہ ہے کہ ختم الرسلؐ کے سوا کوئی بھی صدیوں پرانی اس PRIESTHOOD اپرو ہتی اجارہ داری کے تار و پود بکھیر نہ سکا۔ یہ اتنا بڑا تہذیبی کارنامہ ہے کہ مصری ڈیلٹا کے پروہتوں کی تیار کی ہوئی بارہ مہینے، ۳۶۵ دن کی سب سے پہلی تقویم (۴۲۴۱ ۔ ق م) سے لے کر غار حرا میں نزول وحی (۶۱۰ء) تک اس کی بیخ کنی نہ کی جا سکی۔ اس کی غارت گری کے سلسلے میں ختم الرسلؐ کی ۲۳ سالہ انتھک جدوجہد ایک پوری کتاب کا موضوع ہے۔

- لوگوں نے جس عاجزی اور بے بسی سے جادوگر (شاعر پروہت) کی طاقت اور اس کی پھیلائی ہوئی گمراہی کو قبول کیا اس کی مثال ارضی خدا فرعون منقورع (ہرم اکبر کے معمار فرعون خوفو کا بیٹا) ہے جس نے ہرم اکبر کی تعمیر کے بعد باپ کے خالی کئے ہوئے خزانے دے کر نئی پالیسیاں وضع کیں اور جادوگروں کے مطلق العنان ٹولے کی ناراضگی مول لینے کی حماقت کی۔ بوطوع کے کاہن نے

بد دعا دی اور اسے کہلا بھیجا کہ وہ مزید چھ سال جئے گا اور ساتویں سال میں مر جائے گا۔ اس نے دیوتا کو برا بھلا کہہ کر کہانت گاہ میں غضب آلود جواب بھیجا کہ اس جیسے پاکباز فرعون کو اتنی جلدی مرنے کا حکم صادر کیا گیا ہے جس نے معیشت کو استحکام بخشا اور عدل کے قیام کے لئے کام کیا، بند معبدوں کو عوام پر دوبارہ کھول دیا۔ اس کے باپ اور چچا فرعون خیف رع نے لمبی عمر پائی جبکہ انہوں نے معبدوں کی تالہ بندی کی اور ڈیڑھ صدی تک لوگوں پر ظلم کیا لیکن اس کی شنوائی نہ ہوئی۔ پروہتوں کے ہاتھوں اپنی قسمت کا دروازہ بند دیکھ کر اس نے ڈھیر ساری مشعلیں منوائیں اور اپنی راتوں کو دن میں بدل دیا۔ وہ روز و شب جشن منانے لگا۔ رات کو دن میں منتقل کرنے اور اپنی زندگی کے باقی ماندہ چھ سالوں کو طول دینے سے اس کی مراد یہ تھی کہ وہ کاہن پر جھوٹ کا الزام دھر سکے۔

بہرحال اس ایک مثال سے عیاں ہوتا ہے کہ پروہتی نظام بین جادوگری کی ہیبت کس طرح عوام و خواص کے دلوں پر طاری تھی۔

دینِ ساحری کو ہر بشریات دان نے فریب کہا ہے۔ اس میں بت پرستوں کی دیو مالا، ریت (عبادت)، فکری نظام اور عملی طریقے شامل ہیں۔ باباۓ بشریات سر جیمز جارج فریزر (مولف GOLDEN BOUGH مورخہ ۱۹۲۲ء) کے الفاظ میں دینِ ساحری ضابطۂ فطرت کا حرامی بچہ اور انسانی رد دینے کے لئے غلط کار گائڈ ہے۔ جھوٹی سائنس اور ادھورا فن ہے۔

ان الفاظ کی تشریح ضروری ہے۔ جب آدمی نے ہوش سنبھالا اور ابھی فکر و شعور کی سطح پر بھرپور انگڑائی نہیں لی تھی کہ اس کی دنیا اور خود اس کی ذات سوالیہ علامت بن کر سامنے آئی۔ سورج کا طلوع و غروب، موسموں کا تغیر، زمین اور حیوانات کا تخلیقی عمل، بیکراں کائنات اس کے عجائبات زندگی اور موت سب کچھ حیران کن پہیلی تھا۔ اس کا علم اتنا نہیں تھا کہ سائنسی سلیقے سے کارخانۂ قدرت کو سمجھ سکتا اور کسی منطقی طریقے سے اسباب و علل اور علت و معلول کا کھوج لگا سکتا لیکن اس کی تجسس آمیز اور اضطراب انگیز فطرت سے یوں صبر بھی نہ ہو سکتا تھا کہ وہ حیات و کائنات کے اسرار و رموز جانے اور اپنی معرفتِ ذات کے بغیر ہی زندگی بسر کرے۔ جب عقل

آڑے نہ آئی اور آئی تو بمقدار قلیل آئی تو اس نے وجدان اور جذبات سے رجوع کیا۔ وجدان اور جذبات کی دولت اسے بمقدار کثیر میسر تھی چنانچہ ابتدائی دور میں ضمیاتی فلسفہ تو تراشا نہ جا سکا البتہ عملی شکل میں جادو نے ضرور جنم لیا۔ بستی یا قبیلے کے سب سے قابل آدمی نے غیر معمولی طاقت والی ہر چیز (سورج، سمندر، زمین، سیلاب، طوفان، دریا، زلزلہ، مینہ، موت) کو اپنا آقا مانا اور اسے زیر کرنے کی غرض سے سحری رسمیں (بت پرستوں کی عبادتیں) تراشیں۔ ان رسموں میں جسمانی حرکتیں (جنہوں نے بعدازاں رقص کی شکل اختیار کی) شور و غل، چیخ و پکار، مختلف نوع کی اصوات (جن سے موسیقی نے جنم لیا) اور منتر یا شبد (جو ارتقائی منزلیں طے کر کے شاعری بن گئے) سے یہ رسمیں عبارت تھیں۔ بستی یا قبیلے کا یہ قابل آدمی پروہت، سردار اور ساحر طبیب بھی ہوتا اور جملہ امور و معاملات کا منصرم اعلیٰ بھی۔ اسی کے سحری عمل، ٹونے ٹوٹکے سے بلائیں بستی سے دور رہتیں لڑائی میں دیوتا قبیلے کی مدد کرتا۔ مینہ پڑتا، زمین اپنی کوکھ سے دولت اگلتی، اس ضمن بنیادی نکتہ یہ تھا کہ جادوگر حکماً اپنے خداؤں کو اپنی ضرورت اور منشاء کے مطابق کسی کام پر مامور کرتا۔

پھر جوں جوں عقل بڑھی، مشاہدے اور تجربے کی دولت ملی جادوگر نے ماہیت اشیاء جاننے کیلئے وجدان اور جذبات کے ساتھ ساتھ سائنسی طریقہ بھی اختیار کیا لیکن رجحان وہی شاعرانہ رہا۔ کائنات اور خود اس کی اپنی ذات، شاعرانہ صداقت سے آگے نہ بڑھی۔ جو خدا بے نام اور بے صورت تھے انہیں نام ملے، صورتیں ملیں، یہ ترقی یافتہ زمانے کی اونچی باتیں ہیں۔

ابتدائی عہد جاہلیت (قبل تاریخ و فلسفہ کے دور) میں آدمی کو اتنی فزیالوجی نہ آتی تھی کہ قدرت کے ودیعت کئے ہوئے جنسی عمل تخلیق کو سمجھ پاتا۔

آیت کریمہ خلق الانسان علق (ہم نے آدمی کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا) کا مفہوم سمجھنے کا ابھی وقت نہ آیا تھا اور اس کے نزدیک انسانی تخلیقی عمل میں مرد کا کوئی عمل دخل نہ تھا بقول ول ڈیورنٹ تخلیقی عمل میں مرد کے کردار کی بات غالباً اولین انسانی گروہوں کے علم میں بالکل نہیں آئی۔ دنیا کے بعض قبائل تو اب تک اس حقیقت سے ناواقف ہیں۔ ان کے نزدیک حمل جنسی

عمل کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ تو عورت کے بطن میں ٹیلوما (بھوت) داخل ہونے سے ہوتا ہے بچوں کے بارے میں پوچھا جائے تو عورتیں کہیں گی، یہ ٹیلوما کی عطا ہے۔ وحشی دور کا انسان جانتا ہی نہ تھا کہ جبلت حیات اور مادہ حیات کی کیا ماہیت ہے۔ وہ تو یہی سمجھتا تھا کہ پیٹ میں ارواحیں ہیں۔ وہ حاملہ عورت کو قابلِ پرستش سمجھتا تھا۔ یہ پراسرار دنیا، قدرت کا مخفی کارخانہ جادوگر کی سوجھ بوجھ سے ماوراء تھا۔ قریب قریب ازمنۂ قدیم کے سب لوگ عورت کو پوجتے تھے۔ اسی لئے دیوتا سے پہلے دیوی نے اور مرد کے راج سے پہلے تریا راج معرض عمل میں آیا۔ عورت اپنے تخلیقی عمل کے باعث قابلِ احترام قرار دی گئی۔ یہی سبب ہے کہ ابتداء میں اولاد اسی سے منسوب ہوتی، تمام املاک اس کی تھی، وہی قبیلے کی سردار تھی۔ بشریات کی زبان میں اسے مادری نظام (MATRIARCHY) کہتے ہیں۔ مرد کو تخلیقی اہلیت سے محروم سمجھ کر اسے کھیت کھلیان کے قریب پھٹکنے نہ دیا۔ مبادا زمین بانجھ ہو جائے اور فصل سے ہاتھ دھونا پڑے۔ کھیتی باڑی کا کام عورت ہی کرتی۔ اگرچہ بعدازاں یہ نظریہ برقرار نہ رہا اور مرد نے ہل کی ہتھی تھام لی لیکن آج بھی بعض علاقوں میں عورت کھیتی باڑی کرتی ہے۔

کہانت کا فریضہ بھی عورت ہی ادا کرتی۔ دورِ تہذیب میں بھی اس کا وجود قائم رہا۔ ڈیلفی (یونان کی قدیم کوہستانی کہانت گاہ) کی کاہنہ جس نے شہزادہ ایڈی پس کو باپ کو ہلاک کر کے ماں سے بیاہ کرنے کی خبر دی تھی، محتاجِ تعارف نہیں۔ عرب کے عہدِ جاہلیت میں بھی کاہنہ موجود تھی۔ ابن ہشام نے بیان کیا ہے کہ جب عبدالمطلب نے دیوتا کو دیا ہوا یہ عہد پورا کرنا چاہا کہ دس بیٹے ہوئے تو وہ ایک کو قربان کر دیں گے تو بیٹے کی قربانی کا بدل معلوم کرنے کے لئے خیبر آ کر کاہنہ سے رجوع کیا۔

الغرض ابتدائی سحریاتی دور میں حیات و کائنات کے بارے میں جو سوالات اٹھتے ساحر انہیں اپنے قیاس اور تخمینے سے شاعرانہ پیرائے میں حل کرتا تھا۔ اسی لئے فریزر اور دوسرے بشریات دونوں نے ذہنِ ساحری کو گمراہ کن قرار دیا۔

ذہنِ ساحری کی گمراہی ابتداء سے دمِ آخر قائم رہی جب مادری نظام کی جگہ پدری نظام

(PATRIARCHY) رائج ہوا ——— مرد نے کھیتی باڑی اور قبیلے کی سربراہی کا کام سنبھالا، کچی قبروں کی جگہ عالیشان اہرام تعمیر ہونے لگے۔ فرعون کو زمینی خدا بنا دیا گیا۔ مرنے کے بعد اسے ربّ الشمس بنا کر ابدی زندگی دی گئی، فنِ تعمیر، کیمیا اور ریاضی میں غضب کی ترقی ہوئی تب بھی جادوگر کے انداز اور سوچ میں کوئی بنیادی تبدیلی نہ آئی۔ وہ خود بھی گمراہ رہا اور لوگوں کو بھی گمراہ کرتا رہا۔ اس نے اقتدار اپنے ہاتھ میں رکھا۔ ہندوستان میں تو اب تک دینی علم کی کنجی برہمن کے ہاتھ میں ہے۔ منوشاستر کی پابندیاں اب بھی عائد ہیں۔ اب بھی غیر برہمن وید نہیں پڑھ سکتا۔ کبھی یہ عالم تھا کہ شودر کی زبان پر وید کا شبد آجاتا تو زبان کاٹ دی جاتی۔ کان میں پڑ جاتا تو اس میں پگھلایا ہوا سیسہ ڈال دیا جاتا۔ اب بھی وہ ملیچھ (ناپاک) ہے۔ سنسکرت کا ایک عالم مسلمان وہاں کسی دفتر میں کلرکی کرتا ہے۔ اسے سنسکرت پڑھانے کی اجازت نہیں۔ فرعون ہی کی طرح ہندوستان کے ساحروں نے اوتار (زمینی خدا) تراشا اور ان کی پرستش کا رواج دیا۔ رام اور کرشن زمینی خدا تھے۔ انہی برہمنوں نے کمال عیاری اور اسلام کی برتری ختم کرنے کے لئے "رام اور رحیم ایک ہے" کا نعرہ لگایا اور بعض مسلمان صوفیاء نے یہ مسلک قبول کیا بلّھے شاہ نے دزانہ کہا ؎

گل سمجھ لئی تے رَولا کیہ

ایہہ رام، رحیم تے مَولا کیہ

بہر حال جادوگروں کی دینی اجارہ داری یعنی پروہتی نظام تادیر قائم رہا اور تہذیب و تمدن کے نہایت خوشنما گل کھلانے کے باوجود اساسی طور پر جادو کی ماہیت نہ بدلی۔ ادب (بالخصوص یونانی ڈرامے اور رزمیے) رقص، موسیقی، دیومالا، ریت اور دیگر متعلقات میں حیرت خیز ترقی ہوئی۔

سرپال ہاردے نے جادو کے باب میں صحیح کہا ہے ـــــ "دینِ ساحری جس میں واقعات کے فطری بہاؤ کو شبدوں، گنڈوں تعویذوں اور دوسری رسوم کے ذریعے متاثر کرنے کا دعویٰ کیا جاتا، ہمہ گیر طور پر ابتدائی عہد کے قبیلوں میں رائج تھا۔ علم و فن کے ابتدائی مرحلوں پر قدرتی قوانین کو غلط انداز سے سمجھنے اور ان کے اسباب و علل جاننے میں دشواری پیدا ہونے کے باعث جادو بروئے

کار آیا۔ یہ وہم عام ہوا کہ کائنات ارواح نیک و بد سے لبریز ہے اور وہی کار و بارِ حیات میں عمل دخل رکھتی ہیں ؎

مسٹر پال ہاروے کا یہ بھی خیال ہے کہ شروع میں مذہب اور جادو ایک دوسرے میں گھل مل کر رہے۔ بعد ازاں ان کے رویے بدلے اور یہ ایک دوسرے کے خلاف ہو گئے۔ یہاں مختصراً ان کا فرق بتایا جاتا ہے جادو نے بت پرستی کو جنم دیا، مذہب نے بت شکنی کی، جادو میں آدمی کو خدا اور اوتار کا مرتبہ حاصل ہے۔ مذہب میں وہ خلیفۃ اللہ فی الارض ہے خدا نہیں۔ جادو میں ربیت عبودیت کے عنصر سے خالی ہے۔ اس کا مقصد من گھڑت خداؤں کو جنتر منتر اور کلام کے ذریعے رام کرنا اور ان سے حکماً کام لینا۔ مذہب میں عبودیت کے بغیر عبادت کا کوئی تصور نہیں۔ بندہ اپنے رب کی عبادت کرتا اور ایاک نعبد و ایاک نستعین کہتا ہے۔ یہ فرق جاننے کے بعد ہی دینِ ساحری کو ٹھیک سے سمجھا جا سکتا ہے رہا پروہتی اجارہ داری کا مسئلہ تو اس کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ یہ فی نفسہٖ معاشرتی مسئلہ ہے تاہم مذہب بالخصوص اسلام جس نے اپنے تانے بانے کسی فرعون، نمرود یا کسی من گھڑت دیوتا کے گرد نہیں بنے بالصراحت جمہوری ہے، یہ کسی گروہ کی گرفت یا اجارے میں نہیں۔ ہر شخص پروہت کی محتاجی کے بغیر نظریاتی طور سے بھی اور عملاً بھی اسے اپنا سکتا ہے۔ پروہتی نظام براہِ راست جاگیرداری کی پیداوار تھا۔ جادوگر معاشرے میں سپریمو تھا اور بے پناہ اختیار رکھتا تھا۔ وہ سائنسدان بالخصوص طبیب ـــ ساحر طبیب تھا، وہی اپنی شکل و صورت پہ خدا تراشتا، ہیرو کو مرنے کے بعد خدا بنا کر معبود کا درجہ دیتا، وہی شید، بانی اور منتر تراشتا اور انہیں جادو اثر بناتا، وہی شاعر تھا اور ہر علم و فن کا ماہر، فرعون کے زمانے میں اس نے اتنی دولت سمیٹ لی تھی، کہ اس کے خزانے قابلِ رشک تھے۔ مالی اعتبار سے جادوگری کا پیشہ انتہائی منفعت بخش تھا اختیار و اقتدار کا یہ عالم تھا کہ بڑے سے بڑا حکمران بھی اس کے منہ نہ لگتا اور اس کے جادو سے خائف رہتا تاریخ میں ہمیں فرعون آخیناطون کا ذکر ملتا ہے، جس نے آمون کے پروہتی نظام کو شکست کیا اور اس کے معبد تہس نہس کیے لیکن آخر کار وہ بھی انہی کے ہاتھوں مات کھا گیا۔ یہ شرف ختم المرسلینؐ کو

ہے کہ انہوں نے پریسٹ ہڈ کا ہزاروں سال پرانا طلسم توڑا اور مذہب کو جمہور کے سپرد کر دیا۔
جادوگر نے عقل کے سارے حیلے آزمائے، قیاس کے گھوڑے دوڑائے اور اپنے دائرہ فکر و عمل میں پوری کائنات کو سمو لیا۔ زندگی کے وہ تمام پہلو جو رات دن کا معمول تھے اس نے اپنی گرفت میں اس طرح لیئے کہ اس کے بغیر پتہ نہ ہل سکتا، کارخانہ قدرت نہ چل سکتا۔ مرنے کے بعد کی زندگی جہاں اس کی رسائی نہ تھی اور جن کے بارے میں وہ خاک نہ جانتا تھا اس کے بھی اس نے خاکے تیار کر دیئے۔ اس کے بارے میں اس نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی، سب سے اہم کتاب لکھ ماری، دنیا کی کوئی شئے جانور، پتھر، پیڑ، جڑی بوٹی، زمین، آسمان، ہوا اس کی ایجاد کی ہوئی سحری قوت (مانا) سے خالی نہ تھی۔ وہی تھا جو اس مانا سے کام لیتا۔ ہر ایک پر اس کا اختیار چلتا تھا۔

ابتدائی دور میں جادوگر صرف عمل کرتا تھا۔ ناچتا، گاتا، شور مچاتا۔ یہی اس کی ریت تھی اور اس کے ذریعے وہ مسائل حل کرتا۔ کشتی مین کے بارے میں بتاتے ہیں کہ اسکا رقص جو ظاہر ہے سحری تاثیر رکھتا تھا ہر مسئلہ حل کرنے کے لئے تھا۔ اس سے پوری طرح فائدہ اٹھانے اور مکمل طور پر سحری اثر پیدا کرنے کے لئے پورے قبیلے کے قدموں، دوسری جسمانی حرکات اور آوازوں میں اس قدر آہنگ ہوتا جیسے ایک آدمی رقص کر رہا ہو۔ دن دن بھر، رات رات بھر یکساں جوش و خروش اور صحت کے ساتھ ناچتے، اگر شمہ بھر غلطی ہوتی تو نئے سرے سے ناچنا شروع کرتے۔ صحت ضروری تھی۔ یہی تو اس عمل میں سحری اثر پیدا کرتی۔ عمل کے ساتھ سوچ اور فلسفے کی باری بعد میں آئی۔

انگریزی لفظ "میجک" کے معنی ہیں مُغاں ــــ "ماگی" کا علم ہے۔ یہ لوگ زرتشتی دین کے پیروکار تھے۔ اہل یونان اور ایران میں کسی نہ کسی شکل میں رابطہ رہا ہے۔ تھیبیز پر ایرانیوں کے حملے کو بہت شہرت ملی اور یونانی شاعروں نے اس پر تمثیلیں لکھیں۔ یونانی زبان میں جادوگر کے لئے پہلے سے لفظ موجود تھا اس کے معنی تھے ایسا شخص جو منتر جانتا اور چلا چلا کر پڑھتا ہو۔ یونانی ادب میں جادوگرنیوں کے تذکرے ملتے ہیں جنہوں نے آدمیوں کو جانور بنا دیا۔ یہ واقعہ بھی موجود ہے کہ جب اوڈی سیس کو جنگلی سؤر نے زخمی کیا تو ایک سحری نغمے کے ذریعے اس کا جریان خون بند کیا گیا۔ جیسن

نامی یونانی ہیرو نے جو ناممکن کارنامے سرانجام دیئے تو اس کا سبب میڈیا جادوگرنی کے منتر تھے۔

• جادوگر ہی تمام رسومات اور تقریبات کی صدارت کرتا۔ یونانی ڈراما جو دراصل سحری ریت سے پیدا ہوا تھا اور دین ساحری ہی کا اہم حصہ تھا۔ اس کا سرپرست دایونائی سس دیوتا تھا اسے جس جگہ کھیلا جاتا وہ عبادت گاہ کا درجہ رکھتی، جو لوگ کام کرتے، اسے دیکھتے اور کسی دوسری شکل میں اس سے وابستہ ہوتے وہ شریک عبادت سمجھے جاتے۔ پروہت (جادوگر) تماشائیوں میں سب سے آگے بیٹھتا اور صدر نشین ہوتا۔

یونان اور اطالیہ میں بقول فریزر جادوگر کو بادشاہ کا لقب ملتا تھا۔ اس کی بیوی ملکہ کہلاتی۔ بیر قربانی کا بادشاہ یا مقدس رسوم کا بادشاہ کہلاتا اور سیاسی فرماں روا اس کے کام میں مداخلت نہ کرتا بعض یونانی ریاستوں میں ایک سے زیادہ دینی بادشاہ ہوتے۔ سپارٹا میں بسا اوقات سیاسی حکمران ہی دینی بادشاہ اور دیوتا کا اوتار ہوتا۔ ایشیائے کوچک میں بھی یہی کیفیت تھی۔ ایک ہی وقت میں ایک شخص کا بادشاہ اور پروہت ہونا کوئی انوکھی بات نہ تھی۔

جادو جس کے بارے میں ہم نے عرض کیا کہ گمراہی کے سوا کچھ نہ تھا دو شاخوں میں تقسیم تھا۔ یہ دونوں شاخیں تالیفی سحر کی تھیں ایک کو سحر بالمثل (ہومیو پیتھک میجک) کہتے، دوسری کو لمسیاتی سحر (چھوت کا جادو) کہتے۔ دونوں کی بنیاد غلط تھیں۔ سحر بالمثل میں جو عمل کیے جاتے وہ ایک جیسے خیالات پر منحصر ہوتے۔ یہ بات سرے ہی سے غلط تھی کہ یکساں خیالات یکساں نتائج پیدا کرتے ہیں اور لمسیاتی سحر کا یہ قانون بھی غلط تھا کہ ایک بار جب کوئی چیز کسی سے چھو جائے تو پھر ان کا لمس دائماً برقرار رہتا ہے۔ آج بھی یہ وہم قائم ہے عورتیں اپنے بدن کا کپڑا، اپنے بال وغیرہ دوسروں کی تحویل میں نہیں جانے دیتیں مبادا کوئی ٹونا ٹوٹکہ کر دے۔

ہزاروں سال تک وادی فرات و دجلہ، مصر، ہندوستان اور دوسرے ملکوں کے جادوگر سحر بالمثل کی رو سے کسی کے دشمن کو غارت کرنے کے لئے اس کا پتلا بناتے، پھر اسے سوئیاں چبھوتے اس کی گردن مروڑتے، اسے جلاتے، افریقہ میں جادو کی یہ قسم عام تھی۔

جادو کی یہ شکلیں ادنیٰ درجوں کی ہیں۔ اس جادو سے اس کا مقابلہ نہیں جس نے تہذیب و تمدن کو جنم دیا لیکن سحر بالمثل کا عمل دخل مہذب و متمدن معاشروں میں بھی رہا۔ دشمن پر حملہ کرنے سے پہلے بدھ ناچ ناچا جاتا۔ منتر اور گنڈے تعویذ جو آج تک رائج ہیں اسی اصول کے مطابق ہیں۔

جادو سے قطعِ نظر ذہنِ انسانی بعض اثرات کو قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے اس طرح تعویذ اثر کرتا ہے۔ یہ مسئلہ نفسیاتی ہے اور اسی سے ہنر مند لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ آواز (کذا) پر پھونکیں مار کر پانی دم کرنا اور اس سے شفایاب ہونا کسی سائنسی اصول سے تعلق نہیں رکھتا۔ یہ ذہنی کیفیت کا معاملہ ہے جس سے کوئی اثر قبول کرنے کی آمادگی اور صلاحیت پیدا ہوتی ہے یاور کروانے اور باور کر لینے ہی سے بات بن سکتی ہے۔ فرعون منقورع کو پروہت نے باور کروایا اور اس نے باور کر لیا کہ چھ سال کے بعد اس کا چراغِ زندگی بجھ جائے گا

یہ خیالی جادو ہے جو لوگوں کی نفسیاتی کمزوریوں، ضعفِ ایمانی، اوہام و وساوس اور بے یقینی سے پنپتا ہے۔

جب کوئی مریض طبیبوں اور ڈاکٹروں سے مایوس ہو جاتا ہے تو بالعموم ٹونے ٹوٹکوں پر آ جاتا ہے۔ مایوسی کے عالم میں ایک اور علاج بھی ہے لیکن اس کا تعلق جادو سے نہیں۔ یہ دعا ہے جو آدمی کی قوتِ مدافعت بڑھاتی اور اس کے یقین کو محکم کرتی ہے یہ عبودیت کا مظہر ہے۔

جوں جوں علت و معلول کے ضمن میں سائنسی معلومات بڑھتی گئیں توں توں آدمی جادو کی گرہیں کھولتا اور اس سے پیچھا چھڑاتا گیا۔ طبُّ السحر جیسی مفید سائنس ساحر طبیب ہی نے ہمیں دی ہے۔ کتنے ہی عُلوم و فنون جنہیں اس نے جادو کی گرفت میں لے رکھا تھا بعض ازاں سیکولر شکل اختیار کر گئے یا پھر ان پر مذہب کا رنگ چڑھ گیا۔

ابتدائی تہذیبی قدروں اور علم و فن کا سرچشمہ جادو ہے جسے بالاتفاق علمائے بشریات نے گمراہ کن قرار دیا ہے۔

قدیم ایام میں عاملِ جنات کی طرح عاملِ ارواح پائے جاتے تھے۔ یہ نیک و بد روحوں کا

کاروبار کرتے تھے۔ اچھی بری روحیں اچھے برے آدمیوں کی ہوتیں۔ وہ سحر بالمثل کے اصول کے مطابق اچھی روحوں سے اچھا کام اور بری روحوں سے برا کام لیتے۔

جادوگر ایک بات کا اقرار کرتا کہ وہ غیر محدود طاقت کا مالک نہیں۔ وہ جو بھی عمل کرتا ہے منتر پڑھتا ہے ان کا اثر اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ عمل میں گڑبڑ نہ ہو، منتر صحیح ہوں۔ ان میں خرابی آئے گی تو مطلوبہ نتیجہ حاصل نہ ہوگا۔ جیسے لوگ ویسے ان کے جادوگر، وہ جو کہتے، جو کرتے لوگ اسے مان لیتے کیونکہ ذہنی اور فکری خلاء پُر کرنے کے لئے اس وقت یہی کچھ تھا۔ سائنس آج کی طرح ڈنکے نہیں لگا رہی تھی۔ چیونٹی کی چال نہیں چل رہی تھی کیونکہ چیونٹی بہت تیز رفتار ہوتی ہے بس یہ تو بہت ہی دھیرے دھیرے حرکت کر رہی تھی۔ پھر ذہنِ انسانی میں جھوٹ کو مان لینے اور فریب کھا لینے کی صلاحیت فی نفسہٖ موجود ہے۔ آج بھی شیطان اسے وسوسوں میں ڈالنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

جس دور کی ہم بات کرتے ہیں اس دور میں جادوگر نے پورے ماحول میں اپنے فکر و عمل کو یوں پھیلا دیا اور ہمہ گیر کر دیا تھا کہ اس سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ یہ ایسی دنیا تھی جس میں سوچ، ریتیں رسمیں، انسانی رویے اور عمل کے تانے بانے جادوگر نے بکھیرے تھے۔ اس نے ان میں رنگ بکھیرا تھا۔ پھر اس کا طریق کار ایسا تھا جو قابلِ فہم اور قابلِ تسلیم تھا۔ سوئیاں چبھونے، بدن کے کپڑوں سے ٹونا ٹوٹکا کرنے، منتر اور گنڈے تعویز سے کام لینے میں لوگوں کو کوئی خرابی نظر نہ آتی۔ یوں جادوگر اور عوام کے درمیان مفاہمت قائم تھی۔ مفاہمت اور قبولیت کی صلاحیت جادوگر کو کامیاب کرواتی اور اس کے احکام کو صحیح گردانتی۔

جادو کو گمراہ کن اور جعلی قرار دینے کا یہ مطلب نہیں کہ صدیوں تک تہذیب و تمدن کے شعبے میں جو کام ہوا ہے جادوگر کو اس کا کریڈٹ نہ دیا جائے۔ سائنسدانوں اور مذاہب کے داعیان نے قبلہ راست کر دیا تو تہذیب و تمدن کا شعبہ غلط عناصر سے پاک ہو گیا۔

بات سمت کے غلط ہونے کی ہے۔ وہی کعبہ جسے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے فرزند ارجمند حضرت

اسمعیلؑ کے ساتھ مل کر بنایا اور جہاں خدا کی عبادت کو رائج کیا جب گمراہوں کے قبضے میں آیا تو انہوں نے اسے جادو کا طلسم خانہ بنالیا۔ اس کے اندر، باہر اور گرد و پیش میں ۳۶۰ بت رکھ دیئے۔

حد تو یہ ہے کہ بقول ابنِ ہشام نائلہ اور اساف (زانیہ اور زانی) کے بت بھی رکھ دیئے اور یہیں قربانی کے جانور ذبح کئے جانے لگے۔ یوں جادوگروں نے کعبے کا مصرف ہی بگاڑ لیا۔ پھر اللہ کے حکم سے ختم المرسلینؐ نے اس بت کدے کو از سرِ نو خانۂ خدا بنایا۔

ہم کعبے کو بت خانے میں تبدیل کرنے والے جادوگروں کو کریڈٹ نہیں دیں گے کیونکہ عُلُوم و فُنُون اور تہذیبِ تمدن میں ان کا کوئی کارنامہ نہیں یہ امرِ واقع ہے کہ ایامِ جاہلیت میں عرب جادوگروں نے نہ تو مصر اور میسوپوٹیمیا کی طرح کوئی زبردست دیومالا مرتب کی اور نہ یونان واطالیہ کی طرح بیرونِ ملک (مصر) سے اسے برآمد کیا۔ اسی لئے ان کے یہاں جادو کوئی تہذیبی قدر نہ تھی۔ بس اتنا تھا کہ گھر میں کسی دیوی یا دیوتا کا بت رکھ لیتے، تیروں کے ذریعے کسی معاملے میں فال لینی ہوتی تو کعبے کے پروہت کے پاس آجاتے۔ دعا مانگتے تو اللہ کے نام کے ساتھ اپنے کسی بت کا نام بھی پکارتے فکری اور عملی اعتبار سے ان کی دنیائے سحر و طلسم نہایت محدود اور ابتدائی عہد کے قبائل سے بہتر نہ تھی۔

جادو، طلسم اور قدیم اوہام

ٹوٹم قبیلے کے متبرک پیڑ پودے اور جانور کا تصور خدا سازی کے عہد سے پہلے پیدا ہوا ہم کہہ سکتے ہیں کہ تب ٹوٹم ہی سب کچھ تھا، اسی سے درندہ صفت وحشی قبیلوں کا دینی جذباتی سرمایہ عبارت تھا اور آنے والے تہذیبی دور (کم و بیش چھ سات ہزار سال قبل مسیح) کے خدائی تصورات کے عناصر ترکیبی رکھتا تھا، ممکن نہیں کہ پچھلے دس ہزار سال میں کوئی زمانہ معبود کے خیالی یا حقیقی، سائنسی یا نا سائنسی تصور سے خالی رہا ہو آدمی ٹامک ٹوئیے مارتا رہا اور اپنی شعوری بے بسی کے باوجود ڈوبتے میں تنکے کا سہارا لیتا رہا۔ جب اور کچھ ہاتھ نہ آیا تو اس نے قبائلی اور جغرافیائی ضرورت سے برا بھلا کوئی جانور، کوئی پیڑ پودا منتخب کر لیا اور اسے مقدس قرار دیا یہ اس کا ورثۂ اعلیٰ اور جدِ امجد بن گیا اسے محور بنا کر اس نے معاشرتی رشتے قائم کئے اور اپنی دانست کے مطابق شجرِ ممنوعہ تیار کیا۔

ٹوٹم (مقدس جانور یا پیڑ) کا رشتہ اس قدر قوی تھا کہ اس کے سامنے خونی رشتے بھی ہیچ تھے ممنوعات اور محرمات کا ضابطہ بھی ٹوٹم کے حوالے سے مرتب کیا گیا۔ یہ ضابطہ قبائلی اخلاقیات کا نگہبان تھا اور اس پر انتہائی سختی سے عمل کیا جاتا تھا۔ اس ضابطے کو ٹیبو کہتے۔ بقول فریزر ٹیبو برقی انسولیٹر (حاجز) کا کام دیتا۔ یعنی یہ برائی اور تباہی کی لہر کو روک لیتا اور قبیلے کو نقصان سے بچاتا۔ بقول فرائیڈ اس ضابطے کو توڑنے والا خود بخود سزا پا لیتا۔ وہ خود ٹیبو ہو جاتا۔ یہی ٹیبو اس سے انتقام لیتا قدرت اس انتقام کا ذمہ لیتی (جیسے ایڈی پس نے باپ کو ہلاک کرنے کے بعد جب اپنی ماں جیکوستا سے بیاہ رچایا اور اولاد پیدا کی تو ربّ الشمس اپالو نے پکڑ کی اور شہر تھیبیز کو طاعون میں مبتلا کیا

جب معاشرے کی شعوری سطح بلند ہوئی تو معاشرے نے ٹیبو شکن کو سزا دینے کی ذمہ داری قبول کی۔

ٹیبو شکنی معاشرے میں بدامنی پیدا کرتی اور افراد قبیلہ کی سلامتی کو خطرے میں ڈالتی ٹیبو ہی سے اوّلیں دور کے قبائل نے اپنی اپنی پینل کوڈ تیار کی۔ ٹیبو کا سرچشمہ وہ مخفی سحری قوت تھی جو پروہتوں کے خیال میں افراد اور ارواح میں پائی جاتی تھی۔ اور ان کی وساطت سے غیر جاندار اشیاء میں منتقل ہو جاتی تھی۔ آدمی کے تراشیدہ بالوں، کپڑوں، جوتوں، لاٹھیوں، ہتھیاروں اور اوزاروں میں جسمانی لمس کے ذریعے یہ مخفی سحری قوت آجاتی تھی اور دوسروں کے لئے خطرناک بن جاتی تھی۔ انسانی کھوپڑیاں زبردست سحری قوت کی حامل ہوتیں قبائلی جنگوں میں دشمن کے سر کاٹ کر ان کی کھوپڑیاں محفوظ کرلی جاتیں انہیں غلط طریقے پر چھیڑا جاتا یا ان سے متعلقہ ضابطہ توڑا جاتا تو ان سے ایٹمی توانائی جیسی سحری قوت خارج ہوتی اور کمزور غلط کار کو تباہ کر ڈالتی۔ بادشاہوں اور قبائلی سرداروں میں زبردست سحری قوت مخفی ہوتی۔ ان کے حضور گستاخی کرنے والے کو موت آلیتی۔ کمزور رعایا میں اتنی سحری قوت (مانا) نہ ہوتی کہ ان کی طرف دیکھتے یا ان کے سامنے اکڑ کر کھڑے ہوتے۔ اب بھی لوگ بڑی شخصیتوں سے مرعوب و مسحور ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے وہ زیادہ سحری قوت رکھنے والے معتمدوں، مصاحبوں اور وزیروں کے ذریعے بات کرتے۔

سحری قوت دائمی بھی ہوتی اور عارضی بھی۔ فرائیڈ کی تقسیم کی رو سے پروہتوں، قبائلی سرداروں بادشاہوں اور مردوں میں مستقلاً سحری قوت ہوتی ان کے بارے میں ضابطہ ممنوعات (ٹیبو) بھی مستقل حیثیت رکھتا۔ ٹیبو کی عارضی صورتیں یہ تھیں۔ ـــــــــــ

- ایام حیض و زچگی میں عورت ٹیبو ہوتی ہے۔ ایسے میں اس کے قریب جانا خطرناک تھا۔
- جنگ پر جانے والا سپاہی بھی ٹیبو ہوتا۔
- شکار بھی ضابطہ ممنوعات کے تابع تھا۔ شکاری پر کئی پابندیاں لگائی گئی تھیں۔

ٹوٹم اور ٹیبو میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ٹوٹم ہی سے ضابطہ ممنوعات و محرمات (ٹیبو) برآمد ہوا ہے۔ آپس کے رشتے ٹوٹم کے ذریعے قائم ہوئے اور پھر ان کا احترام کیا جانے لگا۔

ٹوٹم (مقدس جانور یا پیڑ) قبیلے کا جدِ امجد ہوتا۔ اس لئے پورا قبیلہ اسی کی اولاد ہوتا۔ غیر قبیلے کی عورتیں شادی کے بعد شریکِ قبیلہ ہوتیں تو وہ بھی اسی ٹوٹم سے وابستہ ہو جاتیں اور ٹوٹمی قبیلے کا فرد بن جاتیں۔

کنگرو قبیلے کی عورت ہرن قبیلے میں آکر ہرن کی اولاد قرار دی جاتی۔

ٹوٹم ہی کی وجہ سے مرد کے لیے اس قبیلے کی عورتیں ٹیبو ہو جاتیں اور وہ ان سے بیاہ نہ کر سکتا خونی رشتہ ہو نہ ہو۔ ٹوٹمی رشتہ اس ضابطے کی روح رواں تھا۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔ ٹوٹمی رشتہ خونی رشتے سے بھی زیادہ مضبوط تھا۔

ٹوٹم کی وساطت سے جو کنبہ قبیلہ بنتا اس میں خونی یا معاشرتی لحاظ سے کتنی ہی دور کا رشتہ کیوں نہ ہوتا، مرد و زن میں جنسی تعلق کی اجازت نہ تھی۔ یہ ٹیبو (شجر ممنوعہ) تھا۔

اس طرح حقیقی کنبے نے ٹوٹمی کنبے کو اپنی جگہ دے دی۔ اوائلی عہد کے بوجھ بجھکڑوں نے اپنی فہم و فراست کے مطابق قبیلے کی سلامتی کے لئے ایسے اخلاقی قوانین وضع کئے جن سے برائی نہ پھیلے۔ بچے قبیلے کی عورتوں کو اپنی ماں کی بہنیں اور مردوں کو ان کے بھائی سمجھتے وہ انہیں خالہ اور ماموں کہہ کر پکارتے۔ زنا بالمحرمات کی روک تھام کے لئے بیرونِ قبیلہ شادی (EXOGAMY) کا رواج ہوا۔

بقول فرائیڈ اوائیلی قبائل کا دستورِ محرمات و ممنوعات کیتھولک چرچ میں بھی ملے گا، جو عمزادوں میں شادی کی اجازت نہیں دیتا۔

وحشی قبائلی نظام بڑا سخت تھا۔ وہ لوگ زنا بالمحرمات کے بارے میں بے حد خوف زدہ تھے اور ان کا یہ خوف آج بھی موجود ہے۔ آج یہ بدترین جرم ہے کوئی معاشرہ اس کی اجازت نہیں دیتا۔ چشم پوشی نہیں کرتا۔

جزیرہ لیپرز (فرائیڈ ص۔۱) میں دستور تھا کہ جب لڑکا خاص عمر کو پہنچتا تو ماں باپ کا گھر چھوڑ دیتا۔ کلب ہاؤس میں جا کر رہتا۔ یہ کلب ہاؤس کیا تھا؟ چھپر کا بنا ہوا مکان جس کے آگے احاطہ

ہوتا جوان لڑکے ماں باپ کا گھر چھوڑ کر یہیں رہنے آ جاتے۔ البتہ یہ لڑکا کھانا لینے باپ ہی کے گھر جاتا لیکن اسے کلب ہاؤس لا کر کھاتا باپ کے گھر کے باہر بھی بیٹھ کر کھاتا اگر بہن اکیلی گھر میں ہوتی تو کھانا کھائے بغیر ہی لوٹ آتا۔

بہن کے سامنے جانا ٹیبو تھا۔ اگر کبھی کھلی جگہ پر بہن بھائی کا آمنا سامنا ہو جاتا تو لڑکی فوراً چھپ جاتی۔

اگر وہ کہیں ایک دوسرے کے قدموں کے نشان دیکھ لیتے تو راستہ بدل لیتے۔

ماں کا رویہ بھی بہن سے ملتا جلتا تھا۔ اگر کبھی ماں اکیلی گھر میں ہوتی اور بیٹا کھانا کھانے آتا تو ماں اسے کھانا نہ پکڑاتی بلکہ زمین پر دھر دیتی۔

جزیرہ نمائے غزالیس میں تو بہن شادی کے بعد بھی بھائی سے گفتگو نہیں کرتی۔ وہ اس کا نام بھی زبان پر نہ لاتی۔ نام کی بجائے کوئی اور لفظ تراش لیتی۔ اسی طرح ایک علاقے میں عم زاد بہن بھائی چند گز کے فاصلے پر کھڑے ہو کر بات چیت کر سکتے ہیں لیکن ایک دوسرے کو تحفہ نہیں دے سکتے۔ ان میں زنا بالمحرمات کی سزا پھانسی ہے فجی میں یہی دستور مروج ہے لیکن وہاں بعض ایسی تقریبات منعقد کی جاتی ہیں جن میں اس دستور کو توڑنے کی اجازت ہے۔

وحشی قبائل کے لوگ سمجھتے تھے کہ "تنہائی میں عورت اور مرد کی ملاقات انہیں غلط آشنائی کی راہ پر ڈال دیتی ہے"

سزا کی دہشت سے وہ قرب سے گریز کرتے۔ یہ گریز ہی ٹیبو تھا۔

جزیرہ سلیمان کے لوگوں میں خوشدامن سے ہمکلام ہونا تو کجا اس کی صورت دیکھنا بھی منع تھا۔ اگر کہیں سسرا ہے وہ نظر آجاتی تو برخوردار وہاں سے دوڑ لگاتا اور دور چلا جاتا۔

خوشدامن کا یہ رویہ درحقیقت اس ناراضگی کا اظہار تھا جو اسے اپنی بیٹی کے موروثی ٹوٹمی قبیلے سے کٹ کر دوسرے ٹوٹمی قبیلے میں شامل ہونے سے پیدا ہوتی۔ فرائیڈ کے نزدیک یہ نفرت ایک طرح سے محبت ہی کی بگڑی ہوئی صورت تھی۔ محبت کا جذبہ مجروح ہو جاتا تو وہ نفرت میں بدل جاتا

ہے۔اگر یہ جذبہ بحال ہوجائے تو نفرت، محبت میں بدل جاتی ہے۔اسے جذبے کی دورخی (AMBI-VALENCE) کہا جاسکتا ہے۔

بے رخی اور ناراضگی کا سبب یہ تھا کہ ماں اجنبی (دوسرے قبیلے کے فرد) کو بیٹی دے کر خوش نہ ہوتی قبائل میں بیاہ کے لئے دوسرے قبیلے کی پسندیدہ لڑکی کو بھگا لانے کا رواج بہت عام تھا۔ پر تھوی راج اور سنجوگتا کے ہرن کا قصہ بہت مشہور ہے۔بعد ازاں آریاؤں میں سوئمبر کی رسم پڑی جس میں اجنبی آتے اور لڑکی اپنا شریک حیات منتخب کر لیتی۔

خوشدامن کی ناراضگی دائمی نہ ہوتی۔بچہ پیدا ہونے کے بعد رفع ہوجاتی۔لیکن معاشرتی رویے ٹیبو کی زد ہی میں رہتے۔

'ٹیبو' جو ٹوٹمی قبائل کا مخصوص تعزیراتی ضابطہ تھا پولی نیشیائی لفظ ہے جس کے دو معنی تھے۔

ایک معنی تھے ـــــ مقدس

دوسرے معنی تھے ـــــ شجر ممنوعہ، خطرناک، ناپاک

'ٹیبوئی ضابطے کی ابتداء نامعلوم ہے تاہم اسے قدیم ترین انسانی سوچ کا حاصل قرار دیا جاتا ہے یہ سوچ قبائلی ضرورتوں سے پیدا ہوئی۔تب بھی خدا اور مذہب کسی شکل میں موجود نہ تھا۔'ٹیبوئی ضابطہ مذہب اور خدا کے تصور سے قدیم تر بتایا جاتا ہے۔

'ٹیبو' کے اطلاق کے سلسلے میں تین باتیں ملحوظ ہوتیں۔

۱۔جس شخص جانور، پیڑ پودے یا چیز کو 'ٹیبو' کہا جاتا اس کا تقدس یا احترام کس وجہ سے ہے یا کس نوع کا ہے؟

۲۔تقدس اور احترام کی اس خصوصیت یا خاصیت کی نگہداشت کا تعزیراتی یا قانونی تقاضا کیا ہے؟ کیا بندش لگائی جائے؟

۳۔اس بندش کو توڑنے سے کیا خطرہ لاحق ہوتا ہے

'ٹیبوئی ضابطے کے نفاذ سے مقصود یہ تھا کہ

۹۔ پروہت قبائلی سردار اور خاص خاص آدمیوں کو لوگوں کے ضرر سے بچایا جائے اور ان کے احترام کی نگہداشت کی جائے۔

ب۔ ناتواں مخلوق۔ عورتوں، بچوں اور عوام کی حفاظت کی جائے انہیں زور آوروں کی دست درازی سے بچایا جائے۔

ج۔ لاشوں اور بعض غذاؤں کو قانونی تحفظ دیا جائے۔

د۔ پیدائش، شریک قبیلہ کرنے کی رسم، شادی بیاہ اور جنسی تعلقات کو مداخلت بیجا سے بچایا جائے۔

ہ۔ بد روحوں اور خداؤں کا غضب ٹالا جائے اور انسانوں کی جانیں محفوظ کی جائیں۔

و۔ ٹیبو کرکے آدمی کے اموال و املاک ــــ کھیتوں، اوزاروں اور ہتھیاروں کو چوروں سے بچایا جائے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ٹیبوی ضابطے کی اختراع معاشرتی ضرورت کے باعث تھی، ٹیبو کے ذریعے آدمی، جانور اور پیڑ پودے کو مقدس اور خوفناک قرار دے کر لوگوں کو خوفزدہ کیا گیا اور قانون شکنی کی حوصلہ شکنی کی گئی۔ ان کی مخفی طاقت کو چھیڑنا تباہ کن انتقام کو دعوت دینا تھا۔ یہ انتقام خودکار ہوتا اس لئے بچاؤ کی صورت ممکن نہ تھی۔

چونکہ ٹیبوی نظام پروہتوں نے وضع کیا اس لئے بنیادی طور پر اونچے طبقے کے مفاد کی خاطر تھا۔ انہوں نے سب سے پہلے اپنی ذات کو ٹیبو کیا اور اس کے بعد قبائلی ضروریات کا پاس کیا پہلے اس کی شکل رواج کی تھی۔ پھر یہ روایت بنی اور روایت پختہ ہوئی تو اس نے قانون کی شکل اختیار کی۔ اس طرح شجرِ ممنوعہ ــــ انسان، حیوان، پیڑ، اشیاء کو چھونا یا غیر قانونی طور پر استعمال کرنا موقوف ہو گیا۔

بقول فرائیڈ تہذیبی ارتقاء اور دیومالا کا یہ رویّہ ہے کہ ارتقاء کی ایک منزل کے بعد جب اگلی منزل آتی ہے تو پہلی منزل کی باتیں مٹ نہیں جاتیں بلکہ کمتر درجے پر اس میں شامل رہتی ہیں۔ یہی صورت ٹوٹم اور ٹیبو کے باب میں ہوئی۔ دین ساحری میں تبدیلیاں آتی رہیں، رویئے بدلتے

رہے لیکن پرانا ورثہ بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود رہا۔

ٹیبوئی ضابطے کو قبیلوں نے اس لئے قبول کیا کہ لوگ طرح طرح کے اوہام میں مبتلا تھے۔ ان کے تحت الشعور میں ڈر خوف جاگزیں رہتا تھا۔ ڈرے سہمے رہتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ٹیبو توڑنے سے وہ خود ٹیبو ہو جائیں گے۔ نہ کوئی انہیں چھوئے گا، نہ قریب پھٹکے گا۔ اور وہ اچھوت ہو جائیں گے مر جائیں گے یہ موت انہیں اپنے ہی مخفی ڈر خوف سے ملتی۔

ایک قدیم قبیلے کا سردار کبھی پھونک مار کر آگ نہ جلاتا کیونکہ اس طرح اس کا مقدس سانس آگ میں چلا جاتا اور اسے مقدس کر دیتا۔ یہ تاثیر آگ پر دھرے ہوئے برتن میں اور اس سے گوشت میں داخل ہو جاتی جسے پکانا مقصود ہوتا۔ پھر اگر کوئی شخص اس مقدس گوشت کو کھا لیتا تو مر جاتا۔ ایسا سچ مچ ہو جاتا۔ پرانے وقتوں کے لوگ اپنے اوہام اور اندرونی خوف سے کسی بہانے مارے جا سکتے تھے۔

یہ صرف ایک مثال ہے۔ بشریات والوں کی کتب میں ایسی ہزاروں مثالیں ملیں گی جن میں ایسے مفروضوں کا سراغ ملے گا جنہیں مراعات یافتہ لوگوں کیلئے قائم کیا گیا اور ان کے مفاد کی نگہداشت کی گئی۔

آدمی کی فطرت ہے کہ اسے جس چیز سے منع کیا جائے وہی کرتا ہے یا کرنے کا آرزومند رہتا ہے۔ ٹیبو توڑنا آدمی کی فطرت ہے لیکن یہاں فرائیڈ نے بڑی خوبصورت بات کی ہے۔۔ آدمی کا اندرونی خوف اس کی آرزو سے قوی تر ہوتا ہے۔ خوف ہی کے مارے وہ اپنی خواہش کا مطالبہ رد کر دیتا ہے۔ ٹیبوئی ضابطے کی بقا اسی خوف کی بدولت ہے جب پورا قبیلہ پروہت (ساحر سردار) کی اجازت سے اس کی قیادت میں اسی ٹیبو کو مذہبی تقریب کی شکل میں توڑتا ہے تو اسے کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچتا۔

قدیم ترین ٹوٹمی قوانین دو ہیں۔۔۔ ٹوٹمی جانور کو مارنے اور ٹوٹمی قبیلے کی عورتوں سے جنسی تعلق قائم کرنے کی ممانعت۔

معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کی قدیم ترین شدید آرزوئیں انہی دو قوانین کے خلاف تھیں۔ ان

آرزوؤں اور جذبوں کی تہذیب ضروری تھی۔ ایسا نہ کیا جاتا تو انسانی معاشرہ بدترین اخلاقی بحران اور انتشار کا شکار ہو جاتا۔ اسی لیے ان جذبوں کو سختی سے دبایا اور تحت الشعور میں دھکیل دیا گیا۔

ہم نے قبائلی سردار اور بادشاہ کا ذکر کیا ہے کہ یہ بے پناہ سحری قوت (مانا) کا حامل ہوتا اسے چھونا منع تھا۔ جو اسے چھوتا وہ مر جاتا۔ ایسے میں اس کا منہ زور بیٹا جب بڑا ہوتا اور اس میں بوڑھے باپ کی املاک و اموال پر دسترس حاصل کرنے کا شدید جذبہ پیدا ہوتا تو وہ اسے مار ڈالتا اور خود ٹیبو ہو جاتا۔ باپ کی تمام عورتیں اس کے قبضے میں آجاتیں۔ ایک دن اس کا بیٹا اسے مار ڈالتا اور بقول فریزر عہد قدیم میں کوئی قبائلی سردار اپنی موت نہ مرتا بیٹے کے ہاتھوں مارا جاتا۔

قبائلی سردار، پروہت، سردار کے مقربوں، عورتوں، بچوں اور عام آدمیوں میں ایک جیسی ایک مقدار میں سحری قوت (مانا) نہ ہوتی۔ اسی لیے ٹیبو بھی یکساں طور پر زبردست نہ ہوتا۔ بریفالٹ، مادری نظام میں عورت کا ٹیبو مرد سے زیادہ قوی اور شدید ہوتا۔ پدری نظام میں معاملہ الٹ گیا۔ اسی طرح ٹیبو شکنی کی سزا بھی کم و بیش ہوتی قتل اور زنا بالمحرمات کی سزا سب سے کڑی تھی بلکہ جیکوستا نے اپنے بیٹے سے بیاہ کر کے پھانسی لے لی اور بیٹے (ایڈی پس) کو اپنے جرم کی خبر ہوئی تو اس نے آنکھیں پھوڑ لیں مطلق العنان ہوتے اور بے پناہ طاقت رکھتے ہوئے بھی انہیں اپنے ہاتھوں سزا بھگتنی پڑی۔ کیونکہ ٹیبوئی ضابطہ، معاشرتی دباؤ اور پروہت کا اثر و رسوخ ملکہ اور مطلق العنان بادشاہ کی طاقت سے بھی کہیں زیادہ طاقتور تھا۔

(شاہ انگلستان ہنری ہشتم کو شادی بیاہ کے قوانین توڑنے سے پہلے پاپائے اعظم کو بے وست و پا کرنا پڑا۔ جو دینی قوانین کا محافظ اعلیٰ تھا)

پرانے وقتوں میں دینی خدمات، معاشی خطرات اور توہمات شدید صورت اختیار کر گئے تھے ٹیبو کا ٹیبو شکن میں منتقل ہوتا اسے غیر محفوظ کر دیتا تھا۔ یہ چھوت کا مرض تھا جس کے تصور ہی سے آدمی کی جان نکل جاتی۔ قبائلی سردار کو چھونے والا ٹیبو تو ہو جاتا لیکن اس میں بادشاہ کی مخفی سحری قوت (مانا) منتقل نہ ہوتی۔ جس کی بنا پر طاقت (مانا) کے بغیر اس کا ٹیبو ہونا اس کے لیے مہلک

ثابت ہوتا۔

ٹیبو دہ بندش تھی جو پروہت اور قبائلی سردار کے اختیار سے لوگوں پر لاگو کی جاتی اور براہ راست زبردست انسانی خواہشوں کو تختۂ مشق بناتی اُن خواہشوں کو کچل کر رکھ دیتی۔

ٹیبو کا سب سے عجیب اطلاق اس وقت ہوتا جب کوئی قبیلہ اپنے دشمن کو تہس نہس کر کے آتا اور خوشیاں مناتا۔ دشمن کی لاشیں وہیں چھوڑ آتا لیکن سر کاٹ لاتا کیونکہ سحری نظام میں کٹے ہوئے سر تعویز (CHARM) کا کام دیتے۔ دشمن کی کھوپڑیاں زبردست سحری قوت مانا کی حامل ہوتیں اور اگر ان کی بے حرمتی کی جاتی، ضابطۂ ممنوعات و محرمات (ٹیبو) کو نظر انداز کیا جاتا اور بے احتیاطی سے کام لیا جاتا تو فاتح قبیلہ تباہی کی نذر ہو جاتا۔

جزیرہ تیمور کے لوگ جب قبائلی جنگ میں دشمن کو شکست دے کر آتے اور مقتولین کے سر کاٹ کر لاتے تو فاتحین کے سردار پر کئی پابندیاں عائد کی جاتیں جن سے انحراف ناممکن تھا۔ مُردوں کی روح کو خوش کرنے اور ان کے غضب سے بچنے کے لئے قربانیاں دی جاتیں۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ قربانی نہ دی گئی تو مارے گئے دشمن کی روحیں انتقام لیں گی اور قبیلے پر کوئی آفت نازل ہوگی۔ قربانی کی اس ریت میں سحری رقص بھی شامل ہوتا۔ سحر پرستوں کے یہاں رقص، موسیقی اور شاعری کے عناصر ترکیبی ہی سے عبادت کی تشکیل ہوتی۔ عبادت جسے سحریات والے ریت (RITUAL) کہتے "قربانی"، رقص، موسیقی اور شاعری ہی کا مجموعہ ہوتی۔ قربانی قدیم ترین ریت ہے۔ قربانی کے ساتھ شعری و غنائی رقص کر کے اس میں سر کٹانے والوں کا ماتم کرتے اور ان سے معافی مانگتے اس ریت اور رقص کی قیادت سردار قبیلہ کرتا۔ یہ لوگ کہتے

"خفا مت ہو، یہ رہا تمہارا سر ہمارے پاس، ہم کم نصیب ہوتے تو ہمارے سر تمہاری بستی میں سرِعام رکھے جاتے۔ ہم نے تمہاری خفگی دور کرنے کے لئے قربانی دی ہے۔ اب تمہاری روح چین پکڑ سکتی اور ہمیں چین سے رہنے دے سکتی ہے۔ تم کیوں ہمارے دشمن ہوئے؟ کیا یہ بہتر نہ تھا کہ ہم دوست بنے رہتے؟ تمہارا خون بہایا نہ جاتا اور

تمہارا سر کاٹا نہ جاتا"

یہ منتر بھی سحری تاثیر رکھتے اور بوقت رقص ادا کئے جاتے تو اثر انگیز ثابت ہوتے۔

فاتحانہ مہم کے بعد دشمن کی غضب ناک روح کو قابو میں لانے اور اس کی تسکین کے لئے قربانی بے حد ضروری تھی۔ مشرقی افریقہ کے بعض قبائلی تو قربانی دیئے بغیر گھر میں قدم نہ رکھتے اس ترکیب سے دشمن روحوں کو خوش کر کے (قربانی کے ذریعے ان کی شان بڑھا کر) انہیں دوست، قبیلے کا نگہبان اور مہربان بنا لیا جاتا۔

سراوک کے لوگ جب دشمنوں کی کھوپڑیاں لے کر فاتحانہ گھر آتے تو کئی کئی مہینوں تک ان کا ادب کرتے اور انہیں بڑے پیارے پیارے ناموں سے مخاطب کرتے۔ ہلاکت کے بعد دشمن سے یہ پیار درحقیقت اپنی عافیت کے لئے اور روح کے غضب سے بچنے کے لئے ہوتا۔ یہ لوگ کھوپڑی کے منہ میں نوالے تک ٹھونستے۔ کھوپڑیوں سے بار بار التجا کی جاتی کہ اپنے پرانے ساتھیوں کو بھول جائیں اور نئے میزبانوں سے پیار کریں۔ کیونکہ اب یہ انہی میں شامل ہو گئے ہیں۔

جزیرہ تیمور میں جنگی مہم کا فاتح سردار ریت کے فوراً بعد گھر نہ جاتا۔ یہ ٹیبو تھا۔ اس کے لئے خاص جھونپڑا بنایا جاتا جہاں وہ دو ماہ تک رہتا۔ یہاں اس کی جسمانی اور روحانی تطہیر کی جاتی۔ نہ تو بیوی کے پاس جاتا اور نہ اپنے ہاتھ سے کھانا کھاتا۔ بعض جگہ لوہے کو چھونا ممنوع تھا کیونکہ لوہے (تیر، بھالے) کے لئے دشمن کو مارا اور اس کا سر کاٹا جاتا۔ گوشت ممنوع تھا۔ خاص برتنوں میں سبزیاں تیار کر کے دی جاتیں۔ گوشت کی ممانعت اس لئے تھی کہ اس نے گوشت پوست کے انسانوں کو مارا تھا اس طرح فاتح کو مقتول کے لہو کی بو سے محفوظ رکھا جاتا۔ ورنہ وہ بیمار ہو جاتا اور مر جاتا۔

مقتول دشمن کا ماتم اسی اہتمام سے کیا جاتا جیسے کسی اپنے عزیز کا کیا جاتا۔

یہ سب کچھ اس لئے کیا جاتا کہ وحشی قبائل مقتولوں کی روحوں سے بہت ڈرتے۔ انہیں وہم تھا کہ یہ مردے سے کہیں زیادہ قوی اور ہلاکت آفرین ہوتی ہیں۔ مرنے والا تو مر گیا اور دشمن کا بال بیکا نہ کر سکا، لیکن اس کی روح اسے تباہ کر سکتی ہے۔ شیکسپیئر کے ڈراموں میں مقتولوں کی روحوں کی غضبناکی

اسی وہم کی غمازی کرتی ہے ۔

دورِ ساحری میں یہ خیال بہت عام تھا کہ مقتول کی روح اپنے قاتل کا پیچھا کرتی ہے چنانچہ اسے بھگانے کے لئے منتر پڑھے جاتے، رقص کئے جاتے، قربانیاں دی جاتیں اور ٹیبوئی ضابطے کی پابندیاں عائد کی جاتیں ۔

ایک بات یاد رہے کہ "خدا کی طرف سے کسی نوع کے قوانین نازل ہونے سے بہت پہلے وحشی قبائل کے پاس اپنا ہی تیار کیا ہوا یہ فرمان تھا" تو کسی کو قتل نہیں کرے گا اور اگر تو نے قتل کیا تو سزا سے نہ بچے گا"۔

قتل کا احساس جرم اسے تائب ہونے اور دشمن کی روح کو منانے پر مجبور کرتا اور وہ اپنی عقل کے مطابق ریت (عبادت) کے ذریعے اپنے بچاؤ کی تدبیر کرتا ۔

فرعون کی لاش

قدیم مصر کے دینی فلسفے اور آداب و رسوم کے بارے میں جو معلومات میسر آئی ہیں اہرام ان کا سب سے اہم ماخذ ہیں جہاں سے ہزاروں سال پرانی تہذیب بر آمد ہوئی ہے۔ یہ تہذیب فراعنہ کی حنوط شدہ لاشوں، تعویذوں، سحری نقوش، ساز و سامان اور "متونِ اہرامیہ" کی صورت میں ملی ہے۔ متونِ اہرامیہ میں "کتابِ رفتگان" سب سے بڑھ کر وقیع ہے۔ اسی میں مردوں کی حیاتِ ابدی کے نسخے درج ہیں۔ پروہتوں کے نزدیک اس کے منتر سحری تاثیر رکھتے، سفرِ آخرت کو سہل بنانے اور مرنے والے کو بقائے دوام کی ضمانت دیتے۔ منتروں کا ورد کیا جاتا۔ قدیم مصری زبان میں کتابِ رفتگاں کو "ریورع نورع برطام حرورع" کہتے تھے۔

ملوکیت نے قدیم مصری فلسفے اور پروہتوں رسموں کو جنم دیا۔ فرعون کے لئے اس کی منشا اور مطلب کے مطابق مذہب کے تانے بانے بنے گئے اور نہایت مضبوط پروہتی نظام قائم کیا گیا۔ مذہب اور پروہت کی اصل ضرورت کا آغاز فرعون کی موت سے ہوتا۔ ادھر فرعون مرتا ادھر کتابِ رفتگان اور دوسری کتابوں کے منتروں کا عمل شروع ہوتا۔ پروہتوں کی کھیپ مُردے کی سلامتی، لازوال زندگی اور آخرت کی آزمائشوں میں کامیابی بخشنے کی سعی کرتی۔ فرعون کی حیاتِ اُخروی اہم ترین تھی آج حیات و سینوی سے پانچ ہزار سال پرانے اہرام اور حنوط شدہ اجسام اس کا ثبوت ہیں۔ اگر ہم یہ کہیں کہ قدیم مصری مذہب ساحریت اور مسلکِ ساحری زندوں سے کہیں زیادہ مُردوں کا مذہب تھا تو یہ غلط نہیں۔

حیات بعد از ممات کے تصور نے فنِ تعمیر اور علم الکیمیا کو بے مثال عروج بخشا۔ بت پرستوں کی کوئی

فرعون عمُون تخت کے مقبرے میں گیدڑ دیوتا عنوُبس خاندان رع موسیٰ
کے فرعون کی حنوط شدہ لاش کی تکمیلی رسم ادا کر رہا ہے۔

تہذیب اس باب میں ارضِ فراعنہ کی تہذیب کا مقابلہ نہیں کرتی۔ کہیں ایسے معمار اور کیمیادان پیدا نہ ہوتے۔ ایسے دیرپا مقبرے اور ایسی دیرپا لاشیں اتنی بڑی تعداد میں نیل دیس کے سوا کہیں سے دستیاب نہیں ہوئیں۔

قدیم مصر میں جسم کی سلامتی اور مرنے کے بعد اس کے تحفّظ کی مثال دیو مالا میں موجود ہے۔ رُبّ الارض (اور رُت دیو) اوساؤ ریس اس دنیا میں جسمانی زندگی بھی بسر کر چکا تھا۔ اس نے مرّوجہ ضابطۂ اخلاق کے بموجب اپنی بہن آئی سس سے بیاہ کیا۔ لوگوں کو زراعت اور عبادت کے طریقے سکھائے۔ انہیں دین اور اخلاق کا ضابطہ دیا اور آدم خوری سے نجات دلائی۔ اس کا عہدِ حکومت بے مثال تھا اور یہی خصوصیت اس کی ہلاکت کا سبب بنی۔ اس کا بھائی ٹیبط اس سے جلنے لگا۔ اس نے ساتھیوں سے مل کر اوساؤ ریس کو موت کے گھاٹ اتارا اور لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کیے۔ غمزدہ آئی سس نے منتشر ٹکڑے جمع کر کے سحر یاتی عمل کیا۔ منتر پڑھے۔ ٹکڑے جُڑ گئے۔ اوساؤ ریس پھر جی اٹھا اور لافانی ہو گیا۔ اب یہ پاتال میں چلا گیا۔ وہاں جا کر مُردوں کا بادشاہ اور یومِ حشر کا قاضی بن گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی بہنوں (آئی سس اور نیف تھیس) نے اس کی مُمی تیار کروائی۔

یہ محفوظ شدہ لاش کی سب سے پرانی مثال ہے۔ اس کی تاریخ متعیّن نہیں کی جا سکتی بہرحال لاش کی حفاظت کا مسئلہ بڑا اہم تھا۔ فراعنہ کی آمد (۳۲۰۰ ق م) سے پہلے جب مصر الگ الگ (زیریں یا شمالی اور بالائی یا جنوبی) مملکتوں میں بٹا ہوا تھا لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ "انہوں نے دھرتی پر جو جسم دھرے ہیں مُردے انہی سے ملتے جلتے جسموں میں دوبارہ جی اٹھیں گے"۔ وہ مُردے کے جسمانی احیاء کے قائل تھے۔ چنانچہ قبروں اور مقبروں میں کھانے پینے اور روزمرہ کے استعمال کی جو چیزیں رکھتے وہ اگلی دنیا میں کام آنے کے لئے ہوتیں۔ بعد کے زمانوں میں اس عقیدے میں جزوا" ترمیم و اصلاح کی گئی۔ تعلیم یافتہ لوگوں کے خیال میں جسم تو یہیں رہتا البتہ مُردے کی غیر فانی ذات آسمان پر چلی جاتی اور وہیں رہتی۔

یہ تو پہلے لوگوں کی بات تھی کہ وہ سفرِ آخرت کامیابی سے طے کر لیتے جس کی بدولت انہیں

رُبُّ الشمس کا قُرب حاصل ہوتا اور وہ مرکر اَبَدی زندگی پاتے ورنہ بُرے لوگ تو سفرِ آخرت کی پہلی منزل ہی پر ختم ہو جاتے۔ اوسائی رَس دیوتا کے ضابطۂ عدل کے مطابق مردے کا دل یا ضمیر تولا جاتا اگر ترازو کے پلڑے برابر ہوتے تو مردے کو رَبُّ الشمس کے پاس جانے دیتے اور اگر دل بوجھل نکلتا تو مگرمچھ کے منہ والا خونخوار درندہ اسے وہیں ہڑپ کر جاتا اور پھر مردے کا کام تمام اور وہ حیاتِ اُخروی سے محروم ہو جاتا۔

بہرحال عقائد کے ردّ و بدل میں یہ حقیقت اپنی جگہ قائم رہی کہ فرعون کبھی جسم کے تحفظ سے غافل نہیں ہوا۔ وہ جیتے جی معمولی سے ایوان میں رہتا لیکن اپنے مَدفن کی تعمیر پر حتیٰ الامکان اپنی زندگی ہی میں تمام مادی وسائل صرف کر دیتا۔ غلاموں کا لشکر مصروفِ تعمیر رہتا۔ ذہین ترین انجنیئر نقشے تیار کرتے اور تعمیر کے دوران میں اس غضب کی نگرانی کرتے کہ پتھروں کی پیمائش تراش خراش اور تنصیب میں بال برابر فرق نہ آنے دیتے۔ اسی طرح حسبِ دستور بہ کمال احتیاط اس کی لاش کو کیمیائی اجزاء سے محفوظ کیا جاتا۔

اہرام اور حنوط شدہ لاشیں علم کا خزانہ ہیں۔ دنیا کے عجائب خانے اہرام کے نوادر سے مالا مال ہیں۔ بشریات والوں نے دنیا کی مختلف زبانوں (خصوصاً جرمنی، فرانسیسی اور انگریزی) میں سینکڑوں کتابیں لکھی ہیں۔ تالیف و تصنیف اور تحقیق و تفتیش کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

لندن یونیورسٹی کے پروفیسر والٹر ایمری جن کی تالیف "قدیم ترمصر" ۳۲۰۰ سے ۲۷۸۰ ق م تک معاشرے اور دینی رُسوم پر روشنی ڈالتی ہے مصر کے تپتے ہوئے ریگزاروں میں حنوط شدہ اجسام تلاش کر رہے ہیں۔ انہیں دنیا کے اولین معمار اور طبیب عموتن حوطیب کا مقبرہ اور اس کی حنوط شدہ لاش مطلوب ہے۔ تین سال قبل انہیں ایسا دفینہ ملا تھا جس میں لاکھوں حنوط شدہ اجسام تھے یہ اجسام فرعون شیع مُوفس کے ہرم کے قریب میل بھر لمبی سرنگ میں سے برآمد ہوئے علم البشر (اینتھروپولوجی) کے فروغ اور اس کے دائرہ کار کی توسیع میں بالعموم قدیم مصری تہذیب و ثقافت اور بالخصوص اہرام اور فراعنہ کی حنوط شدہ لاشوں کا بڑا دخل ہے۔ انیسویں صدی

سے اس پر مسلسل کام ہو رہا ہے اور اب تو بیسویں صدی کی جدید ترین سائنسی اختراعات اور معلومات کے ذریعے بھی گتھیاں سلجھائی جا رہی ہیں۔ عملِ حنوط کی تفصیلات معلوم کرنے کے لیے لاشعاعی عکاسی (ریڈیوگرافی) سے کام لیا جا رہا ہے۔ آدمی کی اصل، اس کی تہذیب و ثقافت اور قبلِ تاریخ کے حالات جاننے کے لیے عصرِ حاضرہ کے علوم و فنون مفید ثابت ہوتے ہیں۔

ایک مدت تک علمائے بشریات سمجھتے رہے کہ دنیا کی قدیم ترین تہذیب و ثقافت کے سلسلے میں مقبرے، خانقاہیں اور معبد معلومات کا سب سے پرانا اور سب سے معتبر ذریعہ ہیں۔ مُردے آپ اپنی شہادت دیتے ہیں۔ ان کے ڈھانچے، ان کی حنوط شدہ لاشیں اور قبریں ایسے شواہد فراہم کرتی ہیں جن کی مدد سے پرانی تاریخ کی کڑیاں مرتب کی جاتی ہیں۔

اہرام میں فرعون کے لیے اس کی ممی کے ساتھ وہ تمام اشیاء دفنائی جاتیں جنہیں وہ زندگی بھر استعمال کرتا۔ کھانے پینے کی اشیاء بکثرت رکھی جاتیں۔ خدام کو قربان کر کے فرعون کے ساتھ دفنایا جاتا۔ سونے کے انبار لگائے جاتے۔ ان انمول دفینوں کا تعلق دینی عقائد سے تھا۔ تابوت میں ممی کے پاس "کتابِ رفتگان" کا نسخہ رکھا جاتا۔ فرعون کے بدن پر جگہ جگہ تعویذ باندھے جاتے اور نقش رکھے جاتے جو اپنی سحری تاثیر کی بدولت فرعون کو ابدی زندگی بخشنے میں معاون ثابت ہوتے۔ نقوش میں ربّ الارض اوسائرس کی ممی نیز اس کی بہن (اور بیوی) آئی سس اور دوسرے دیوی دیوتاؤں کی شبیہہ ہوتی۔ ناگ دیوی اور شاہین کے نقش بھی تیار کیے جاتے۔ دینِ ساحری میں ناگ اور شاہین خاص مقام رکھتے۔ شاہین فرعون کا روح بردار تھا اور ناگ زمین پرستوں کا دیوتا تھا۔

یہ تعویذ اور نقش اپنے لمس سے مُردے کے لیے موجبِ خیر و برکت ٹھہرتے۔

فراعنہ کی جو حنوط شدہ لاشیں ملی ہیں ان میں فرعون طوطخ عمون نے بڑی شہرت پائی ہے ۱۹۲۲ء میں آثارِ قدیمہ کے برطانوی ماہر ہاورڈ کارٹر نے اس کمسن فرعون کا مقبرہ دریافت کیا اور اس کا تابوت کھولا۔

۱۹۲۷ء میں کارٹر کی کتاب "طوطنخ عمون کا مقبرہ" لندن سے شائع ہوئی۔

طوطنخ عمون دنیا کے سب سے پہلے توحید پرست فرعون اخن عطون کا داماد تھا۔ عنخس نیفا عطون (رب واحد عطون کی بدولت زندہ رہنے والی) کے شوہر کا پہلا نام طوطنخ عطون (رب واحد عطون کی زندہ شبیہ) تھا۔ خسر کی وفات کے بعد رب عطون کا زور ٹوٹ گیا چنانچہ اسے عطون کا شہر بھی چھوڑنا پڑا اور وہ رب عمون کے شہر "تھی بیز" میں منتقل ہو گیا۔ اور اسی کو اس نے پایۂ تخت بنایا۔ پھر متروکہ بستی میں ایک بھی آدمی نہ رہا۔ رب واحد عطون کے پوجنے والے ایک ایک کر کے وہاں سے اٹھ گئے۔ شہر کے گلی کوچے ویران ہو گئے۔ پرانا پروہتی نظام از سر نو جی اٹھا اور شہر عطون قہر آفرین انتقام کی نذر ہوا۔ ایک ایک گھر منہدم کیا گیا ایک ایک معبد کھنڈر کیا گیا۔ عطون اور اس کا ہر نقش مٹا دیا گیا۔ عمون کے پروہت پھر پہلے کی طرح طاقتور ہو گئے اور انہوں نے طوطنخ عطون کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ اسے اپنا نام تک بدلنا پڑا۔ اس نے نیا نام طوطنخ عمون (رب عمون کی زندہ شبیہ) رکھا۔ پرانے شہر میں اس نے اپنی زندگی ہی میں مدفن تیار کروالیا تھا۔ لیکن اسے بھی چھوڑ دیا اور "تھی بیز" میں نیا مدفن بنوایا۔ یہ مدفن وادیٔ فراعنہ (شاہی قبرستان) میں تھا۔

پچھلے سال جب طوطنخ عمون کا ہرم دوبارہ کھولا گیا تو لوگ یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ حنوط شدہ لاش کا سر کٹا ہوا تھا۔ اسے ۰۰ ہ اق م میں دفن کیا گیا تھا۔ بے احتیاطی کا یہ عالم تھا کہ ممی لکڑی کے ایسے صندوق میں پڑی تھی جس میں شکر رکھی جاتی تھی۔

لورپول یونیورسٹی کے معلم عضویات ڈاکٹر جارج ہیری ئن کی قیادت میں ایک جماعت وادیٔ فراعنہ میں آئی اور اس نے دوبارہ مقبرہ کھولا تاکہ طوطنخ عمون کی حنوط شدہ لاش کی لاشعاعی تصویر لی جائے۔ اور اس کی ہلاکت کا سبب دریافت کیا جائے۔ بریسٹیڈ (مؤلف تاریخ مصر) بتاتا ہے کہ یہ فرعون چھ سال تک حکومت کرنے کے بعد اچانک غائب ہو گیا۔

حنوط شدہ لاشوں پر لاشعاعی عمل بکثرت ہو رہا ہے اور اس سلسلے میں نت نئے حقائق سامنے آ رہے ہیں۔ عام آدمی کچھ نہیں جانتا۔ اس کے لیے عجائب خانے میں رکھی ہوئی ممیاں

دیکھنے اور جی خوش کرنے کی شے ہیں اور بس لیکن سائنسدانوں کے لیے یہ علم و فن کا خزانہ ہیں۔ وہ لاشعاعی عمل اور دوسرے ذرائع سے ان کا مطالعہ اور مشاہدہ کر کے معدوم نسل انسانی کی جسمانی ہیئت معلوم کرتے ہیں۔ ان کا مدفن پرانی تہذیب کی گراں قدر کتاب ہے۔

حنوط شدہ لاش اور ڈھانچے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ حنوط شدہ لاش کی نسیجی بافتیں (ٹشو) بڑی اہمیت رکھتی ہیں ان سے ایسی معلومات حاصل ہوتی ہیں جو ڈھانچوں یا تہذیبی سرمائے سے دستیاب نہیں ہوتیں۔ علمائے بشریات نے ان پر تجربہ کر کے پرانے وقتوں کی بیماریوں کا کھوج لگایا ہے۔ یوں زندگی کے مطالعے نے تاریخی شکل اختیار کر لی ہے۔ پھر حنوط شدہ لاشیں کیمیادانوں کے لیے بھی علم و فن کا انمول ذخیرہ ہیں۔ حناطی کا فن مصر سے مخصوص تھا اور اس میں وہاں کے کیمیادانوں نے بے مثال کمال پیدا کیا۔ حناط محض کیمیادان نہ ہوتا بلکہ اس کا فن مذہبی عقائد کے تابع تھا مردے سے ریتوں رسموں کا طویل اور پیچیدہ سلسلہ وابستہ تھا اور اسے دائماً محفوظ کرنے کی غرض سے جن ادویہ اور کیمیائی اجزاء سے کام لیا جاتا وہ عقیدے کی رو سے "مانا" وسحری تاثیر رکھتے "مانا" ایسی قوت تھی جو ہر ذی روح اور ہر غیر ذی روح میں پائی جاتی (ناگ کی "مانا" مہلک تھی جسے ڈستا وہ ہلاک ہو جاتا۔ اسی طرح فرعون خوفناک "مانا" کا حامل ہوتا۔ اجنبی اس کے حضور میں جاتا تو اس کی آنکھوں سے آنکھیں نہ ملاتا اس کے قریب جاتا نہ اسے ہاتھ لگاتا کہ اس کے قرب اور لمس میں ہلاکت تھی اسی طرح جڑی بوٹیوں اور دوائی اثر رکھنے والے پتھروں میں "مانا" ہوتی۔ یہی "مانا" بیماری دور کرتی)

وقتی ضرورت کے تحت تجہیز و تدفین سے تعلق رکھنے والوں نے علیحدہ بستی بسالی۔ گورکنوں کی اس بستی میں حناط، تابوت ساز، سنگتراش، بڑھئی، پروہت اور وہ سب لوگ رہتے مُردہ جن کی خدمات کا محتاج ہوتا۔ حناطوں کے اڈے عارضی ہوتے۔ جب لاش آتی تو ممی تیار کرنے کے لیے اڈا بن جاتا۔ کام کی تکمیل کے بعد اڈا توڑ دیا جاتا۔

حناطوں کے یہاں نطرون (خام شورہ) کے حوضوں سے بُو آتی رہتی۔ ان میں مقررہ ایام
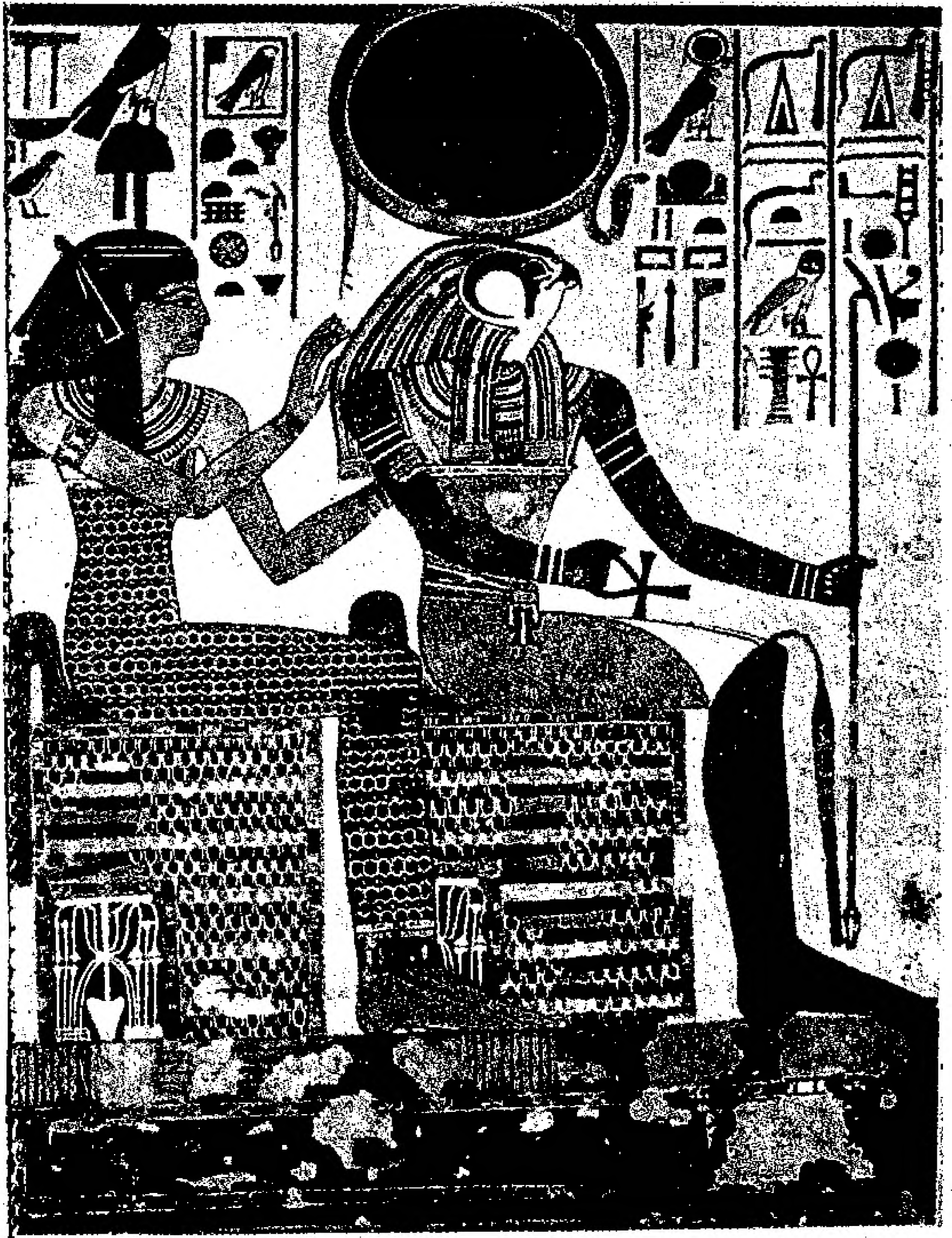
ملکہ نیفرتاری کے مقبرے کی ایک تصویر۔
دیوتا رع حرخطی اور عموَن طیط دیوی بصد جاہ و جلال بیٹھے ہیں۔

تک لاش رکھتے۔ ممی تیار کرنے کے تین طریقے تھے۔ پہلے طریقے میں نفاست تھی اور اس سے صحیح معنی میں ممی تیار ہوتی۔ یہ طریقہ گراں تھا اور فرعون، ملکہ، شہزادوں، شہزادیوں اور اہل دربار کے لئے مخصوص تھا۔ باقی طریقے نسبتاً ارزاں تھے۔ لوگ حسب حیثیت ان میں سے کوئی طریقہ منتخب کر لیتے۔

کامل عمل حنوط کے مطابق سب سے پہلے لوہے کے آنکڑے (ہک) سے نتھنوں میں سے دماغ نکالتے۔ اس طرح کچھ حصہ خارج ہو جاتا۔ باقی دماغ ادویہ ڈال کر خارج کرتے۔ پھر پتھر سے پہلو میں شگاف ڈالتے اور آنتیں نکال لیتے۔ شراب سے پیٹ صاف کرتے۔ خوشبو میں ڈال کر اسے اور اچھی طرح صاف کر لیتے۔ اس کے بعد خالص مُر، کی دبول کی چیڑا تیج پات کے سفوف اور دوسری خوشبودار چیزوں سے پیٹ بھر دیتے۔ ان میں لوبان شامل نہ ہوتا۔ اب شگاف سی کر بند کر دیتے۔ آخر میں لاش کو نطرون (خام شورے) کے حوض میں ڈال کر اوپر سے ڈھانپ دیتے۔ ستر دن تک لاش یہیں رہتی۔ اس سے زائد مدت تک حوض میں لاش کا رکھنا ممنوع تھا۔ مقررہ دنوں کے بعد لاش نکال کر صاف کی جاتی۔ بعد ازاں گوند سے تر کی ہوئی نفیس ململ کی پٹیاں اردگرد لپیٹی جاتیں۔ پٹیوں کا مجموعی طول کئی کئی سو گز تک پہنچتا۔ ایک ممی کی پٹیاں ساڑھے چار سو گز لمبی نکلیں۔ ایک اور ممی کی پٹیاں ۷، ۸ گز لمبی نکلیں۔ اب ممی تیار ہوتی اور وُرثا آکر اسے لے جاتے۔ اس کے قد و قامت اور شکل و صورت سے ملتے ہوئے کاٹھ کے صندوق میں رکھ دیتے آنتیں الگ مرتبان میں رکھ لی جاتیں اور ممی کے ہمراہ دفنائی جاتیں۔ اس سے کم گراں طریقہ یہ تھا کہ پہلو میں شگاف کرتے نہ آنتیں باہر نکالتے۔ پچکاری کے ذریعے دیودار کا تیل اندر داخل کر کے شکم بھر دیتے۔ مقعد کا سوراخ بند کر دیتے تاکہ تیل باہر نہ نکلے۔ ستر دن تک لاش کو نطرون میں رکھتے۔ آخری دن دیودار کا تیل خارج کر دیا جاتا۔ تیل اتنا تیز ہوتا کہ آنتیں وغیرہ مائع کی شکل میں بہہ جاتیں۔ نطرون گوشت کو بھی زائل کر دیتا۔ صرف کھال اور ہڈیاں رہ جاتیں یوں ممی تیار کر کے وُرثا کو سونپ دی جاتی۔ حنوط کا آخری طریقہ سب سے سستا تھا۔

اس میں بدن اندر سے صاف کر کے لاش کو ستر دن تک نطرون میں بھگوئے رکھتے اور ورثاء کے حوالے کر دیتے۔

نامور یونانی سیاح ہیرو ڈوٹس نے پانچ سو سال قبل مسیح لاشیں محفوظ کرنے کے جو طریقے سپرد قلم کئے وہ ہزاروں سال سے رائج تھے۔ مرد و زن سبھی کی ممیاں تیار کی جاتیں۔ پروہت ممیوں میں تعویذ رکھتے۔ پٹیوں کے اندر ذاتی استعمال کے زیورات، جواہرات اور قیمتی پتھر رکھتے۔

فرعون کا جنازہ بڑے اہتمام سے مقبرے تک لے جاتے۔ سب سے آگے خدام سروں پر سنگ مرمر کے مرتبان اٹھائے چلتے۔ ان میں کھانے پینے کی چیزیں اور قیمتی مرہم ہوتے پیچھے پیچھے لوگ لکڑی کے لمبے لمبے صندوق لئے آتے۔ ان میں مرنے والے کے زیورات اور ملبوسات ہوتے عورت ہوتی تو عطر دان، خوشبو دان، زیبائش اور آرائش حسن کا سامان بھی ہمراہ ہوتا ان کے بعد چند آدمی بے پہیے کی گاڑی کھینچتے آتے جس میں چھتر والا مرتبان رکھا ہوتا۔ مرتبان میں مردے کی حنوط شدہ آنتیں ہوتیں۔ اس کے آگے آگے چھوٹا پروہت خاموشی سے شہد چھینٹا اور فرعون کے حق میں کلمات خیر ادا کرتا جاتا۔ باقی پروہت حنوط شدہ لاش کے ہمراہ رہتے لاش چھتر والی بے پہیہ گاڑی پر دھری ہوتی۔ یہ گاڑی دوسری بے پہیہ گاڑی پر جائی جاتی۔ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد پروہت بآواز بلند کہتے جاتے "امن و سلامتی سے رب عظیم کی جانب رواں"

ان کے پیچھے ورثاء اعزا اور احباب ہوتے۔ پیشہ ور عورتیں ہوتیں جو ماتم کرتیں، چھاتیاں پیٹتیں، بال نوچتیں اور روتیں۔

مذہبی تقدس سے قطع نظر فراعنہ کے مقبرے زر و جواہر سے معمور رہتے۔ چوروں کو کسی کی عاقبت سے سروکار نہ تھا۔ چوری ان کا پیشہ ٹھہرا۔ ایک مخطوطے سے پتہ چلتا ہے کہ چور مقبرے کے محافظوں سے مل جاتے اور چوری کرتے۔ چور اس قدر منہ زور ہو گئے کہ پروہت عاجز آ گئے وادی فراعنہ سے جو ممیاں ملی ہیں بیشتر کو چوروں نے نقصان پہنچایا ہے۔ یہ ظالم چاقوؤں سے چیر پھاڑ کر پٹیوں میں سے سونے چاندی کے زیورات اور جواہرات نکال لیتے جاتے جاتے توڑے

چھوڑے ہوئے تابوت جلا دیئے۔ ایک جگہ سے ایک بازو ملا ہے جو زر و جواہر سے لدا پھندا تھا۔ ظاہر ہے کہ چور جلدی میں ممی کا یہ بازو ہمراہ نہ لے جا سکے اور وہیں پھینک گئے۔

بیسویں خاندان (۱۲۰۰ سے ۱۰۰۰ ق م تک) کے فراعنہ (رع موسیٰ سوم سے رع موسیٰ دوازدہم تک) اور اکیسویں خاندان (۱۰۰۰ سے ۹۴۵ ق م تک) کے فراعنہ کے عہد میں چوری کی وارداتیں بہت عام ہو گئیں۔ چوروں کے ہاتھوں ان فراعنہ کے مقبرے بھی محفوظ رہے جن کی یاد ابھی پروہتوں کے ذہن میں محفوظ تھی۔ نہایت مضبوط و مستحکم پہاڑی مقبرے میں اس کی تدفین، تدفینی رسموں کی ادائی اور مردے کی عاقبت سنوارنے کی ذمہ داری پروہتوں پر عائد ہوتی اور یہ سب کچھ انہی کے زرخیز ذہن کی اختراع تھی۔ اپنے دین کو خطرے میں دیکھ کر انہوں نے فراعنہ کی لاشوں کو چوروں کی دستبرد سے بچانے کی تدبیریں کیں۔ چور بڑی بے دردی سے ممیوں کی بے حرمتی کرتے۔ شاہی قبرستان (نیکروپولس) کے پروہتوں کو از سر نو ممیوں کے لئے زر و جواہر اور قیمتی فرنیچر مہیا کرنا پڑتا اور بار بار پٹیاں باندھنی پڑتیں۔ ممیاں پھر بھی محفوظ نہ رہتیں۔ چوروں اور پروہتوں کی یہ دوڑ آخر ختم ہوئی۔ ممیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور دیانتدار محافظوں کی تعداد بہت کم، ایک بار اگر ممی مسخ کر دی جاتی تو فرعون کی ابدی زندگی کے امکانات یکسر معدوم ہو جاتے۔ بالآخر ایک رات انتہائی رازداری سے تمام حنوط شدہ لاشیں جمع کر کے وادیٔ فراعنہ میں لائی گئیں۔ نیز حنوط شدہ لاشیں جمع کر کے وادیٔ فراعنہ میں لائی گئیں۔ نیز حنوط شدہ لاشیں فرعون عُموں عُونس سوم کے مقبرے میں رکھی گئیں فراعنہ ان کی بیگمات، شہزادوں اور شہزادیوں کی ممیاں ایک چٹان کو اوپر سے پھاڑ کر بہت نیچے کر کے رکھ دی گئیں۔ سوراخ بند کر دیا گیا۔ ۱۸۷۱ء میں احمد الرسول (مصری) نے یہ راز معلوم کیا۔ ممیاں بھی مل گئیں۔

ان ممیوں میں فرعون منفتاح (مرنفتاح) اور بعض دوسرے فراعنہ (حیط تپ سوط، عموں عونس) کی ممیاں نہیں ملیں۔ منفتاح (۱۲۲۵ سے ۱۲۱۵ ق م تک) کے بارے میں مشہور ہے کہ ساحرِ اعظم سامری اسی کا نمائندہ تھا۔ اسی فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تصادم ہوا یہی فرعون

دریائے نیل میں ڈوب مرا۔ حال ہی میں فرعون منفتاح کی ممی "تھی بیز" سے ملی ہے۔

چوروں سے بچانے کے لئے ممیاں دو دو تین تین جگہ منتقل کی جاتیں۔ پروہت ہر ممی کے ساتھ اس کے نام کا پرزہ بھی رکھ دیتے اور ان مقبروں کا نام بھی لکھ دیتے۔ جہاں جہاں سے انہیں لایا جاتا۔ مثال کے لئے فرعون رع موسیٰ سوم کو لیجیئے۔ اسے تین جگہ دفنایا گیا۔

دو فرعونوں طوطنخ عمون اور عمون عوفس دوم کی ممیاں اپنے اصل تابوتوں سے ملیں اور جہاں سے ملیں وہیں رہنے دی گئیں۔

جب کبھی کسی ہرم سے کوئی ممی برآمد ہوتی تو آندھی کی طرح آناً فاناً دنیا بھر میں خبر پھیل گئی۔ عکاس، مصور اور نقاش جمع ہو جاتے اور ایک ایک چیز کی تصویر اتارتے، نقشے تیار کرتے، فہرستیں بناتے، اخبارات خبروں کا اجارہ لیتے۔ افتتاحی تقریب میں شرکت کرنے کے لئے دنیا بھر کے لوگ آتے۔

طوطنخ عمون کی ممی صحیح وسالم ملی اور اس کے ساتھ دفینے بھی برآمد ہوئے۔ طوطنخ عمون کی ممی اور دوسری ممیوں نے مختلف سائنسی شعبوں کے کارکنوں کو اپنی جانب متوجہ کر لیا ہے۔ کیمیا دان، عضویات دان، معاشرتی لشریات کے عالم اور لاشعاعی عمل کے ماہر، فراعنہ اور ان کے حنوط شدہ اجسام کی سائنسی اور تہذیبی حقیقت جاننے میں لگے ہیں۔ اب تک سینکڑوں حنوط شدہ اجسام مل چکے ہیں۔ اوّلین دور کے محققین کے راستے میں ایک رکاوٹ پڑ گئی جو بعد ازاں رفع ہو گئی۔ ہزاروں سال پرانے حنوط شدہ اجسام محفوظ وسلامت ضرور نظر آتے لیکن ان کی میعاد ختم ہو چکی تھی۔ پٹیاں کھولی جاتیں اور اعضاء چہرے پھاڑے جاتے تو یہ گلنے سڑنے لگتے۔ بعض ممیوں کی حالت اس حد تک نازک تھی کہ انہیں چھوا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ دراصل وہ مٹی ہو چکی تھیں۔ بھول کر ہاتھ لگایا اور وہ بکھر گئیں۔ مہین مہین سفوف اڑنے لگا۔

پٹیاں باندھتے وقت لاشوں میں ہار، انگوٹھیاں، کنگن، بازوبند اور زر وجواہر رکھے جاتے انگلیوں پر سنہری خول چڑھائے جاتے۔ سب سے نچلی تہوں میں زر وجواہر کے خولوں میں مڑھے ہوئے نقش اور تعویذ رکھے جاتے۔ طوطنخ عمون کی ممی میں سے ۱۴۳ قیمتی تعویذ نکلے۔ یہ تعویذ

ایک سو ایک مختلف جگہوں میں رکھے ہوئے تھے۔

ممی کی پٹیوں میں لپٹی ہوئی اشیاء نکالنے کے لیے بڑی دشواری پیش آتی۔ بیشتر صورتوں میں پٹیاں کھولنا ممکن نہ تھا۔ ان میں گوند اور چپکنے والے تیل ڈالے گئے تھے جو اب سیاہ پڑ گئے اور پتھرا کر رہ گئے تھے۔ انہیں صرف چھینی کی مدد سے چھیل چھیل کر ہی الگ کیا جا سکتا تھا لیکن یہ طریقہ خطرناک تھا۔ اس سے سب کچھ غارت ہو جاتا۔ علمائے بشریات سخت مشکل میں تھے۔ ممی ایسی تاریخی دریافت کے ضمن میں ان پر تحقیق کا دروازہ بند تھا۔ لاشعاعی مشاہدے سے ممکن تھا لیکن بیشتر محققین کے پاس لاشعاعی آلات نہیں تھے اور پھر عجائب گھروں کے ناظم حنوط شدہ لاشیں پل بھر کے لئے بھی عمارت سے باہر نہ لے جانے دیتے۔ کون ان انمول خزانوں کو کسی کے حوالے کر سکتا تھا؟ آخر کار چھوٹی چھوٹی گشتی لاشعاعی تجربہ گاہیں معرض وجود میں آ گئیں۔ ان کی مدد سے ممیوں کی چھان پھٹک ہونے لگی۔ ایک ممی کے بارے میں لاشعاعی مشاہدے کے بعد عجیب و غریب بات معلوم ہوئی۔ مدتوں سمجھا جاتا رہا کہ یہ ملکہ میفر یع کے بچے کی ممی ہے لیکن وہ بندر کی ممی نکلی۔ اسی طرح لاشعاعوں کی مدد سے ایک حنوط شدہ لاش کی پیشانی پر ناگ کا نشان پایا گیا۔ ایک ممی کے ہونٹوں پر ٹھوس سونے کا قرص رکھا ہوا پایا گیا۔ یہ قرص رب الشمس کی علامت تھا۔ ایک ممی کی کھوپڑی کے پچھلے حصے میں ٹھوس مواد پایا گیا۔ دراصل دماغ خارج کرنے کے بعد نتھنوں کے ذریعے جلتی جلتی رال اندر داخل کی گئی تھی جو بعد ازاں منجمد ہو کر رہ گئی۔

لاشعاعی تجربات سے جعلسازیاں بھی پکڑی گئی ہیں۔ جعلساز جانوروں کی ممیاں تیار کر کے اور پٹیوں میں لپیٹ کر بشریات والوں کے ہاتھوں بیچ دیتے۔ انہوں نے ایک ممی کو نقلی بازو لگا دیا۔ بشریات داں تابوت دیکھ کر اس کا زمانہ تو متعین کر لیتے، لیکن اس میں رکھی ہوئی ممی کے بارے میں بتا نہ سکتے کہ یہ اصلی ہے یا نقلی۔ ہو سکتا ہے کہ تابوت پر مرد کا نام لکھا ہو اور اس میں عورت کی حنوط شدہ لاش رکھی ہو۔ صرف لاشعاع ہی ایک ایسا نیا ذریعہ ہے جس سے نہ صرف صنف کا پتہ چل جاتا ہے بلکہ مردے کی عمر بھی معلوم ہو جاتی ہے۔

عہدِ عتیق میں ممی بنانے کا جو طریقہ مروّج تھا اسے جاننے کے لئے اب پٹیاں اتارنے اور چیر پھاڑ نے کی ضرورت نہیں۔ لاشعاع نے سارا مسئلہ حل کر دیا ہے۔"

ممیوں کے مختلف نمونوں سے ایک بات معلوم ہوئی ہے قدیم تر لاشوں کی آنتیں صاف کرنے کے بعد چھتر دار مرتبانوں میں رکھی جاتیں اور مرتبان مقبرے میں ممی کے ساتھ ہی رکھ دیئے جاتے۔ بعد میں یہ طریقہ ترک کر دیا گیا۔ اب آنتیں صاف کر کے کپڑے میں لپیٹی جاتیں اور لکڑی کے برادے میں رکھ کر پیٹ میں رکھ دی جاتیں۔ اصلی آنکھوں کی جگہ مصنوعی آنکھیں لگائی جاتیں یہ سب کچھ لاشعاعوں کی مدد سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اب تو امراض اور ضربات کا بھی کھوج لگایا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں طبّی تحقیق کا ایک نیا شعبہ کھل گیا ہے۔ بعض امراض کے متعلق گمان کیا جاتا تھا کہ یہ عہدِ حاضرہ کی پیداوار ہیں اور ماضی میں ناپید تھے لیکن حنوط شدہ لاشوں کے مشاہدے سے یہ نظریہ غلط ثابت ہو گیا نئی تیکنیک سے طب کی تاریخ میں ایک باب بڑھ گیا ہے۔ ذات الجنب (نمونیا) ورمِ زائدہ (اپنڈی سائٹس) پتھری، گردے کے درد وغیرہ کا سراغ ملا ہے۔

حال ہی میں طوطنخ عمون کی لاش کا ایکسرے کیا گیا تو کھوپڑی پر ضرب کا شگاف دار نشان ملا جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ اس کی موت دماغی سیلانِ خون (برین ہیموریج) سے ہوئی ہے۔

ایکسرے کے انکشافات سے علمائے بشریات کو بڑا فائدہ پہنچا ہے۔ پٹیوں میں کھونسے ہوئے تعویذوں، نقوش اور زر و جواہر سے مُردوں کی حیثیت اور ان کی دولت کا علم ہوتا وہی فرعون جو زندگی بھر معمولی ایوان میں رہتا مرنے کے بعد اس کی دولت نہایت گراں مدفن میں اس کی حنوط شدہ لاش کے ساتھ دفنائی جاتی۔ اس کی لاش سے گدھ اور بھونرے کے نشانات ملے ہیں جن کا تعلق مذہبی طور پر شمسی اور قمری قرصوں سے ہوتا۔ پاتال دیوتا وسائی رس کا نشان بھی ملا ہے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ پاتال میں فرعون کا خیر مقدم کیا جائے۔ ماتھے پر قیمتی پتھر سے تراشا ہوا ناگ اس لیے رکھتے کہ وہ پاتال کے خوفناک اژدہوں کی دستبرد سے محفوظ رہے۔

فرعون کے ذاتی زر و جواہر پورے بدن میں جگہ جگہ پٹیوں میں کھونسے جاتے۔ پیٹ کی

پیٹوں میں سے سونے اور قیمتی پتھروں کی انگوٹھیاں ملی ہیں۔ بازوؤں پر کنگن اور بازو بند ملے ہیں۔ ٹانگوں اور جانگھوں کے درمیان طلسمی نقوش اور خنجر پائے گئے ہیں۔ انگلیوں اور پنجوں پر سونے کے خول ملے ہیں۔ ٹخنوں پر پازیبیں ملی ہیں۔

یہ غیر شفاف چیزیں بآسانی ایکسرے سے نظر آجاتیں۔ یوں ساری پٹیاں ادھیڑنے کی بجائے معلوم جگہ سے شگاف دے کر انہیں نکال لیتے۔ حنوط شدہ لاش محفوظ رہتی۔

ہر چیز نفاست اور ہنر مندی سے تیار کی گئی۔ ان سے پانچ ہزار سال پرانے ہنر وروں کے جمالیاتی ذوق اور ان کی کاریگری کا پتہ چلتا ہے۔

ابھی تک تھوڑی سی حنوط شدہ لاشوں پر لاشعاعی عمل کیا گیا ہے۔ یہ عمل بہت مقبول ہوا ہے اور زیادہ لاشیں زیر عمل آرہی ہیں۔

اس فرعون کی لازوال لاش نے علم دفن کو یکجا کر دیا ہے۔ اب علماء تحریری دستاویزوں اور لاشوں سے حاصل ہونے والی معلومات کا تقابلی مطالعہ کر رہے ہیں۔ اب زیادہ صحت سے عہد پارینہ کے بت پرستوں کے مذہبی عقائد، مذہبی آداب و رسوم، ان کی عبادات، روزمرہ کی زندگی اور تہذیب و ثقافت کے بارے میں آگاہی ہو رہی ہے۔ یہ آگاہی فکر انسانی کے ارتقاء کی تاریخ مرتب کرنے کے لئے ضروری ہے۔

"جب فرعون ثوط موسیٰ سوم مر گیا تو اس نے کہا میں جیتا رہوں گا۔ میں بڑھوں گا، بڑھوں گا۔ میں سکون سے جاگ اٹھوں گا۔ میں مسخ نہیں ہوں گا۔ میری انتڑیاں خراب نہیں ہوں گی۔ مجھے کسی خرابی کا شکار نہ ہونا پڑے گا۔ میری آنکھ ضائع نہ جائے گی۔ میری صورت زائل نہ ہو گی۔ میرا کان بہرہ نہ ہوگا۔ میرا سر میری زبان الگ کر کے نہ لے جائیں گے۔ میرے بال کاٹے نہ جائیں گے۔ میری بھنویں تراشی نہ جائیں گی۔ مجھے کوئی ذلت آمیز چوٹ نہیں لگے گی۔ میرا بدن مستحکم کیا جائے گا۔ یہ زمین پر گلے سڑے گا، نہ پامال ہوگا۔"

کتاب رفتگان

دوسرا حصّہ

اسلام اور دیومالا

دیو مالا کا مطالعہ کیوں ؟

جیٹ طیاروں اور خلائی جہازوں کے اس دور میں جبکہ آدمی سچ مچ ستاروں پر کمندیں ڈال رہا اور اربوں نوری سالوں کے فاصلے ناپ رہا ہے، مجھے دیو مالا کا ذکر قطعاً اجنبی نہیں لگ رہا کیونکہ بے چارہ ابنِ آدم کھجور سے گرا، ببول میں اٹکا ہے۔ اس نے دیو مالا کے پھندے کاٹے تو صنعتی انقلاب کے پھندے گلے پڑ گئے۔ یہ دوسرا پھندا تو اس نے اس طرح گلے میں ڈالا ہے کہ ذرا سا کسی نے جھٹکا دیا تو کام تمام سمجھ۔ سیانے کہتے ہیں کہ پھر چونتیس کروڑ سال تک کرۂ ارض ویرانہ بنا رہے گا اور زندگی کے آثار کے لیے ماحول سازگار نہ ہوگا۔

ملاحظہ فرمائیے! آدمی کو زندہ رکھنے، اسے بیماری سے چھٹکارا دلانے، عمر بڑھانے اور آرام و آسائش کے لیے دھڑا دھڑ ایجادات ہو رہی ہیں۔ دنیا عجائبات اور نوادرات کا گھر بن رہی ہے۔ ادھر موت کو بھگایا جا رہا ہے۔ ادھر اسے اپنی طرف بلایا بلکہ لایا جا رہا ہے لہٰذا دیو مالا ایک مصیبت تھی تو صنعتی انقلاب دوسری مصیبت ہے۔ ابھی ایک مصیبت نے پوری طرح پیچھا نہیں چھوڑا تھا کہ دوسری مصیبت گلے پڑی ہے۔ دیو مالا کا دور برا تھا۔ تو صنعتی فتوحات کا دور کونسا اچھا ہے؟ کوئی ایک بلا میں گرفتار ہے تو کوئی دوسری بلا میں اور کوئی دونوں میں گرفتار ہے۔

دیو مالا کا ذکر اس لیے کر رہا ہوں کہ حبیب اسلام اور قبلِ اسلام کے ادیان کا تقابلی

مطالعہ کریں گے تو حقیقت اور صداقت کی دریافت کے لئے دیومالا کی تخلیقی کارروائی، طرزِ عمل اور تاریخی حیثیت کو ضرور پرکھنا پڑے گا۔ سچ اور جھوٹ کا تبھی نتارا ہو سکے گا
اگرچہ دیومالا قصہ کہانیوں کا مجموعہ ہو کر رہ گئی ہے تاہم اس کے اثرات بڑی شدت سے اب بھی موجود ہیں۔ اسلام نے ڈھیر سارے کھیتوں سے اس کی فصل کاٹ پھینکی ہے۔ لیکن ساری فصل ابھی نہیں کٹی۔ بت پرستی ـــــ دھرتی پوجا، ناگ پوجا لنگ پوجا اور زعیم پرستی اب بھی صدیوں پرانے اُسلوب میں ہو رہی ہے۔ مندروں میں بت رکھے جاتے اور گھنٹیاں بجا بجا کر بھوتوں کو بھگایا جاتا ہے۔ ستی کی وحشیانہ رسم جاری رکھنے پر اب بھی اصرار کیا جاتا ہے۔ آج بھی شِو مندروں میں لنگ سجتے ہیں۔ مجاہد کبیر محمود غزنوی جب سومنات کے بڑے مندر میں داخل ہوا تو اسے یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی اور اس کے جمالیاتی ذوق کو زبردست دھچکا لگا کہ ایک بہت بڑا لنگ شِو مندر میں لٹک رہا ہے۔ اس سے رہا نہ گیا اور اس نے اسے تڑوا دیا۔ گئو ماتا بھی متبرک جانور ہے۔ اس کا مقدس پیشاب نوش کیا جاتا ہے۔ یہ بھی دیوی ہے اور پجتی ہے۔ عجل پرستی (بچھڑے کی پوجا) اسی قبیل سے ہے۔

سوامی دیانند نے بڑا زور مارا۔ اسلام کے نظریۂ توحید کا اثر و نفوذ کم کرنے کی غرض سے خدائے واحد کا تصور پیش کیا۔ اسلام کی نقل میں بھگوان کے ننانوے نام بھی گھڑ لئے۔ لیکن بت پرستی کا خاتمہ نہ ہوا۔ (اسلام سے متأثر ہو کر، اسلام کا ریلا روکنے اور ہندوؤں کو اسلام کے حلقے میں جانے سے باز رکھنے کی خاطر اسلامی تعلیمات کو اپنا کر بھگتی تحریک شروع کی گئی ـــــ برہمو سماج اسی فریب کی کڑی تھی لیکن ہندو معاشرے نے بت پرستی ترک نہ کی)۔

دیومالا کے معاشرتی اثرات نہایت خوفناک تھے۔ اس کی بقاء اور اس کے فروغ کی غرض سے وڈیرہ شاہی اور پروہت مت (مذہبی اجارہ داری ـــــ پریسٹ ہُڈ)

نے جنم لیا۔ ان دو اداروں کی فرماں روائی کا دور ابھی ختم نہیں ہوا۔ اس نے ہر دور میں عوام کو زیر ودرخستی کر کے رکھا۔ غلامی اس کا لازمی نتیجہ ہے۔

یونان میں فلسفیوں کی آمد سے دیو مالا کے تار و پود تو منتشر ہوئے لیکن غلامی کی انسٹی ٹیوشن برقرار رہی۔ افلاطون نے اپنی کتاب السیاست میں غلامی کو ریاست کے لئے ضروری جانا ہے۔

بھارت جہاں لادینیت اور دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت قائم رکھنے کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے۔ وہاں ترنگے تلے، ہندو مانزم کے شودر میں شودر کو شہری حقوق سے محروم کیا گیا ہے۔ مسلمانوں اور سکھوں کو دوم اور سوم درجے کا شہری بنانے کی کوشش جاری ہے۔ طبقاتی اور ذات پات کی تمیز وہاں بہرحال بہ شدت پائی جاتی ہے اور ناقابل شکست لگتی ہے۔ ہند کے راج سنگھاسن پر اکتالیس برس سے برہمن براجمان ہے۔ دوسری ذات یا نیچی ذات کا کوئی آدمی برہمن سے بڑھ کر کتنا ہی قابل وطن پرست اور ہر دلعزیز کیوں نہ ہو اسے راج سنگھاسن کے پاس پھٹکنے نہیں دیا جائے گا کیونکہ اس طرح راج سنگھاسن بھرشٹ ہو جائے گا اور سیکولرازم کے پاکھنڈیوں کا پول کھل جائے گا جو منو سمرتی اور ارتھ شاستر پر عمل پیرا ہیں۔

دیو مالا برہمن کے دم قدم سے قائم ہے۔ جب تک برہمن ہے، مندر پر اس کا اجارہ رہے گا، دیو مالا بھی سلامت رہے گی اور وڈیرہ شاہی بھی۔

دیو مالا کی باقیات میں بے شمار توہمات، جن بھوت کی مخلوق، گنڈوں تعویذوں کا بیوپار، ٹونے ٹوٹکے، جنتر منتر انواع و اقسام کے عملیات اور سفلیات شامل ہیں۔

اسلام نے اس ساری خرافات کو مسترد کیا ہے اور اس کی جگہ نہایت معقول، عادلانہ، مفید اور صاف ستھرا ضابطہ دیا ہے۔ وقت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم پانچ سات ہزار سال پرانی دیومالا کی بچی کھچی فصل کو بھی کاٹ پھینکیں۔ اس کے لئے دیو مالا اور اس کی باقیات کو جاننا پہچانا

اور سمجھا بوجھا جائے۔ اس کی اصلیت، ماہیت اور حقیقت کو ٹھیک سے جانچا جائے تاکہ اسلام کی اساسی ضرورت اور اہمیت واضح کی جا سکے اور زیادہ عمدگی اور اعتماد اور مدلل طریقے سے اسلام کی تسخیری طاقت کو کام میں لایا جا سکے۔

یہاں عام دیو مالا کا بھی تذکرہ ہے۔ اور یونان کی دیو مالا کے ارتقاء کا بھی، یونان کی دیو مالا کے ارتقاء کا بیان بہت کار آمد ہے۔ اس سے پروہتوں، شاعروں، جادوگروں، وڈیروں اور ان کے حواریوں کی چال اور ان کے طریقۂ واردات کا پتہ چلتا ہے۔ عوام کی گردنیں مارنے کے لیے سیانوں نے تخلیقی صلاحیت کے بل بوتے پر دیو مالا کا حربہ گھڑا۔ عوام کے سر پر ہمیشہ تلوار لٹکتی رہی۔ علمی سطح پر دیو مالا اور اسلام کا تقابلی مطالعہ کرنے سے ایک کا خود ساختہ اور دوسرے کا من جانب اللہ ہونے کا معاملہ واضح ہو جائے گا۔

اسلام آج بھی اسی طرح توانائی کا لازوال سرچشمہ ہے جس طرح آج سے پندرہ سو سال قبل تھا۔ اگر دل کے دیے اسلام کے نور سے روشن کر لئے جائیں تو باطل کے سارے چراغ بجھ جائیں گے۔

اسلام اور دیو مالا

دوسرے حصے میں صرف ایک مقالہ بہ عنوان "یونان کا عہدِ جاہلیت اور دیو مالا کا ارتقاد" شریکِ اشاعت ہے۔ اس طویل مقالے کے لئے مجھے کئی سال تک کام کرنا پڑا۔ جیّد علمائے بشریات، شاعروں اور تمثیل نگاروں کی تصانیف کا مطالعہ کرتا رہا۔ ریزہ ریزہ حقائق سمیٹتا رہا۔ اور پھر شیرازہ بندی کا آغاز کیا تو اس میں بھی خاصا وقت لگ گیا۔

یہ مقالہ فی نفسہٖ خاص افادیت رکھتا ہے۔ انگریزی ادبیات اور علم البشر سے خصوصی شغف رکھنے والے طلباء کے لئے اس میں بہت کچھ ہے۔ اسلام اور جادوگری کے تقابلی مطالعے کے ضمن میں اس کا حوالہ ضروری ہے۔

جاہلیت کے تین عہد میرے پیشِ نظر رہے۔ یونان کا عہد جاہلیت، مصر کا عہدِ جاہلیت اور عرب کا عہد جاہلیت، مصر کا عہدِ جاہلیت میری تیسری تالیف کا حصہ ہے۔ اس کا ذکر وہیں موزوں ہے۔ عرب کا عہدِ جاہلیت رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہٖ وسلّم کی آمد اور اسلام کے ظہور سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پیوستِ زمیں ہو

گیا۔ اب کوئی شخص لات و منات اور ہُبَل و عُزّیٰ کے بھونڈے پتلے گھر میں نہیں رکھتا۔ بچیوں کو زمین میں زندہ نہیں گاڑتا۔ فال نکلوانے کے لئے کاہن کے پاس دوڑا دوڑا نہیں جاتا۔ بت کے نام پر قربانی نہیں دی جاتی۔ اللہ کے سواء کسی سے مدد مانگی جاتی ہے نہ کسی کو سجدہ کیا جاتا ہے۔ خواہ وہ سجدہ تعظیمی کیوں نہ ہو (اور اگر کوئی کلیتہً یا جزواً اپنی صوابدید سے کفر و شرک کرتا ہے۔ تو اس کا یہ اِقدام اسلام سے اِنحراف کے سواء اور کیا ہے؟)

عرب میں شعر و ادب، خطابت، فصاحت و بلاغت اور سخن شناسی کے بڑے چرچے تھے لیکن دیو مالا کا ویسا پیچیدہ اور وسیع نظام نہیں تھا۔ جیسا مصر، یونان، ہند اور عراق میں پایا جاتا تھا دوسرے ممالک میں جہاں بت گری، تعمیر و تصویر کے فنون اور دیگر عُلُوم (نجُوم، ہندسہ، کیمیا وغیرہ) نے ترقی کی اور اس کے شاندار نمونے آج بھی حیرت خیز ہیں وہاں عرب میں کم ہی ایسا ہوا۔ عاد و ثمود کے سالم پتھروں سے گھڑے ہوئے ایوان یقیناً بے مثال ہیں لیکن ان کے دیو مالائی گورکھ دھندے کا ذکر اتنا عام نہیں۔ زیادہ تر عرب کے شرک کا ذکر ہے۔ لوگ اللہ کے ساتھ بتوں کو بھی شریک عبادت کرتے تھے۔ بے سُری تماثیل اور بھونڈے بت گھروں اور کعبہ میں رکھتے تھے۔ اسلام کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے عرب کے عہدِ جاہلیت سے کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں کیا۔ اسے یکسر مسترد کیا اور ۲۳ سال میں اسے نیست و نابود کر دیا۔ اسلام اس قوت اور شدت سے حاوی ہوا کہ عہدِ جاہلیت کے بت اپنے ہی ملبے میں ڈھیر

ہو گئے اور کوئی ان کا نام لیوا نہ رہا۔

رہی یونان کے عہدِ جاہلیت کی بات تو اس سے بالصّراحت اور بالتفصیل یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ کس طرح فاتح قوم کے شاعروں ساحروں، پروہتوں اور دانشوروں نے مفتوح قوم کے ثقافتی کھنڈروں پر اس کے گچ گارے سے، سوچ کی اسی ڈگر پر چل کر وہ نیا ایوان تعمیر کیا جس پر وہ نازاں ہوا۔ اس ایوان کا مصالحہ ہی نہیں اس کے اندر چمکنے دمکنے والے نگینے بھی مسروقہ تھے۔ ایک طرف تو فلک پرست آکیائوں ــــ ہومر کی پردیسی فاتح قوم نے علم و فن کے باب میں بھرپور طریقے سے مصر کی خوشہ چینی کی، اسکے دانشوروں اور معلموں سے استفادہ کیا، دوسری طرف مفتوحہ مگر ترقی یافتہ اور امن پسند دراوڑی قوم ــــ زمین پرست پیلازجیوں کی ثقافت اور دیومالا کو تہس نہس کر کے اسے مذموم انداز میں اپنی تخلیقات میں سمویا۔ جی کھول کر جھوٹ بولا۔ ہومر نے اس سلسلے میں بڑی فراخدلی سے کذب و افترا کے دفتر کھولے۔ مقالے میں اسے بالوضاحت بیان کیا گیا ہے ــــ یہ حصہ ادبیات اور بشریات کے طلباء کے لئے بالخصوص توجہ طلب ہے۔

ہومر کا رزمیہ اور ویسے بلاشبہ دنیا کی پہلی، بہت بڑی کہانی ہے اعلیٰ درجے کی مہماتی سرگزشت یا ناول ہے۔ لیکن یہ جھوٹ کا پٹارہ بھی ہے۔

چوری اور سینہ زوری اور کذب بیانی کے واقعات وڈیرہ شاہی اور پروہت مت (پریسٹ ہڈ) کے دور میں ہوئے۔ دینِ ساحری

کا وُجُود ہی پروہتوں اور وڈیروں کے دم سے قائم تھا۔ انہی کے گٹھ جوڑ اور انہی کی ذہنی پیداوار تھا۔ پھر اسی سے پروہتی، اجارہ داری اور وڈیرہ شاہی کو قیام و استحکام ملا۔ محققین نے اچھی طرح تحقیق و تفتیش کے بعد ڈھول کا پول کھولا ہے۔

خلاف ازیں اسلام کسی گٹھ جوڑ، کسی سمجھوتے یا مصلحت کی پیداوار نہیں۔ اس نے بلکہ ان وڈیروں اور پروہتوں ہی کا خاتمہ کیا جو اجارہ داریاں قائم کئے ہوئے تھے۔ جنہوں نے وڈیرہ شاہی اور پروہتی اجارہ داری کو بچانے کے لیۓ ایڑی چوٹی کا زور لگایا، رسول اکرم اور آپ کے ماننے والوں کو طرح طرح کی اذیتیں دیں، وہ سب ظلم توڑے جو وہ اپنی سوچ کے ذریعے ایجاد کر سکے۔ ہر طرح سے پروپیگنڈا کرتے رہے۔ انہوں نے تحریص و ترغیب کے سارے حربے بھی آزماتے اور آخر میں رسولِ اکرمؐ کے قتل کا منصوبہ بھی بنایا۔ لیکن اللہ نے اپنے آخری نبیؐ کو ہر شر سے محفوظ رکھا، تبلیغِ دیں، تکمیلِ دیں اور اس مشن کی کامیابی کے لئے پوری مہلت دی جو اَبَد تک کے لیۓ انسانوں کی بھلائی، فلاحِ دین و دنیا کے لیۓ لوحِ محفوظ پر رقم کیا تھا۔

اسلام کسی قدیم مسلک، فلسفے اور حکمت و دانش کے کھنڈروں پر استوار نہیں ہوا۔ اس کی اپنی اِساس تھی۔ محمد عربی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کسی بندے سے کچھ نہیں مانگا۔ آپؐ کی ذہنی تربیت خالقِ اکبر نے کی، وہی معلم تھا۔ وہی ہادی تھا اور اسی کی بخشی ہوئی لازوال حکمت و دانش آپؐ کو ملی۔ آپؐ نکتہ شناس تھے اور لوجوہ حرف شناس نہ تھے۔ اس زمانے میں مکّے کے اندر چند لوگ (کفار) لکھنا پڑھنا جانتے

تھے۔ لیکن کون اس قابل تھا جو آپؐ کو لکھنا پڑھنا سکھاتا۔ پیغمبرِ اسلام کی فراست لکھنے پڑھنے کی محتاج تھی نہ کسی بشر کی تعلیم و تربیت کی۔ کسی شخص کو شرفِ معلمی نہیں دیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ اس طرح۔

الف۔ اور جنبلیٹی مشکوک ہو جاتی۔

ب۔ استاد کی نیت میں فرق آ جاتا تو وہ اپنے شاگرد کے تشخص کو مجروح کرنے کے لئے دانستہ کفار کی تخریبی مہم میں شریک ہو سکتا اور بدگمانی پھیلا سکتا تھا۔

لہذا اپنے محبوب کی معلمی کا فرض اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے ذمے لے لیا۔ نہ اللہ جیسا کوئی معلم تھا، نہ محمدؐ جیسا کوئی متعلم۔

ایک موقع پر کفار نے الزام لگایا کہ آپؐ جبر مسیحی غلام کی باتیں سن کر اپنے الفاظ میں دہرا دیا کرتے ہیں۔ لیکن ایسا کیونکر ممکن تھا کون تریسٹھ سال تک کسی کو ایسی باتیں سنا سکتا ہے جو ایسی بے مثال ہوں کہ

الف۔ ان کے ذریعے ایک بندہ تو پیغمبر بن جائے اور باتیں سنانے والا گمنامی کی موت مرے۔

ب۔ جن سے بندہ عملاً سراپا خیر بن جائے۔

ج۔ جو کبھی کبھی غیب کی خبر دینے کی صلاحیت بھی پیدا کر دیں

د۔ جو بے مثال اور بروقت اپنی حربی فراست سے کثرت و قلت کا صدیوں پرانا مستند اور مستحکم جنگی فلسفہ ہی بدل دے۔ ناقابلِ یقین فتوحات حاصل کرے۔

کفار کے بڑے بڑے لشکروں کو مٹھی بھر مجاہدوں سے تہس نہس

کروا دے۔۔۔ اسلحہ، سامان اور اسباب کی فراوانی ہیچ ہو کر رہ جائے

ہ۔ جو غلام کو آقا کے برابر لانے کا سبب بنیں۔

و۔ جو پانچ ہزار سالہ پرانا پروہت مت اور وڈیرہ شاہی کا تختہ الٹنے کا موجب قرار دی جا سکیں۔

ز۔ جن کی بدولت کوئی شخص بت پرستی، شراب خوری، جوابازی اور ایسی ہی معاشرتی برائیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے جو لوگوں کی رگ و پے میں سرایت کر چکی تھیں اور ان کی بیخکنی کا امکان نہ تھا۔

ح۔ جو ۲۳ سال کی مدت میں صدیوں کی بگڑی ہوئی قوم کی عادتیں ہی نہیں اس کا مزاج، اس کا خمیر اور اس کے سوچ کی اساس ہی بدل دے۔

مشرکین مکہ رسولِ عربیؐ کا امیج بگاڑنے اور آپؐ کے مشن کو ناکام بنانے کے لئے ہر قسم کی چالیں، چلتے رہے۔ جبر مسیحی کا من گھڑت قصہ بھی ایک چال ہی تھی، لیکن دوسری چالوں کی طرح یہ بھی ناکام رہی۔ اس باب میں اللہ کی جانب سے یہ تردیدی آیۂ کریمہ بھی نازل ہوئی

اور ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ (کفارِ مکہ) کہتے ہیں کہ ایک شخص آپؐ کو آیاتِ قرآنی کی تعلیم دیتا ہے لیکن جس شخص کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اس کی زبان عجمی ہے اور قرآن واضح عربی زبان میں ہے۔ (ترجمہ)

قرآن کی زبان فصاحت و بلاغت، معنویت اور جامعیت میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی۔ ایسی قادر الکلامی اور جلال و جمال کی مثال ناپید تھی۔

دیدہ دلیری دیکھئے! یہ الزام اس قوم نے لگایا خود جس میں بڑے بڑے ادیب، بلند پایہ، شاعر، شعلہ بیان خطیب، غضب کے سخن شناس اور نکتہ ور موجود تھے۔ انہیں چیلنج دیا گیا کہ جرأت ہو تو قرآن جیسی ایک آیت ہی لے آئیں۔

کوئی جبر مسیحی، کوئی شاعر اور خطیب اس چیلنج کا جواب نہ دے سکا۔ کفار کا پورا لشکر جو رسولِ عربیؐ کے مقابل صف آرا تھا۔ رات دن آپؐ کے خلاف پروپیگنڈا کرتا۔ چار لفظی آیت بھی نہ پیش کر سکا۔ اس سے بڑا دنیا میں کبھی لسانی معجزہ رونما نہیں ہوا۔ کلام الٰہی اور حدیثِ رسولؐ دونوں علم و ادب کا لازوال سرمایہ تھے۔ ان کا ہر جملہ جمالیاتی اور فنی اعتبار سے اس قدر اعلیٰ ہوتا، اس میں ایسی جامعیت اور معنویت ہوتی، حسنِ بیان اور اسلوب ایسا پختہ ہوتا کہ لوگ کانوں میں روئی ڈال لیتے۔ مبادا اسے سن لیں، وہ تیر کی طرح دل پر جا لگے۔ اور انہیں اپنے بتوں سے منحرف کر دے۔ ایک سردارِ قبیلہ طفیل دوسی یونہی کیا کرتے تھے۔ پھر جب انہوں نے ہمت کر کے حضور اکرمؐ کی زبانِ مبارک سے کلام الٰہی سن ہی لیا تو رہ نہ سکے۔ فوراً حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ قرآن کا یہ معجزہ ہے۔ کہ اس کی ایک آیت، ایک جملہ دل کا کایا پلٹ دیتا ہے۔

ابوجہل جیسا دشمنِ اسلام بھی آپؐ کی زبانِ مبارک سے ادا ہونے والے کلمات کی تاثیر اور خوبصورتی کا معترف تھا۔ وہ مسلسل تین رات تک چوری چھپواں آپؐ کے حجرے کے باہر بیٹھ کر کلام پاک کی تلاوت سنتا رہا۔ اس کے علاوہ ابوسفیان اور اخنس تینوں ایک دوسرے سے

بے خبر الگ الگ بیٹھے تلاوت سنتے رہے۔ صبح کو روانہ ہوئے تو تینوں کا ایک دوسرے سے آمنا سامنا ہو گیا۔ بہت شرمندہ ہوئے اور پھر ایسی حرکت نہ کرنے کا وعدہ کرکے اپنے اپنے گھر گئے۔ رات ہوئی تو پھر آپؐ کی آواز نے انہیں بیقرار کیا اور وہ کشاں کشاں، ایک دوسرے کو خبر دیئے بغیر حسبِ سابق آپؐ کے حجرے کے باہر تلاوت سننے کے لئے بیٹھ گئے۔ اگلی صبح بھی وہی کچھ ہوا۔ جو پہلی صبح کو ہوا تھا۔ پھر وہی وعدہ کیا لیکن تیسری شب بھی ان سے رہا نہ گیا اور وہ کلامِ پاک سننے چلے آئے۔ یہ اللہ کا کلام تھا۔ جسے ایسی قوم کے افراد میں نازل کیا گیا۔ ہر سال بالتواتر عکاظ کے میلوں پہ شعروسخن اور خطابت کے اکھاڑے جماتے جو قصائد سبعہ معلّقہ سن کر اس درجہ مسحور و محظوظ ہوئے کہ انہوں نے انہیں سنہری حروف میں لکھ کر کعبے پہ آویزاں کیا۔ وہ قرآن کی آیات اور نبی اکرمؐ کے ارشادات سے حیران پریشان ہوئے کیونکہ یہ کلام ان کے ہر کلام سے منفرد و مختلف ہی نہیں بلکہ اس پہ بے حد و حساب فائق بھی تھا۔ ان کی زبانیں گُنگ ہو گئیں۔ سوچ جواب دے گئی۔ قریشِ مکّہ کے بے بدل شاعروں اور دانشوروں کی بے بسی کا اندازہ کون لگا سکتا ہے؟

یہ اللہ کا کلام تھا جو اُس کے خاص الخاص حبیبؐ کے ذریعے انسانوں تک پہنچا۔ اپنے پیارے حبیبؐ کو کسی بشر کا شاگرد بنانا تخلیقِ خداوندی کے آئین کی توہین تھی۔ خود رسولِ اکرمؐ کا اپنا کلام بھی ہر بشر کے کلام سے برتر و افضل تھا۔ یہ بالکل نیا کلام تھا اور اس کے ذریعے ابد تک کے لئے ساری دنیا اور پوری مخلوق کو رُشد و ہدایت

کی روشنی دکھانا مقصود تھا۔

دیومالا کے قصص اور اساطیری ادب کے نمونے بھی موجود ہیں۔ ہر قوم، ہر ملک کا ادبی اور مذہبی سرمایہ بھی کم و بیش موجود ہے۔ چاہو تو اسے کھنگال لو، دیکھ پرکھ لو اور پھر قرآن کا مطالعہ بھی کر لو۔ فرق معلوم ہو جائے گا۔ قرآن انشراحِ صدر کرے گا، اندھیرے چھٹ جائیں گے اور سیدھی راہ صاف نظر آئے گی۔

بنی نوعِ انسان کی بہتری کے لئے اس سے بہتر کوئی کلام نہیں یہ کل بھی معجزہ تھا، آج بھی معجزہ ہے، آئندہ بھی معجزہ رہے گا۔

اسلام کے فکری اور عملی نظام نے ماضی کے تمام نظاموں، تمام فلسفوں اور حیلوں بہانوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا کیونکہ یہ سب وڈیروں، ان کے حواریوں، پٹواریوں اور پروہتوں نے صرف اور صرف اپنے مفاد کے لئے ایجاد کئے تھے۔ اجارہ داری اور آپس کی سوداکاری کے سواء ان میں کچھ نہ تھا۔ ان میں حکمران طبقے کے بے پایاں حُقُوق اور ان کی نگہداشت کا وافر سامان موجود تھا۔ عوام کے لئے غلامی، محرومی، گھٹن اور موت کے سواء کیا رکھا تھا؟ مراعات و مفادات اوپر سے شروع ہوتے اور نیچے آتے آتے صفر ہو جاتے۔ مخلوقِ خدا تو خواب میں بھی ان مراعات و مفادات کی خفیف سے خفیف جھلک نہ دیکھ سکتی۔ یہ عوام کے خلاف بدترین سازش تھی جس کے ذریعے ان کا استحصال کیا گیا۔

اسی پروہت مت (اور وڈیرہ شاہی کے گٹھ جوڑ) کا کرشمہ تھا کہ فرعون ربُّ الشمس کا بیٹا بن گیا اور کوئی اسکے آگے دم نہ مار سکا۔

اسلام آیا تو رسولِ عربی صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے وہ بساط الٹ دی جس پر بے دریغ عوام کا خون بہایا جاتا۔ کھوٹے سکّے پاؤں تلے مسل دیئے اور ان کا چلن موقوف کر دیا۔ پردہتوں اور ان کے گھڑے ہوئے لافانی خداؤں کا سر کچل دیا۔ گھڑی کی سوئیاں الٹی گھوم گئیں۔ صدیوں پرانے اِستحصالی نظام کی کمر ٹوٹ گئی۔ مخلوقِ خدا کے لئے مراعات و مفادات کا سلسلہ نیچے سے اوپر جاتا اوپر جاکر کچھ نہ بچتا۔ اس طرح مساوات کا معاشی و معاشرتی نظام قائم ہوتا۔ ہر قسم کی غلامی کے بندھن ٹوٹ گئے۔ آدمی کا احترام بحال ہوا۔ گھٹن جاتی رہی۔ مال و دولت کی بجائے سرمایۂ اخلاق وجہِ عزّت و شرف ہوا۔

ایک نیا ثقافتی اور معاشرتی انقلاب برپا ہوا۔ توانائی کا نیا سرچشمہ پھوٹا۔

بوریہ اِساس بنا، پیوندی لباس مستحسن قرار پایا۔ اس کے آگے کمخواب و زربفت کے ملبوسات، قالینوں اور غالیچوں کے فرش، سمور کے بچھونے، سیم و زر کے تاج اور تخت ہیچ ہو کر رہ گئے۔ جنس کی ظاہری چمک دمک اور خوبصورتی کی بجائے اس کی اصل اِفادیت اور باطنی وصف پر زور دیا گیا۔

اسلام کو دینے کے لئے ماضی کی جھولی میں کچھ نہ تھا۔ ماضی کے ادیان —— دین ساحری اور دیو مالا کے سارے نظریات اور مسلک کچی اور خود ساختہ بنیادوں پر کھڑے تھے۔ یہ بنیادیں ٹوٹ پھوٹ گئیں نئی بنیادیں فراہم کی گئیں۔ اسلام نئی قوت توانائی کا نیا سرچشمہ، ہر تصنّع سے مبرا نیا جمالیاتی ذوق، نئی انقلاب آفرین سوچ، آسان اور

قابلِ عمل فارمولے لے کر آیا تھا۔ اسلام فلسفہ نہیں، ایک مثبت تعمیری پروگرام تھا جو زندگی کے تمام تقاضے بطریقِ احسن پورے کرتا تھا
یہ درست ہے کہ ہم نے اسلام کو ترک کر کے مغرب کے تصنّع، چمکتے دمکتے جھوٹ اور مہلک تہذیب کے اثرات قبول کئے ہیں تاہم ہماری بداعمالی سے قرآن و سنت کی صداقت پر کوئی حرف نہیں آتا
یہ امر قابلِ افسوس ہے کہ ہم بدعملی کا شکار ہیں۔ بہرحال ہماری زندگی کے حوالے سے اسلام کی قدر و منزلت کا تعین نہیں ہو سکتا۔ اس کا حوالہ تو قرآن اور نبیؐ کی سنت ہے جو صدق و صفا، جسم و جاں کی پاکیزگی۔ اور ہدایت کا لافانی ذریعہ ہے۔

جب بھی ہم نے سچے دل سے قرآن و سنت کو قبول کیا، ان پر عمل کیا، سرفراز و سربلند ہوئے۔

بوریہ نشینی بڑی چیز ہے۔ بوریہ بہر طور قالین سے بہتر ہے، بوریہ نشین تاجدار سے افضل ہے۔

اسلام اخلاقی اور روحانی، دینی اور دُنیوی فلاح کا ضامن ہے۔ ہر خیرُ العمل عبادت ہے۔ اسلام کے ضابطۂ حیات سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ وہ دنیا کے کسی نئے اور پرانے، مرّوجہ اور معدوم مسلک و مذہب میں سرے سے موجود ہی نہیں۔ اسلام کے آئین و قوانین، روزمرّہ کے معمولاتِ حیات، اطوار و افعال میں جو سہولتیں ہیں وہ اور کہیں نہیں یہاں کوئی راز نہیں، بیریئر نہیں، راستے کھلے ہیں۔ اگر کہیں، کسی معاملے میں رکاوٹ ہے تو وہ مفاد پرست اور بھولے بھٹکے لوگوں نے کھڑی کی ہے
اسلام کی اساسی دستاویز ــــ قرآن سہل اور سادہ ہے۔ اس کی

ونعات اور تعلیمات فطرت کے مطابق ہیں۔

اسلام نے دین کو آسان جمہوری قدر بنا دیا ہے، اجارہ داری سے پاک ہے۔

دیو مالا، دیو مالا سے نکلی، بظاہر گھٹیا سے بڑھیا کی طرف قدم اٹھے لیکن یہ سب جھوٹ تھا۔ جھوٹ نے جھوٹ کو جنم دیا۔ یونان کے عہدِ جاہلیت کا جھوٹ زمین سے پاتال تک اور ہومر کے عہد کا جھوٹ پاتال سے آسمان تک گیا۔ یہی فرق تھا پرانی اور نئی دیو مالا میں، نئی دیو مالا کا پیمانہ بھی بڑا تھا۔ اور اس کی سج دھج بھی بڑی تھی۔ تجدید اور ارتقاء کے عمل میں بڑھ چڑھ کر جھوٹ بولا گیا۔

اسلام کسی نوع کے جھوٹ، ایجاد و اختراع اور ترمیم و تجدید کا محتاج نہیں۔ یہ سراسر گھٹیا سے انتہائی بڑھیا کی طرف ٹھوس اور جاندار اقدام تھا۔ یہ اول و آخر، ابتداء سے انتہا تک ایک مستقل دائمی قدر ہے۔ اس کا تعلق قطعاً دینِ ساحری سے نہیں۔ اسلام سے قبل الہامی کتابیں نازل تو ہوئیں لیکن علمائے یہود نے ہیکلوں میں بیٹھ کر ایک صدی تک چپ چاپ اور مسلسل ان میں تحریف کی، اپنے غلط سلط مگر پسندیدہ افکار و نظریات ان میں شامل کئے۔ خدا پر اپنے نظریے کے مطابق رنگ چڑھایا۔ عُزیر اور عیسٰی کو اس کا بیٹا بنایا۔ باپ کے کنبے میں بیٹیاں بھی شامل کیں۔ اس تحریف و تنسیخ کے عملِ پیہم سے ماضی کی الہامی کتابوں کی اصلیت اور افادیت جاتی رہی۔ پیغمبروں کا تشخص بھی داغدار ہوا۔ قرآن نے حقیقت بیانی سے کام لیا اور پرانے قصص کو صحیح رنگ

میں پیش کیا۔ پیغمبروں کی ذات کے بارے میں جو غلط سلط روایتیں گھڑی گئی تھیں ان کی تصحیح کی گئی۔ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں ایک واقعہ یہاں بیان کیا جاتا ہے ــــ

۵ھ نبوّت کا ذکر ہے۔ مکّے کے مشرکوں نے مسلمانوں کو اتنی اذیتیں دیں کہ حالت ناقابلِ برداشت ہو گئی۔ آپؐ نے حکم دیا کہ مسلمان حبشہ چلے جائیں جس سے تجارتی تعلقات قائم تھے چنانچہ مسلمان حبشہ چلے گئے۔ کفّار کو علم ہوا تو انہوں نے مسلمانوں کا ان کے شکنجے سے نکل جانے کا خطرہ بھانپ لیا۔ وہ تو یہی چاہتے تھے کہ مسلمان ان کی گرفت میں رہیں اور وہ ان پر ظلم توڑتے رہیں تاکہ وہ نئے مذہب، (اسلام) سے منہ موڑ لیں، دوبارہ مشرک ہو جائیں۔ اپنی ہٹ پر قائم رہیں تو انہیں ہلاک کر دیا جائے چنانچہ کفّار نے عَمْرو (AMR) بن عاص (بزمانۂ کفر) اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو پیچھے بھیجا تاکہ مسلمانوں کو وہاں سے نکلوائیں اور واپس مکّہ لائیں۔ یہ لوگ اپنے ساتھ نادر تحائف لے کر گئے جو انہوں نے حبشہ کے فوجی کمانڈروں، پادریوں اور درباریوں میں تقسیم کئے۔ انہیں کہا کہ بادشاہ پر دباؤ ڈال کر مسلمانوں کو حبشہ سے نکلوا دیں کیونکہ یہ قریشِ مکّہ کے باغی ہیں۔ باپ دادا کا صدیوں پرانا مذہب ترک کرکے نیا مذہب لاتے ہیں۔ یہ نیا مذہب عیسائیت بھی نہیں۔ یہ باتیں سن کر حبشہ کے بڑوں نے کفار کی منشاء کے مطابق اپنے فرماں روا اَصحم بن ابجر نجاشی تک معاملہ پہنچایا اور اچھی طرح اس کے کان بھرے۔ اسے قریشِ مکّہ کے بھجوائے ہوئے تحائف بھی پیش کئے۔ جنہیں نجاشی نے قبول کر لیا۔ نجاشی نے مسلمانوں کو

دربار میں طلب کیا۔ اور ان سے پوچھا کہ وہ کیا مذہب رکھتے ہیں۔ اس پر حضرت جعفر طیارؓ نے کہا۔

"اے بادشاہ! ہم وحشی تھے، بتوں کو پوجتے تھے۔ مُردار کھاتے تھے۔ بدکاریوں کے مرتکب ہوتے تھے۔ فطری رشتوں کی بے حرمتی کرتے تھے مہمانوں سے بری طرح پیش آتے تھے اور طاقتور لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے پھر جب اللہ نے رسولؐ بھیجا تو اس نے ہمیں ایک خدا پر ایمان لانے اور اس کی عبادت کے لئے کہا۔ یہ بھی فرمایا کہ ان پتھروں اور مورتیوں کو چھوڑ دیں جنہیں ہمارے آباؤ اجداد پوجتے تھے۔ جرائم اور خونریزی سے باز رہیں۔ رسولؐ نے ہمیں سچ بولنے، رشتہ داروں کا خیال رکھنے اور مہمانوں کو تواضع کرنے کی تاکید کی۔ بدکاری، جھوٹ بولنے، یتیموں کا مال کھانے اور پاکباز عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا۔ یہ حکم بھی دیا کہ ہم خدا کی عبادت کریں اور کسی بت کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ صدقہ دینے اور روزہ رکھنے کو بھی کہا۔"

"ہم اللہ کے رسولؐ پر ایمان لائے۔ ایک خدا کی عبادت کرنے لگے کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا۔ اس پر ہماری قوم نے ہم پر ظلم توڑے اور ہم سے کہا کہ خدا کی عبادت ترک کر کے پھر سے بتوں کی عبادت کرنے لگیں۔"

"جب انہوں نے ہمارا جینا دوبھر کر دیا تو ہم آپ کی پناہ میں چلے آئے"

اس کے بعد نجاشی کی فرمائش پر حضرت جعفر طیارؓ نے چند آیاتِ قرآنی بھی سنائیں جنہیں سن کر وہ اور اس کے پادری اشکبار ہو گئے۔ پادریوں کے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے صحیفے ان کے آنسوؤں سے بھیگ گئے۔ نجاشی نے مسلمانوں کو پناہ میں رکھنے کا اعلان کیا اور قریشِ مکہ کے نمائندوں کو چلے جانے کا حکم دیا۔ کفار دربار سے چلے

تو گئے لیکن سخت پریشان ہوئے۔ سوچتے رہے کہ اب کیا تدبیر کریں
تاکہ مسلمان حبشہ سے نکالے اور مکہ واپس لائے جائیں۔ بالآخر عمرؓو بن
عاص کو ایک بات سوجھی۔ وہ اگلی صبح دربار میں پہنچا اور اس نے
نجاشی سے کہا کہ ابنِ مریم کے بارے میں مسلمان خوفناک باتیں کرتے ہیں
انہیں طلب کیا جائے۔ مسلمان اس نئی شرارت پر سخت گھبرائے لیکن
انہوں نے کہا، پروا نہیں۔ جو کچھ ہمیں ہمارے ہادی برحقؐ نے بتایا ہے
وہی ہم نجاشی کے گوش گزار کریں گے۔ چنانچہ جب دربار میں پہنچے
اور ان سے ابنِ مریم کے بارے میں اظہارِ خیال کو کہا گیا تو حضرت جعفر
طیارؓ نے کہا۔

"وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول، روح اور کلمۃ اللہ تھے جو
رحمتوں والی مریم کے شکم میں اتارے گئے"۔

یہ سن کر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا "خدا کی
قسم! مسیحؑ ابن مریم کے بارے تم نے جو کچھ بتایا ہے وہ اس تنکے
سے ذرا کم یا زیادہ نہیں۔"

اس واقع سے واضح ہوا کہ

۱) عیسیٰؑ خدا کے بیٹے نہ تھے (سورۂ اخلاص میں قطعیت سے
کہہ دیا گیا ہے کہ اللہ ایک ہے، نہ اسے کسی نے پیدا کیا، نہ وہ
کسی کا باپ ہے۔

۲) مریم عفیفہ تھیں۔

۳) دیوِمالا ــــ بت پرستی اور شرک کسی طرح بھی قابلِ قبول نہ تھے
اسلام سے ان کا قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

۴) اسلام کی حقانیت نے اصحم بن ابجر نجاسی کو متاثر کیا انجاشی معترف تھا کہ محمد عربیؐ وہی رسول ہیں جن کے نزول کی بشارت یسوع مسیحؑ نے دی ہے)

الغرض اسلام کا اپنا مزاج ہے جو مکّہ میں بدلا نہ حبشہ میں ۔ یہ مانگے تانگے کی چیز نہیں ۔کسی فرسودہ ، گھسے پٹے ، بوسیدہ دین کی کوکھ سے برآمد نہیں کیا گیا۔ یہ قائم بالذّات ہے ۔ اللہ کی طرف نازل ہوا ۔ اسی نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا اور اب یہ قرآن کے اوراق میں محفوظ ہے ۔ اس کا ہر حکم قابلِ عمل ہے ۔ اس کی افادیت روزمّرہ کی زندگی میں جانچی اور تجربے کی کسوٹی پر پرکھی جا سکتی ہے یہ افادیت ہر شخص ہر حال ہر دور اور ہر خطۂ ارض کے لئے ہے ۔ زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی کرتا ، ہر نوع کے معاشرتی ـــــــ معاشی ، اخلاقی اور روحانی مسائل منطقی انداز سے حل کرتا ہے ۔ اس سے بہتر حل موجود تھا ، نہ موجود ہے ۔ یہ بہترین ضابطہ ہے ۔

قرآن کے نزول کے ساتھ ساتھ آپؐ کی زندگی بعینہٖ اس کا نقشِ جمیل تھی ۔ آپؐ زندہ قرآن تھے اور ہیں ۔

خلافِ ازیں دینِ ساحری لے دے کے ایک شعری صداقت ہے ۔ شاعروں نے اپنی تخلیقی اُپج کو حقیقت سے ماوراء رکھا ، حقیقت سے دور رہ کر عجیب و غریب افسانے تراشے اور اسے اپنی ذات تک محدود کر لیا ۔ اور اپنی ضرورت کی چیز بنا لیا ۔ یہی کچھ ان سے بن پڑا انہیں مخلوقِ خدا سے کوئی واسطہ نہ تھا ۔ مخلوقِ خدا تو کیا انہوں نے اپنے خداؤں کو بھی تگنی کا ناچ نچایا اور انہیں تابعِ فرماں کیا کیونکہ یہ تو ان

کی اپنی شعری تخلیق تھے اور انھی نے انھیں لکڑی اور پتھر میں ڈھالا یا کاغذ پر اتارا۔ان کی مُورتیاں اور مُورتیں (تماثیل) ان کے دائیں یا بائیں ہاتھ کا کرتب تھیں۔ دیوی دیوتاؤں کے قصص دلآویز اور دلچسپ تو ہیں لیکن آدمی کے مسائل اتنے گھمبیر اور مشکل ہوتے ہیں کہ یہ قصص ان کا حل پیش نہیں کرتے۔ پھر ایسے قصے بھی ہیں جو آدمی کے اپنے ہی اطوار، محاسن و مصائب کو دیوی دیوتاؤں کے روپ میں پیش کرتے ہیں۔ عورتوں سے ناجائز تعلقات، عورتوں کا اغواء، ازدواجی تعلقات میں میاں بیوی کی بے وفائی، معرکہ آرائی، مہم جوئی اور دیگر اعمال و افعال جو آدمی کی زندگی سے تعلق رکھتے وہی دیوی دیوتاؤں کا معمول بھی تھے۔

اسلام کا دامن اس خرافات سے پاک ہے۔

کافر و مشرک نضر بن حارث جو ماضی کی حکایتیں اور داستانیں بیان کیا کرتا تھا۔ آپؐ کے اذکار و مواعظ کو بھی ان حکایتوں اور داستانوں کے مترادف قرار دیتا تھا۔ چنانچہ وہ بھی رؤساتے کفار کی طرح ذلیل وخوار ہوا اور غزوۂ بدر میں قیدی بنایا گیا۔ آپؐ کے ارشاد پر واصلِ جہنم کیا گیا

آپؐ نے ابتداء ہی میں بت پرستی اور شرک کو رد کیا۔آپؐ نے اور آپؐ کے پیروکاروں نے اس اقدام پر بڑے بڑے مظالم کئے۔حضرت بلالِ حبشیؓ کا بدبخت مالک اُمیّہ بن خلف ایذا رسانی میں انتہا کر دیتا۔ تپتی ہوئی ریت پر لٹاتا اور تپتا ہوا پتھر سینے پر رکھ دیتا،مشکیں باندھ کر لکڑی سے پیٹتا، دھوپ میں بٹھاتا۔ حضرت بلال حبشیؓ ہر حالت میں احد، احد پکارتے، کسی دیوی دیوتا کا نام زبان پر نہ لاتے۔

بتوں کو برا کہنے اور انہیں پوجنے کی بجائے اللہ کی عبادت کرتے والوں کو ایسی ایسی اذیتیں دی جائیں کہ ان کا حال سن کر دل لرز جاتا ہے۔ لیکن اللہ کے نام میں کچھ ایسی کشش تھی کہ مسلمان اس سے منحرف نہ ہوتے۔

اسلام کسی پہلو، کسی طور دینِ ساحری اور اس کی دیومالا سے تعلق نہیں رکھتا۔ یہ تو اس کا قلع قمع کرنے اور اس پر آخری فیصلہ کن ضرب لگانے کے لیے نازل ہوا تھا۔

کوئی مسلک اسلام کا متبادل اور اس کے مساوی نہیں۔ اسلام کا متبادل اسلام ہے۔

کم و بیش پانچ سات ہزار سال تک دینِ ساحری کو کھلی چھٹی ملی۔ اس دوران میں یہ خواب پھلا پھولا، اس نے خوب پر پرزے نکالے۔ خوب قلابازیاں کھائیں۔ پروہتوں اور وڈیروں نے مل کر اس کی آڑ میں اپنی ہر امنگ، ہر خواہش، ہر حرص پوری کی۔ کوئی ارمان تشنۂ تکمیل نہ چھوڑا۔ پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جب کوئی حسرت نہ رہی۔ فتوحات بے انت ہو گئیں۔ تو اللہ کی لاٹھی برسی اور اس کی کمر ٹوٹ گئی۔ اسلام کی ضرب نے اسے ہلاک کر دیا

ساحری کے طویل دور میں ہر قوم نے اپنے ملک کے جغرافیائی معاشرتی اور معاشی حالات کے مطابق دیومالا میں وضع کیں۔ اگر کوئی قوم اپنی دیومالا وضع نہ کر سکی۔ تو اس نے حسبِ ضرورت کسی دوسرے دیس سے درآمد کر لی اور اسے بجنسہٖ یا ترمیم و تجدید کے بعد اپنا لیا۔

دیومالا کی تخلیق کچھ یوں ہوئی۔ آدمی نے شعور کی آنکھ کھولی تو اس نے گردوپیش کا جائزہ لیا۔ جنگل، درندے پرندے، حیوانات، زمین ہوا، آندھی، بارش، دریا، سمندر، پہاڑ، آسمان، سورج، ستارے، سیارے سبھی کو دیکھا۔ سبھی پر سوالیہ نشان ثبت تھا۔ خود اس کی اپنی ذات بہت بڑا سوالیہ نشان تھی۔ وہ اس سوالیہ نشان سے پریشان ہوا اس نے سوچا، میں کون ہوں، یہ دنیا کیا ہے۔ مجھے اور اسے بنانے والا کون ہے؟

وہ زمین سے پیڑ پودے نکلتے دیکھتا۔ آسمان پر چاند سورج طلوع ہوتے دیکھتا۔ اسے قوت اور پراسرار طاقت (مانا) کے بے شمار سرچشمے نظر آئے۔ بعض سر چشمے اس کی عقل سے اوجھل رہے۔ بہرحال وہ کھوج میں لگ گیا! اسے خدا کی تلاش تھی۔ خدا کی تلاش میں نکلا تو اسے کتنے ہی خدا مل گئے۔ جوں جوں سوچتا، اس کی تخلیقی اپج حرکت میں آتی، وہ خداؤں کی گنتی بڑھاتا چلا گیا۔ اس طرح اس کی قوت اور اس کے اثر و رسوخ میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔

اصنام کی تعداد ان گنت ہو گئی۔ کیسے کیسے خدا بناتے اور گھڑے گئے!

جوں جوں، پروہتوں اور وڈیروں کی ہوا و ہوس بڑھی توں توں ترمیم و اضافہ ہوا۔ پھر بنی نوع آدمی کو وہ دن بھی دیکھنا پڑا۔ جب آدمی خدا کا بیٹا بنا، اوتار بنا آخر وہ آپ ہی خدا بن گیا۔

پروہت نے ایک کو خدا بنایا۔ باقی مخلوق کمین ہو کر رہ گئی۔ ایک آدمی محترم ہوا۔ باقی ذلیل و خوار ہوئے۔

اس سے بڑھ کر اور کیا ذلّت و ضلالت ہو گی؟

تاریخی اعتبار سے دیومالا کے ارتقاء کی داستان آدمی کی تخلیقی اُپج شرارت اور فریب وہی کا نہایت ہی دلچسپ کارنامہ ہے۔ اس کے مطالعے سے تفکر اور تصوّر کی کڑیاں ملتی ہیں۔ تخلیقی عمل کے انداز اور تیور ملتے ہیں۔ جس زاویے سے بھی تخلیقِ جمال ہوئی اور شاعرانہ کمال کے نمونے سامنے آئے، ان کے اثرات دور رس ثابت ہوئے۔ آج بھی کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی کونے کھدرے میں اس کے دلآویز ریزے ادبیات میں جڑے ملیں گے۔ تخلیقی اُپج نے جھوٹ کو دلپذیر بنا دیا، اسے خوبصورتی دی۔

دینِ ساحری کے عہدِ عُروج میں ڈھول پر جو تال بندھی، جو نغمۂ نَے بلند ہُوا۔ دیو داسی کے رقصِ مستی نے جو زاویے اور خط قلب و نظر پر کھینچے، شاعری کے جو بول کانوں میں رس گھول گئے، وہ اب بھی اثر رکھتے ہیں ــــ مصوّری، نقاشی، کتابت، فنِ تعمیر اور دیگر عُلُوم و فُنُون کے شعبوں میں جو باکمال لوگ پیدا ہوئے، ان کے شاہکار آج بھی حیرت خیز ہیں۔ فرعون خُوفُوع کا عظیم الشّان مقبرہ (گریٹ پِرامِڈ) دیکھ کر آج بھی لوگ دنگ رہ جاتے ہیں۔ جادو مر چکا ہے لیکن علم و فن کے میدان میں اس کے کمالات زندہ ہیں۔ رزمیات تعمیرات، تصاویر، نُقُوش سب کچھ سیکولر ہو کر رہ گئے ہیں۔ ہومر نے جھوٹ بولا۔ پھر بھی اس کا شعر پُر لطف ہے۔ آیسکی لس، سوفو کلیز اور یورپی پیسیڈیز کے ڈرامے قابلِ قدر ہیں۔ ادب کے ارتقاء میں یونان کے ڈرامے اور تھیٹر کا بڑا مقام ہے۔ دیوتا مر گئے لیکن یونانی

ل نگاروں کے سہ تمثیلے (TRILOGIES) زندہ ہیں۔
الغرض دیومالا نے دیومالا کو، ریت نے ریت کو اور سحری فکر نے
ری فکری کو جنم تو دیا لیکن یہ سب عارضی تماشا تھا۔ زیوس، ہیرا،
ریسٹس، اپالو، افرودائتی اور ساری لازوال ہستیاں تمت بالخیر
یں، ان کی حکایتیں ادب کا کلاسیکی سرمایہ ہو کر رہ گئیں۔ دینی
نیت سے رخصت ہوئی۔

پچھلے پانچ ہزار برس میں الہامات کی سرزمین میں جو پیغمبر نازل
ئے، وہ کم و بیش اتنا کچھ ہی کر سکے جتنے کے لئے اللہ تبارک و
عالیٰ نے انہیں دنیا میں بھیجا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے
ت پرستی کی بیخکنی کے لئے بڑا کام کیا ـــــ دین ساحری کی
ب سے بڑی عبادت، انسانی قربانی موقوف کی۔ آپ انبیاء و
سل کے قبیلے میں خاص مقام رکھتے تھے۔ آپ نے نسلِ آدم پر
ڑا احسان کیا۔ لیکن، پھر جادوگروں کا دورِ دورہ ہوا اور انسانی
ربانی رائج ہو گئی ـــــ

• "حجاز کے وحشی عربوں کے یہاں دیوتا کی کوئی مورت نہ تھی، صرف
ان گھڑ پتھروں کی ایک قربان گاہ ہوا کرتی تھی۔ جس پر وہ ستارۂ صبح
(زہرہ) کے لئے کوئی انسان یا سفید اونٹ بڑی جلدی سے ذبح کیا کرتے تھے
یہ قربانی طلوعِ آفتاب سے پہلے بظاہر بدیں وجہ ہوا کرتی تھی کہ وہ ستارہ
اس عمل میں پیشِ نظر رہے۔ وہ مقامِ متبرک کے گرد بھجن گاتے ہوئے تین بار
طواف کرتے۔ تب سردارِ قوم یا بوڑھا پجاری اس بھینٹ پر پہلا وار کرتا اور

بہائے گا، اس کا مال نہیں کھائے گا۔ اور اس کی عزت برباد نہیں کرے گا)

۲) لوگو! جاہلیت کی ہر بات کو میں اپنے قدموں تلے پامال کرتا ہوں۔ (بدعات، توہمات، رسومات، کفر و شرک، غرور تکبر، اونچ نیچ وغیرہ)

۳) جاہلیت کے تمام جھگڑے ملیامیٹ کرتا ہوں۔

۴) جاہلیت کے زمانے کا سود ملیامیٹ کرتا ہوں۔

۵) لوگو! تمہاری عورتوں پر تمہارا حق ہے اور تمہاری عورتوں کا تم پر حق۔ تمہاری عورتیں کسی غیر مرد کو اپنے پاس نہ آنے دیں۔ بے حیائی سے کنارہ کشی کریں۔

۶) عورتوں سے بھلائی سے پیش آؤ!

۷) میں تمہارے لئے اللہ کی کتاب اور اپنی سنت چھوڑے جا رہا ہوں۔ ان پر قائم رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔

آپؐ خطبہ ارشاد فرما چکے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:—

"آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں اور تمہارے لئے دین اسلام پسند کیا۔"

اس کے بعد مسلمان دنیا بھر میں پھیل گئے اور انہوں نے کرۂ ارض کے گوشے گوشے میں علم و عرفان اور نور و ایمان کے چراغ روشن کئے۔ پھر انہوں نے بارہ سو سال تک سپر پاور بن کر مخلوق کی قیادت کی۔

دیو مالا کا شیرازہ بکھیر دیا۔ دیو مالا کو مٹایا تو دنیا کو وہ دین

دیا۔ جو من گھڑت تھا، نہ استحصال کا ذریعہ، نہ کسی کی ذاتی غرض کا پابند ہر نوع کے توہمات، مفروضات، قیاسات اور تعصبات سے یکسر مبّرا تھا یہ تو ایک دائمی، سدا بہار نغمہ تھا۔ اس نے حسن و جمال کا ایسا دریا بہایا جس سے مخلوقِ خدا نے غسلِ صحت بھی کیا اور اس سے شفائے کامل بھی پائی۔ اس میں وڈیرہ شاہی اور پروہتی اقتدار کے لئے کوئی گنجائش نہ رکھی گئی۔ اس کی غایت فلاح و بہبود اور تسکینِ قلب تھی۔ یہ اساسی اور کامل طور پر نسلِ آدم کی انفرادی اور اجتماعی بھلائی کے لئے بھیجا گیا

اگر اسلام میں فی نفسہٖ انفرادی اور اجتماعی سربلندی، قوت، توانائی فتح و نصرت، فروغ، اخلاقی و روحانی ترقی، خوشی اور خوشحالی کا بنیادی وصف نہ ہوتا تو معبدوں کے چالاک پروہت اور کاہن دال نہ گلنے دیتے۔ فرعونِ مصر آخن عطون کے نئے فکر ــــ نظریۂ توحید کو ربِّ عمون کے انہی پروہتوں نے اس کی زندگی میں ناکام بنا دیا۔ جنہیں اس نے بے دست و پا کیا تھا اور وہ چپکے چپکے سازشیں کر کے از سرِ نو برسرِ اقتدار آ گئے۔ انہوں نے اپنے متروکہ مندر دوبارہ آباد کر لئے۔

ہمیں اعتراف ہے کہ ہم اسلام کی صحیح و سادہ صداقتوں سے بہت دور ہو گئے ہیں۔ خدا پرستی ترک کر کے قبر پرستی میں مشغول ہو گئے ہیں۔ رزقِ سہل کے دروازے کھل جانے سے رزقِ حلال کی قدر و منزلت بھول گئے ہیں۔ مشرکانہ رسوم بھی اختیار کر لی ہیں۔ کروڑ پتی اور ارب پتی بھی ہو گئے ہیں۔ اللہ اور رسولؐ کا بتایا ہوا راستہ نظروں سے اوجھل کر بیٹھے ہیں۔ وڈیرہ شاہی بھی قائم کر لی ہے

اور دنیا میں ذلیل و خوار بھی ہو گئے ہیں۔ ہمیں معلوم تو ہے کہ اسلام کی تعلیمات پر چل کر ہم برسرِ اقتدار آ سکتے اور دنیا کو راستی پر لا سکتے ہیں لیکن بدعملی اور بے عملی کا شکار ہیں۔ اس وقت مادی ترقی اور جمہوری مادر پدر آزادی نے مخلوقِ خدا کا سکون و قرار چھین لیا ہے۔ اگر ہم عملِ صالح کو نمونہ بنائیں۔ اور صدقِ دل سے نام نہاد مہذب ممالک میں تبلیغ دین کریں تو وہ کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ جو تبلیغ دین کریں تو کسی اور دوسرے طریقے سے ممکن نہیں۔ نہ ہی لوگ جو ہمیں اقتصادی، غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ہمارے گھرانے میں شامل ہو جائیں۔ ہم سرخرو ہو جائیں، اور گمشدہ ماضی کا عروج حاصل کر لیں گے۔

یونان کا عہدِ جاہلیت اور دیو مالا کا ارتقاء

دیو مالا کو بالعموم بے سروپا داستانوں کا دفتر خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن ایسا خیال کرنا سراسر عصبیت اور حقیقت ناشناسی ہے۔ بشریات اور نفسیات کے ماہرین نے دیو مالا کی تفسیر و تفہیم میں جس سنجیدگی اور دقتِ نظر سے کام لیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ علم و فن اور تہذیب و تمدّن کا یہ شعبہ کس قدر اہم ہے۔ یہی انسان کا پہلا تہذیبی کارنامہ ہے[۱]۔ اس کی علمی سوچ کا پہلا دین ہے۔ اسلام سے قبل کی فکری تاریخ اسی سے عبارت تھی۔

چند ہزار سال آدھر معاشرے میں دیو مالا کا ہی سکّہ رواں تھا اور یہ سحربانی اقوال و اعمال کی جان تھی۔ فرائڈ کے قول کے مطابق عہد قدیم کا انسان دیو مالا کی وساطت سے ہمارے لئے قابل فہم ہے[۲]۔ مدتوں انسانی شعور کے ارتقاء میں اسی کا عمل دخل رہا۔ اسی کی روشنی میں زندگی کے ضابطے مرتب ہوئے۔ تمام اعمال و اشغال اور حرکات و سکنات اسی کے تابع رہیں

۱۔ EUETHEIA یا AGE OF IGNORANCE ۔ ڈاکٹر PREUSS اس عہد کی نسبت URDUMMHEIT (اوائلی عہد کی حماقت) کا کلمہ استعمال کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو پروفیسر گلبرٹ مرے کی تالیف FIVE STAGES OF GREEK RELIGION صفحہ ۳ مطبوعہ WATT & CO، (تیسرا ایڈیشن)۔ ۲۔ "ہم قبل تاریخ کے انسان کو ارتقاء کے مختلف مدارج میں ان بے جان یادگاروں اور اوزاروں کے ذریعے جانتے پہچانتے ہیں۔ جنہیں وہ اپنے پیچھے چھوڑ گیا ہم نے اسے فن کی نسبت، اس کی معلومات اسکے دین اور زندگی کے رجحان سے بھی جانا پہچانا ہے جن کا علم یا تو براہ راست ہوا ہے اور یا پھر اس روایت سے جو دیو مالا کے قصوں اور پریوں کی کہانیوں کی صورت میں زمانہ بہ زمانہ منتقل ہوئی۔ نیز اس انداز فکر کے بچے کھچے شناسا آثار سے جانا پہچانا جو ہمارے اطوار اور رسم و رواج میں موجود ہے" TOTEM AND THBOO صفحہ اول ترجمہ از جیمز سٹریچے مطبوعہ ۱۹۵۰ء

دجلہ، فرات اور نیل کی تہذیبوں کی طرح یونان کی دیو مالا بھی حیاتِ انسانی کا ایک تابناک ورق ہے۔ اگرچہ مصر کے استادوں اور فلسفیوں ہی سے حکمائے یونان نے علمی، تہذیبی اور دینی ساحری کا سرمایہ سمیٹا ـــ تاہم مصر کے علم و فن کے خزانوں سے جو حاصل کیا اسے اچھی طرح سنبھالا، اس سے پوری طرح فائدہ اٹھایا اور اپنے یہاں تہذیب و تمدن کے چراغ روشن کئے۔

دورِ فلسفہ سے قبل دیو مالا ہی یونان میں سب کچھ تھی۔ اسی سے یونانیوں کے ثقافتی مشاغل روزمرہ کے معمولات، انفرادی اور اجتماعی چلن اور علم و فن کی لگن کا راز کھلتا ہے، ان کی ذہنی اپج کا سراغ ملتا ہے۔ ممکن ہے کہ بادی النظر میں دیو مالا دفتر بے معنی معلوم ہو لیکن تحقیقی آنکھ سے دیکھیں، اسے اچھی طرح جانچیں پرکھیں اور کھنگالیں تو یہ ہمیں انسانی شعور کے ارتقائی سلسلے کی بنیادی کڑیاں فراہم کرے گی۔[۱] یہی دفترِ بے معنی انسانی سوچ کا ابتدائی اثاثہ ہے۔

حسن، صداقت اور عقیدت

دیو مالا جادو اور ریت کی پیداوار ہے۔ ذہن انسانی کے ارتقائی سفر کی ناگزیر منزل ہے۔ اس کی اصلیت جانے بغیر بشریات کا مطالعہ ادھورا رہے گا، نیز زندگی کے نہایت اہم اور پیچیدہ امور پر پردے پڑے رہیں گے۔ یہ تب کی بات ہے۔ جب ابھی انسان کے گرد و پیش پھیلی ہوئی وسعتیں ناقابلِ فہم تھیں۔ علم و عرفان کے وہ اکتسابی وسائل ناپید تھے جو

۱۔ لارڈ RAGLAN اپنی تالیف DEATH AND REBIRTH میں رقم طراز ہیں: "دیو مالا کبھی من گھڑت نہیں ہوتی بلکہ کسی حقیقت کی کہانی ہوتی ہے۔ جسے سچ مچ کے انسان عملاً پیش کرتے یا کر چکے ہوں۔ دوسری طرف یہ کبھی تاریخی حیثیت نہیں رکھ سکتی کیونکہ یہ ہمیشہ کسی حقیقت کی کہانی ہوتی ہے جسے ایک بار نہیں متعدد بار دہرایا گیا ہو۔ دیو مالا اور ریت کا ایک دوسرے سے چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ریت سحریاتی تمثیل ہے۔ اور دیو مالا اس کے بیان کی کتاب۔ تمثیل کھیلی بند ہو جائے تو اکثر یہ کتاب بچ رہتی ہے" بحوالہ A GUIDE TO RELIGIOUS CONTROVERSY مولفہ HECTOR HAWTON صفحہ ۱۱۹، مطبوعہ WATT & CO. ۱۹۵۰ء

آج پا افتادہ ہیں۔ ایسے میں فطرت پہیلی بن گئی اور کائنات پراسرار قوتوں کا گہوارہ، بصارت کی کجی اور کوتاہی بصیرت کو فریب دے گئی۔ انسان جذباتی، جبلّی اور شعوری پونجی لے کر غلط راہوں پر غلط منزل کی سمت رواں ہوا۔ اس نے کارخانۂ حیات اور نظامِ فطرت کو عجیب و غریب انداز سے سمجھا۔ یہ انداز سحر یاتی تھا۔ انسان نے ذرے ذرے میں بے پایاں قوت متصوّر کی اور اسے "مانا"[1] کہا۔ اس نے مظاہرِ قدرت کو قابلِ فہم بنانے اور ان تک رسائی پانے کی غرض سے انہیں خداؤں کے روپ میں ڈالا۔

یہ عمل لاکھ فریب آلود سہی، تاہم دلفریب تھا۔ انسان نے اسی میں صداقت تلاش کی۔ یہ صداقت کتنی انوکھی اور جبلّی معلوم ہو لیکن مقدّر تھی اس میں انسانی جبلّت، جذبہ، احساس شعور، بصارت اور بصیرت نہایت دیانت داری سے کارفرما تھی۔ آدمی نے اپنے عہدِ طفولیت میں نہایت دیانت داری سے غلطی کی۔ اسے اپنی غلطی محسوس بھی نہ ہوئی۔ وہ ذہنی اور بدنی طور پر فطرت سے بلا واسطہ قریب بلکہ منسلک رہا۔ اسی لئے غلطی کرنے پر معصوم تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس حسین فریب کے سوا چارہ نہ تھا[2]۔ اسی فریب اور غلطی کے باعث فریزر نے اس غیر سائنسی شعبۂ معاشرت یعنی سحر و طلسم کو "سائنس کا حرامی بچہ" کہا اس سے ان اقوام و قبائل

۱۔ مانا یعنی سحری قوت جاندار اور بے جان سبھی میں ہوتی۔ اسی لئے قدیم قبائل کے نزدیک جاندار اور بے جان میں کوئی فرق نہ تھا۔ RELIGIOUS CONTROVERSY صفحہ ۱۲۴

۲۔ "مجھے یقین ہے کہ اکثر جب بعض معاملوں میں منطق اور تجربہ رہ جاتے ہیں، تو عملاً مذہب سے رہنمائی ملتی ہے۔ مذہب کے لیے یہ بہت بڑا کام رہ گیا ہے۔ لیکن مذہب کے باب میں دو باتیں یاد رکھنی چاہییں کہ غلطی کا امکان بہت زیادہ بلکہ قریب قریب غیر محدود ہے۔ پھر جب بالیقین غلطی کی جائے تو نتائج بڑے ہولناک ہوتے ہیں۔ غالباً ابن آدم کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں شائستہ لوگوں نے مذہب کے نام پر بدترین کام کئے اور میں نہیں سمجھتا کہ اب یہ سلسلہ تمام ہو گیا ہے"۔

صفحہ ۸ FIVE STAGES

کی فکری کاوش کے باب میں ذم کا پہلو نہیں نکلتا جنہوں نے اسے جنا اور پروان چڑھایا۔ سمجھ کے اس پھیر پر انہیں مطعون کرنا بجا نہیں۔ انہوں نے جو کچھ کیا اپنی عقلی بساط کے مطابق کیا۔ تہذیبی اعتبار سے ان کی دریافت اور ان کا طرزِ عمل لاثانی تھا۔ گو جادو کے قرب و جوار میں مذہب[۱] نے کروٹ لی۔ کہیں مذہب بالخصوص اسلام نے جادو اور دیومالا کا طلسم توڑا۔ ان کے خداؤں کو چت کیا۔ لوگوں کو نئی ڈگر پر ڈالا۔ کہیں ریتوں رسموں کے معاملے میں جادو اور مذہب شیر و شکر رہے۔ تاہم جادو اور دیومالا مٹنے سے قبل دنیا کو ثقافت کا بہت بڑا خزانہ سونپ گئے۔ انہی کی وساطت سے بعض ثقافتی علوم و فنون کی براہ راست بنیاد رکھی گئی اور انہیں مستقل حیثیت ملی۔ ثقافتی شعبوں کی بنیادی تشکیل بلکہ قابلِ قدر حد تک ترقی انسانیت کے عہدِ طفولیت میں ہوئی جب شعور دھندلایا ہوا اور توہمات سے معمور تھا۔

رزمیہ اور صنمیہ داستانیں شعور کی آنکھ کا اجالا ہیں۔ ڈرامے اور تھیٹر کی روایت کئی ہزار سال پرانی ہے[۲]۔ رقص و موسیقی بھی عہدِ توہم کی ایجاد ہیں۔ سنگ تراشی، فنِ تعمیر، مصوری اور کوزہ گری دیومالا کے معتقدین کی نشانیاں ہیں۔ سحر پرستوں کا جمالیاتی ذوق اور اق جہاں پر معبدوں، بتوں، خشتوں، ستونوں، ایوانوں اور رنگلی کوزوں کی صورت میں بکھرا پڑا ہے۔ کوزہ گری کی مدد

۲۔ "جادو قانونِ قدرت کی تفہیم کا جبلی نظام اور دستورِ حیات کا غلط راہ نما ہے۔ یہ گمراہ کن علم اور ناقص فن ہے۔" THE GOLDEN BOUGH صفحہ ۱۱ مطبوعہ میکمیلن اینڈ کمپنی ۱۹۴۹ء

۱۔ اسلام نے دیومالا کی کثرت کو رد کیا۔ اور وحدانیت کا انقلاب آفرین تخیل دیا۔ رعیم پرستی اور بت پرستی کا استرداد کیا۔ ویسے نچلی سطح پر کوئی اور دیومالا کے اثرات قبیحہ سے کاملاً محفوظ نہ رہا جہاں ضعیف الاعتقادی آئی اوہام و وساوس نے غلبہ پایا۔ مذہب نے بعض سحریاتی ریتوں کی تطہیر کی اور نظریاتی تصحیح کے بعد انہیں اپنایا۔ اس ضمن میں قربانی کی ریت خصوصی مطالعہ چاہتی ہے۔ ملاحظہ ہو راقم الحروف کی تالیف "جادو اور جادو کی رسمیں"، مطبوعہ ناشرین، لاہور، فصل "قربانی کی ریت"

۲۔ ملاحظہ ہو راقم الحروف کا مضمون "ڈرامے کی ابتدا"، مطبوعہ اقبال، اکتوبر، ۱۹۵ء۔

سے تو عہدِ توہم کی تہذیبی تاریخ مرتب کی گئی ہے [۲]۔

یونانی دیومالا کے ماخذ

یورپ میں علم و فن کی ابتدا، کم و بیش یونان سے ہوئی۔ مسلمانوں نے اپنے عہدِ عروج میں ہر تعصب سے بالاتر ہو کر انتہائی فراخ دلی سے یونانی حکماء سے استفادہ کیا۔ تاہم اسلام کی انقلاب آفرین تہذیبی سوچ، معاشرتی اطوار و اقدار کی سادگی اور نئے جمالیاتی فلسفے نے نہ صرف دینِ ساحری کا مضبوط اور مستحکم ایوان ڈھا دیا بلکہ فکرِ انسانی کا قبلہ درست کیا۔ نہایت دلآویز اور سدا قائم رہنے والا نیا ڈھانچہ دیا۔ اسلام نے دینِ ساحری کی بیخ کنی اور اسے شکستِ فاش دی۔

یونان علم و دانش کا گہوارۂ اول نہیں۔ تہذیب و تمدن کے اولین معلوم گہوارے سندھ، فرات، دجلہ اور نیل کی پرانی وادیاں ہیں۔ آج سے چار پانچ ہزار سال پہلے یہ رعنائی اور توانائی کے سرچشمے تھے۔ یہیں وہ ادیان رونما ہوئے۔ اور وہ سُنن جاری ہوئیں جن سے قبل اسلام ایک عالم روشن رہا ہے۔ تہذیب و تمدن کے یہ گہوارے صدیوں چمکتے رہے۔ یہیں سے شاہراہیں کھلیں اور یہیں سے یونان میں اجالے پھیلے۔ یہاں کی دیومالا کے کتنے ہی موتی ٹوٹ کر یونان کے سلسلے سے آملے۔ زیوس کے کنبے کے بعض افراد بالخصوص ربّ الخمر دائی اونائی سس یہیں سے آیا۔ زرخیزی کے دیوی دیوتا اور ان سے متعلقہ ربتیں رسمیں بھی ادھر کی ہیں۔ ہیرودوتس کے سیاحت نامے سے پتہ چلتا ہے۔ کہ اسے نیل دیس سے کتنی وابستگی تھی۔ نیز اس نے

۲۔ مس جین ایلین ہیریسن (۱۸۵۰ - ۱۹۲۸) کی گراں قدر تالیف PROLEGOMENA FIVE STAGES OF GREEK RELIGION کا بیشتر مواد کوزہ گری کی صنعت کا رہونِ منت ہے۔ اس حیرت خیز تالیف نے یونانی دیومالا کی نسبت صدیوں کے مقبول و مروج نظریات تہ و بالا کئے اور تاریخ کا رخ موڑا۔ مصنفہ کیمبرج کے NEWNHAM کالج میں کلاسیکی آثاریات کی معلمہ تھیں۔ درسگاہ نے تین سال تک انہیں کتاب کی تالیف و تسوید کے ذرائع مہیا کئے اور فرصت دی

وہاں کی زندگی اور رسوم کا مطالعہ کس انہماک سے کیا۔ نیل وہیں سے علم حاصل کیا۔ پس یونانیوں کی درس گاہ بن گیا۔ یونان کے اولین فلسفی تھیلیز نے مصر اور فنیقیا میں حکمت کی تعلیم پائی۔ تہذیب کے ان پرانے گہواروں کے علاوہ ایشیائے کوچک نے بھی یونان کو مستفید کیا۔ پہلا یونان کہ آئی اونیا کہلاتا اول اول ایشیائے کوچک ہی سے شناسا ہوا۔ کنواری شکار دیوی ارطمس یہیں سے درآمد ہوئی پرانی تہذیبوں کے عالیشان ایوانوں اور گہواروں سے شاہکار سمیٹے اور اپنا گھر سجایا۔

یونانی دیومالا کا ایک نہایت اہم ماخذ یونان کے عہد جاہلیت کا دینی مواد ہے جس کے منتشر اجزاء زیوس کے ماننے والوں (آکیاؤں) کی آمد سے پہلے موجود تھے۔ اگرچہ فاتحین کے مقابل (پیلازجیوں) کی دیومالا منتشر اور بے نام تھی۔ نیز فاتحین کی دیومالا کے مانند بین الاقوامی مقام نہ قبائلی اور مقامی تھی۔ تاہم اپنے اپنے علاقے میں بڑی گہری جڑیں رکھتی اور دلیبیوں کے

یونان کے عہد جاہلیت پر یہ ایک بے مثل کتاب ہے اور انقلاب آفریں نظریات کی حامل، پروفیسر گلبرٹ مرے ایسے فاضل نے FIVE STAGES OF GREEK RELIGION کے باب اول SATURNIA REGNA کا بنیادی مواد اور نظریہ یہیں سے مستعار لیا ہے۔ انہوں نے دیباچے میں مس ہیریسن کے علمی کارنامے کا اعتراف کیا ہے۔ راقم الحروف نے بھی اس تالیف سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے۔ میرے تصرف میں میریڈین بکس نیویارک، کا نسخہ رہا ہے۔ سن طباعت ۱۹۵۹ء ہے۔

ا۔ THE EVOLUTION OF KNOWLEDGE از جیمز پیرن، باب اول مطبوعہ ولیمز اینڈ نورگیٹ

ا۔ تھیسالی کے آکیاؤں کی آمد کا زمانہ تین ہزار سے دو ہزار سال ق م ہے۔ انہی نے بارھویں صدی ق۔م میں ایلیون (طروئے) کی اینٹ سے اینٹ بجائی۔ ان سے پہلے یونان میں پیلازجی یعنی سمندری لوگ بستے تھے۔ ایلیون میں بھی ان کی نسل موجود تھی۔ نہ جانے یہ کب یونان میں آئے اور ان کی زبان کیا تھی۔ تاہم اتنا معلوم ہے کہ انہوں نے فنیقی تجار سے ابجد سیکھی۔

لیے کافی تھی۔ جب زیوس کے ماننے والے (آکیائی) آئے تو انہوں نے قدیم مقامی دیومالا کی شیرازہ بندی کی اور اسے اپنی دیومالا سے مربوط و ہم آہنگ کیا۔ "المپس کے خداؤں کو ایک

"جب حکمران پیری کلیز (۵۰۰ تا ۴۲۹ ق م) کے عہد میں از سر تو وسیع پیمانے پر مقدس پہاڑی آکروپولس کی تعمیر و تزئین شروع ہوئی تو پیلازجیائی تمدن کے نشانات مٹا دیے گئے تاہم اب بھی ہم بعض نشانات دیکھ سکتے ہیں۔ ایتھنز میں پیلازجیوں کی دیوار ہے۔"

آکیائی مردوں کو جلاتے، پیلازجی دفناتے، ہومر کی "ایلیڈ" (کتاب) سے واضح ہے کہ زعیم پاطرو کلس کو بڑے احترام و اہتمام سے نذر آتش کیا گیا اور عزائی کھیل منعقد کیے جو المپک کھیلوں کا پیش خیمہ تھے۔ لیکن جب زعیم ایجیکس نے خود کشی کی تو اعزاز سے محروم رہا اور دفنایا گیا۔ گویا آکیائی تدفین کو گھٹیا درجہ دیتے تھے۔

اہل مصر کی طرح پیلازجی لاشوں کے ساتھ گھریلو استعمال کی چیزیں رکھ دیتے۔ مصنوعی چہرے پہناتے عورتوں کے سروں پر تاج رکھتے۔ دفنانے کی ریت پیلازجیوں کی دینی خصوصیت تھی۔ زمین پرستی ان کے مسلک کی اساس تھی۔ زعیم زمین تلے پہنچتے ہی دیوتا بن جاتا اور پجنے لگتا۔ پیلازجیوں کے دیوی دیوتا تحت الارضی تھے۔

پیلازجیوں کی تہذیب تانبے اور برنج کے زمانے سے تعلق رکھتی ہے۔ ابتداء میں پتھر کے زمانے کے آثار پائے جاتے۔ لوگ تلواروں، بھالوں اور تیروں سے لڑتے، بڑے بڑے چرمی خود پہنتے۔ قد آدم ڈھال سے مدافعت کرتے۔ شہزادے دو گھوڑا رتھ پر چڑھ کر محاذ جنگ پر جاتے۔ لوہے کا استعمال عام نہ تھا آخری عہد میں بھی لوہا اتنا گراں اور نادر تھا کہ اس سے صرف زیور بناتے ان کے خلاف آکیائی لوہے کے عام استعمال سے بخوبی آشنا تھے اور غالباً اسی لیے یونان کے قدیم باشندوں پر غالب آئے۔

مائی سینی میں پروان چڑھنے کی وجہ سے پیلازجی تمدن، مائی سینیائی تمدن کہلایا مائی سینی ریاست بحر ایجیئن کے ساحل پر مضبوط ترین اور دولت سے معمور تھی بڑا شہر تھا۔ اس سے کم تر لیکن قدیم تر شہر تائی رنز میں بھی پیلازجیائی تمدن کے آثار پائے گئے۔ سمندری ساحل سے ڈیڑھ میل دور ایک کم بلند چٹان پہ واقع تھا اور گرد دلدل تھی۔ چٹان کے تین تختے تھے۔ بلند ترین تختے پر قدیم اسلوب تعمیر کے مطابق قلعہ، محل اور معبد یکجا تھے۔ چٹان کے ارد گرد پتھر کی دیوار کھڑی کی گئی۔ سلیں مٹی کے مصالحے سے جوڑی گئیں کہتے

منفی فوقیت حاصل تھی۔ وہ قبائلی یا مقامی نہ تھے۔ لیکن خدا تھے۔ وہ اس وقت بین الاقوامی تھے
کہیں بھی ان کی جڑیں مضبوط نہ تھیں۔ البتہ جہاں کہیں مماثلت مقامی خدا سے مماثلت نکل
آتی بات بن جاتی ؛ جو علاقے فاتحین کے زیر نگیں آئے ان کے مرکزی مقامات آسانی سے نئے
دیو مالا کی گرفت میں آئے لیکن دور افتادہ مقامات پرانی روش پر قائم رہے

آکیاؤں کے حمد گو شاعروں، ہومر اور ہی سیود، نے قدیم و جدید کے مواد سے دیو مالا کو
سائنسی خطوط پر مرتب کیا۔ بے نام شے کو نام دیا۔ معیّن شکل و صورت دی۔ نوک پلک سنواری
حسن کی تخلیق کی اور دیو مالا کو ایک دلفریب شعر بنا دیا۔ ناپختہ عبادت گاہوں، مقدس شجر
گاہوں پے پٹے ہوئے میدانوں، مقبروں اور خانقاہوں کے وسیع آنگنوں میں عبادت کے طور
پر جو لوک گیت اور لوک ناچ پیش کئے جاتے نیز جو رسمیں ادا کی جاتیں ان میں ترمیم و
اضافہ کیا گیا۔

ہومر اور ہی سیود کی داستانیں نہایت آزادی سے یونان کے گلی کوچوں میں گھومنے
پھرنے لگیں۔ یہی جدید ادب کی جان تھیں اور معتقدات کا نیا مرقّع، ان دینی دستاویزوں

ہیں کہ اس عظیم الشان فصیل کو لیشیا کی جناتی مخلوق۔ سائیکلوپوں۔ نے بنایا۔ آکیاؤں کی روایت
کے بموجب پرانی نسل کے ان خداؤں نے دس سالہ خانہ جنگی میں زیوس کا ساتھ دیا۔ اوڈی سیس
نے ایلیون کے محاذِ جنگ سے فراغت پانے کے بعد گھر کو مراجعت کی تو راستے میں آدم خور سائیکلوپوں
کے جزیرے میں چلا گیا اور حسن تدبر سے جان بچا کر نکلا۔ ملاحظہ ہو (الف) "ہیرو ڈوٹس کی ہسٹریز"
صفحات ۵۳، ۵۷ (پینگوئن بکس سنہ ۱۹۵۴ء) (ب) پروفیسر جے سی سٹوبرٹ کی تالیف
THE GLORY THAT WAS GREECE صفحات ۱۰۷، ۱۸۳ (سیجوک اینڈ جیکسن، لندن
۱۹۵۱ء) (ج) سر ولیم رجسے کی تالیف EARLY AGE OF GREECE مطبوعہ ۱۹۰۱ء (د) پروفیسر
جے بی بری کی A HISTORY OF GREECE (ماڈرن لائبریری، نیویارک سن طباعت ندارد)
۱۔ FIVE STAGES صفحہ ۶۷۔

اور صحیفوں میں فاتحین کا ذکرِ خیر تو موجود تھا لیکن ان کے پیشروؤں کے تمدنی کارناموں کا بیان نہ تھا۔ حالانکہ منٹی دیو مالا کے یہی سب سے اہم ماخذ ہیں۔

لاطینی شاعر اووِڈ نے بھی بڑی تفصیل سے دیو مالا کی کہانیاں نظم کی ہیں۔ لیکن وہ ان پر ایمان نہ رکھتا، ایمان تو در کنار وہ انہیں لغو قرار دیتا۔ چنانچہ کہتا ہے "میں تو پرانے لوگوں کے ہولناک جھوٹ کی بکواس کرتا ہوں۔ چشم انسانی نے اب یا تب کبھی اتنا بڑا جھوٹ نہیں دیکھا"۔

چھٹی صدی ق م کے آخر میں پندار نے کھیلوں اور کھلاڑیوں کی کامیابی پر بڑی دلاویز نظمیں کہیں۔ انہی میں دیو مالا کی کہانیاں سموئیں۔ اس کے بعد پانچویں صدی ق م کے ڈراما نگاروں (ایسکی لس، سوفوکلیز اور یوری پیڈیز) نے دیو مالا کے مواد سے لازوال فن پارے تخلیق کیے۔ افسوس! ان عظمت مآب فن کاروں کی بیشتر تخلیقات تلف ہو چکی ہیں تاہم چند ایک جو رہ گئی ہیں فنی اور علمی اعتبار سے گراں مایہ ہیں۔ انہیں سے تاریخیں مرتب ہوئیں۔ اور ڈرامے کی روایت آگے بڑھی۔ یونانی دیو مالا کو غیر فانی اور عالمگیر شہرت ملی۔ طربیہ نگار ایرسطوفنیز کے یہاں دیو مالا کی تلمیحات ملتی ہیں۔ اسی زمانے میں یورپ کے مورخ اول ہیرودوتس نے سحر بانی رسموں کے متعلق نہایت قیمتی مواد جمع کیا۔ مسیح سے اڑھائی صدی قبل اپولونیس اور تھیوکریٹس نے بھی دیو مالا کے چند قصے نظم کیے۔

کیوپڈ اور سائیکی کا قصہ صرف لاطینی مصنف اپولیس (دو صدی بعد از مسیح) کے یہاں ملتا ہے۔

ا۔ "عظیم المیہ نگار فقط چار ہیں جن میں سے تین یونانی ہیں"۔ یونانیوں کے نام اوپر متن میں مندرج ہیں۔ چوتھا فن کار شیکسپیئر ہے۔ ایڈتھ ہملٹن کی تالیف THE GREEK WAY TO WESTERN CIVILIZATION، باب گیارہ

اووِد کی طرح اپولو دورس نے بھی دیو مالا پر بہت کچھ لکھا ہے۔ اگرچہ اس نے مبالغے سے کام نہیں لیا تاہم اس کی تحریریں خشک ہیں۔ سر جیمز فریزر کے خیال میں اپولو دورس دوسری صدی بعد از مسیح میں ہو گزرا ہے۔

یونانی سیاح پوسینی ایس سیاحت کے دوران میں جہاں کہیں گیا وہاں کی داستانیں قلمبند کرتا گیا۔ اس کی تحریروں میں متانت کا عنصر غالب ہے۔ یہ بھی دوسری صدی بعد از مسیح میں ہوا۔

دیو مالا کے مصنفین میں لاطینی شاعر ورجل (۷۰ سنہ ۱۹ ق م) بڑا اونچا مقام رکھتا ہے "وہ اووِد کا ہم عصر تھا اور اسی کی طرح دیو مالا کی کہانیوں پر یقین نہ رکھتا۔" تاہم اس نے ان میں انسانی فطرت عیاں پائی۔ اس نے دیو مالا کی ہستیوں کو اس جذبے سے زندہ کیا کہ یونانی المیہ نگاروں کے بعد اس کے سوا کوئی نہ کر سکا۔"[۱]

عہد جاہلیت

ہر نسل اور قوم کا عہدِ طفولیت معصوم سہی، تاہم لاعلمی کا شکار ہوتا ہے۔ قدیم یونانی اس کلیے سے مستثنیٰ نہیں۔ ان کے یہاں بھی ایک ایسا عہد گزرا جو بعد کے ترقی یافتہ عہد کے مقابل کم آگاہی کا عہد تھا۔ یوں تو عہد جاہلیت میں سحر و طلسم اور دیو مالا ناپید نہ تھی۔ اور لوگ مطمئن تھے۔ معمولات حیات کے لئے اقدار و افکار اور تصورات کا حسب ضرورت کافی ذخیرہ رکھتے لیکن تہذیب و تمدن کے نئے ریلے کے سامنے ٹھہرنا آسان نہ تھا۔ دیسیوں میں بڑھتے پھیلنے کی صلاحیت محدود تھی۔ انہوں نے اپنا اور اپنے دیس کا وہ نام پیدا نہیں کیا جو بدیسی فاتحین نے کیا۔ وہ تادیر دینِ اسلاف پر قائم نہ رہ سکے۔

۱۔ ایڈیتھ ہیملٹن کی تالیف MYTHOLOGY صفحہ ۲۳ مطبوعہ نیو امریکن لائبریری، بارھواں ایڈیشن ۱۹۵۹ء

عہدِ جاہلیت کا دین کہ اصنام پرستی کا دوسرا نام تھا۔ امتیازی خدوخال سے عاری تھا۔ دیوتا معیّنہ اوصاف و خصوصیات تو درکنار نام تک نہ رکھتے۔ دین میں ٹھہراؤ پیدا تھا اور نشو و ارتقاء کا سلسلہ ناپید۔ آکیاؤں کی آمد پر ارتقاء کی تحریک جاری ہوئی۔ ہیرودوتس کا یہ بیان اس پر شاہد ہے۔

"مجھے دودونا[۱] میں جو کچھ بتایا گیا اس سے معلوم ہوا کہ پرانے پیلازجی ہر قسم کی قربانی دیتے اور ایسے دیوتاؤں کو پوجتے جن کا نہ کوئی نام تھا اور نہ لقب کہ امتیاز قائم کیا جا سکتا۔ نام اور لقب ایسی چیز انہوں نے ہنوز نہ سنی تھی۔ وہ دیوتاؤں کو یونانی لفظ THEOI سے پکارتے جس کے معنی تھے نمٹانے والے۔ دیوتاؤں نے ہر چیز کو نمٹایا، باقاعدگی سے مرتب کیا اور موزوں شعبوں میں بانٹا۔ مدتوں بعد یونان میں مصر سے خداؤں کے نام لائے گئے جنہیں پیلازجیوں نے سیکھا۔ البتہ دائی اونائیس مستثنیٰ رہا کیونکہ اس کی بابت ایک زمانے تک کچھ علم نہ ہوا۔ پھر زمانہ گزرتا گیا۔ آخر انہوں نے دودونا کے کاہن کے پاس آدمی بھیجا تب یونان بھر میں دودونا ہی تو ایک دارالکہانت تھا اور قدیم ترین بھی۔ قاصد نے مشورے کی نسبت سے پوچھا کہ پردیس سے جو نام آئے ہیں، انہیں اپنانا کہاں تک روا ہے کاہن نے جواباً کہا کہ انہیں اپنانا درست ہے۔ پس تب سے پیلازجی قربانی پر نام لے کر خداؤں کو پکارنے لگے۔ پھر یہ نام پیلازجیوں کی وساطت سے یونان میں پھیلے" [۲]

۱۔ ایڈتھ ہملٹن کی تالیف MYTHOLOGY، صفحہ ۲۳ مطبوعہ نیو امیریکن لائبریری، بارھواں ایڈیشن ۱۹۵۹ء۔

۱۔ DODONA

۲۔ "ہسٹریز" صفحات ۱۲۳، ۱۲۴ مصری دیومالا کے اثرات اور آکیائی تحریک کے ضمن میں یہ بیان نہایت ہی اہم ہے۔ پہلے مس ہیریسن نے PROLEGO میں اور پھر پروفیسر گلبرٹ مرے نے FIVE STAGES میں اسے نقل کیا۔ پروفیسر مرے نے موصوفہ کی سرتاپا تائید کی ہے۔

بے نام خداؤں کے باب میں مس ہیرئیسن بتاتی ہیں کہ عہدِ جاہلیت کے خدا بعض مشترکہ اوصاف و خصائل سے جانے پہنچانے جاتے۔ غالباً یہ خدا زمین، آسمان اور سمندر ایسے مظاہرِ قدرت تھے۔ انسان کے دماغ پر جب اور جہاں ہوش و خرد کی پہلی کرن پڑی شعور نے بیداری کی پہلی کروٹ لی اور اس نے گرد و پیش کو دیکھا۔ تو سب سے پہلے اسے زمین سے پالا پڑا جو پاؤں تلے تھی۔ جس پر وہ ٹھکانا بناتا اور جس کے دامن سے رزق کے اسباب وابستہ تھے۔ زمین ہی پر مرنا جینا تھا۔ یہی پروردگار تھی، ماں تھی، دیوی تھی۔ اسی سے زرخیزی کی رسموں رسموں کو جنم ملا جو جذبات کی دنیا میں نچلی سطح پر سب سے زیادہ اہمیت رکھتیں۔ دھرتی ہی سے دیومالا کی داغ بیل پڑی۔ زمین پرستی دنیا کا پہلا دین قرار پایا۔

بے نام خداؤں کے بے نام ہونے کی ایک وجہ ان کی کثرت تھی۔ بستی بستی اور قبیلے قبیلے کا خدا جدا تھا۔ مروجہ دستور کے بموجب آئے دن خدا پیدا ہوتے۔ ہر زعیم مر کر خدا بنتا اور دیومالا میں شامل ہوتا۔ خداگری کا سلسلہ برابر جاری رہتا۔ اسی لئے ناموں کے پھیر میں پڑنے سے تو یہی بہتر تھا کہ خداؤں کو عمومی اوصاف و خصائل سے موسوم کیا جائے تب خدا شعبوں میں منقسم نہ تھے۔ شعبہ وارانہ تقسیم کے فقدان کی وجہ شاید یہ تھی۔ کہ مرنے کے بعد تمام زعیم یکساں درجہ اور اوصاف و خصائل رکھتے۔ "ہر مقامی زعیم کو لڑائی میں اپنے کنبے کی مدد کو آنا پڑتا۔ قبیلے والوں کو فصلیں فراہم کرنی پڑتیں۔ اور ان کی نسل بڑھانی پڑتی۔ جب قبیلہ حیران و پریشان ہوتا تو کاہن بن کر اسے راہ دکھانی پڑتی۔ اسی کو ہر ہنگامی ضرورت سے نمٹنے کے لئے تیار رہنا پڑتا۔ یہ بھی اسی کا کام یہ تھا کہ وقت پڑے تو ٹوٹتا ہوا برتن جوڑ دے"[1]

لیکن اس کا سب سے بڑا کام یہ تھا کہ بیماروں کو تندرست کرے۔ معالجانہ خوبی ایسے اُلمپس کے دیوی دیوتاؤں کے ہم پایہ کرتی اور فاتحین کے لائق۔ قدیم نقاشوں اور بت پرستوں

---

[1] PROLEGO صفحہ ۲۰۰

اَلیسکلی پلیس۲ نامی زعیم معالج کو پلیس کس قدر زیوس کے ہم شکل ظاہر کیا۔ ایک تصویر میں یہ رلیشور دیوتا لاٹھی کا ٹیکا لئے کھڑا ہے۔ پہلو میں بہت بڑا ناگ بل کھائے کھڑا ہے پہلو میں بہت بڑا ناگ بل کھائے کھڑا ہے۔ رد یرو پجاری ہیں۔ اگرچہ ناگ بہت بڑا ہے تاہم بل کھا کر دیوتا کے ہم قامت ہو گیا ہے۔ ناگ اصل میں دیوتا کا وصف اور ظاہری روپ ہے۔ بالفاظ دیگر یہ ایک ہی کے دو روپ ہیں۔ یہ ناگ پُراسرار اور مہلک زمینی کیڑا ہے جو مرکر دیوتا ہوا[۱]

عہد جاہلیت میں لوگ کم پختہ اور پریشان شعور کے باعث دیوی دیوتاؤں کو الگ الگ شکل وصورت دیتے۔ ہر قبیلے اور ہر بستی میں تخلیقی صلاحیت کا الگ الگ مظاہرہ ہوتا۔ دیومالا میں حسب ضرورت ہر دم ترمیم و اضافہ کی گنجائش رہتی۔ دیومالا میں بڑی لچک ہوتی اور لوگوں کے ذہنی تغیرات اس میں راہ پاتے "بھوت پریت اور باقاعدہ دیوی دیوتا میں جو فرق پایا جاتا وہ بہترین طریق پر اس اصول سے معلوم ہو سکتا ہے کہ انسان اپنی ہی صورت پر اپنے معبود وضع کرتا۔"۱ جوں جوں اس کی اپنی صورت بدلتی توں توں اس کے معبودوں کی ہیئت میں تبدیلی آتی۔

۲۔ ASKLEPIOS ۳۔ PROLEGO صفحات ۳۴۰ سے ۳۴۴ تک

۱۔ ایضاً صفحہ ۲۵۰ مس ایڈتھ ہملٹن نے اس نظریے کی یوں صراحت کی ہے۔ "یونانیوں نے اپنی صورت پر اپنے خدا وضع کئے۔ یہ خیال پہلے کبھی انسان کو نہ سوجھا۔ پہلے خدا اصلیت کا روپ نہ رکھتے وہ تمام جانداروں سے مختلف ہوتے۔ مصر میں مینار نما کولوسس بے حرکت تھا۔ اس کے باب میں حرکت کا تصور غیر ممکن تھا۔ پتھر میں یوں جمایا گیا۔ جیسے معبد کا زبردست ستون ہو۔ گویہ انسانی صورت کی ترجمانی کرتا تاہم اسے دانستہ غیر انسانی روپ دیا گیا۔ یہی خدا کبھی بلی کے سر والی عورت کی سنگین صورت میں ظاہر ہوتے۔ جس سے شدید قسم کی غیر انسانی سنگدلی کا گمان گزرتا یا پھر ہر ذی حیات سے الگ تھلگ پراسرار راکھشس یا ابوالہول ہوتے۔ میسوپوتیمیا میں خداؤں کی تشکیلیں درندوں کی سی تھی لیکن کسی ایسے درندے سے مماثل نہ تھیں جو آدمی کے علم میں ہو۔ انسانوں پر پرندوں کے سر، شیروں پر سانڈوں کے اور دونوں کو عقاب کے پر لگے ہوتے۔ یہ ان لوگوں کی تخلیق تھی جو ایسی صورتیں

فرائیڈ کی رائے میں خدا کو باپ کی شکل پر تخلیق کیا گیا۔ باپ کنبے اور قبیلے کا سربراہ ہوتا
بیٹے، کنبے اور قبیلے کی زندگی باپ کے گرد گھومتی۔ پھر یہ سب مل کر خدا کے گرد گھومتے خدا
بنانا چاہتے ہیں۔ جنہیں کسی نے کبھی نہ دیکھا۔ یہ تصویریں فن کاروں کے اذہان میں موجود تھیں تصنع کی یہ انتہاء تھی۔

"یونان سے قبل دنیا ایسے ہی معبودوں کو پوجتی۔ بس اتنا ہو کہ تصور میں ان کے برابر کسی معبود کا یونانی بت رکھ دیا جائے۔ یہ بت یہ کمال رعنائی کس قدر معمول کے مطابق اور فطری ہوگا۔ اس طرح یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ دنیا میں کیسے نیا خیال پیدا ہوا! اسی کے ساتھ دنیا تعقل پسند ہوئی۔

"سینٹ پال نے کہا کہ غائب کو حاضر کے ذریعے سمجھنا چاہیئے۔ یہ خیال عبرانی نہیں یونانی ہے۔ جہاں تک قدیم دنیا کا تعلق ہے صرف یونان والے حاضر کے خیال میں محو تھے۔ وہ دراصل گردوپیش کی دنیا میں اپنی امنگوں کی تسکین پاتے۔ بت تراش کھیلوں کے دوران میں کھلاڑیوں کو مقابلہ کرتے دیکھتا۔ وہ ان جوانوں اور توانا بدنوں سے بڑھ کر اپنی چشم تصور میں کسی کو حسین نہ سمجھتا۔ داستان گو نے ہرمیز دیوتا کو بازار سے گزرتے ہوئے لوگوں میں پایا۔ اس نے خدا کو ایسی عمر میں گبھرو جوان کی مانند دیکھا جب ہومر کے الفاظ میں جوانی سب سے زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ یونانی نقاشوں اور شاعروں نے جان لیا کہ آدمی کس قدر ذی شان، راست قد، تیز رو اور توانا ہو سکتا ہے۔ آدمی ان کی جستجوئے حسن کا جواب تھا۔ ان کی یہ خواہش نہ تھی کہ تخیل کی تراشی ہوئی کوئی فرضی تصویر پیش کریں۔

"ان انسانی خداؤں نے قدرتی طور پر فلک کو خوش گوار مانوس مقام بنا دیا۔ یونان کے لوگ یہاں اپنائیت محسوس کرتے۔ انہیں ٹھیک ٹھیک معلوم تھا کہ خدا فلکی مسکن میں کیا کرتے، کیا کھاتے پیتے، کہاں ضیافتیں اڑاتے اور کس طرح جی بہلاتے۔ لاریب لوگ ان سے ڈرتے کیونکہ وہ برہمی کے عالم میں بڑے قوی اور خطرناک ہوتے تاہم مناسب احتیاط برت کر آدمی خداؤں سے خاصے اچھے تعلقات پیدا کر سکتا۔ وہ تو بلکہ کامل آزادی سے ان پر ہنس لیتا۔ زیوس جو دوسری عورتوں سے اپنی محبت کے معاملات کو بیوی (ہیرا دیوی) سے چھپانے کی کوشش کرتا سب سے زیادہ تفنن تمسخر کا موضوع تھا۔ اسی بنا پر یونانی اس کی ذات سے حظ پاتے اور اسے پسند کرتے۔ ہیرا دیوی طربیے کا ایسا کردار تھی جو حاسد بیوی ہوتے یا اپنے شوہر کو بے آرام کرتے نیز رقیب کو سزا دینے کی غرض سے دانشمندانہ تدبیریں اختیار کرنے کے باعث یونانیوں کو ناخوش تو کیا اس طرح لطف اندوز کرتی جس طرح ہیرا کا نیک شریک حیات آج ہمیں

میں عبادت کی ریتیں رسمیں اور تمام دینی مصروفیتیں سمٹ آئیں۔ خدا درحقیقت باپ ہی کی رفعت یافتہ صورت تھی! باپ سے پہلے خدا ماں کی شکل پر تراشے گئے۔

ناگ پوجا

فراہم شدہ معلومات کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ عبادت کے لائق سب سے پہلی ہستی دھرتی تھی۔ دھرتی ہی دیو مالا کی کلید تھی اور دھرتی پوجا پھیلا دین۔ دھرتی پوجا کی ایک شکل ناگ پوجا تھی۔

ناگ عہد جاہلیت کے معبودوں میں نہایت اہم معبود تھا۔ حشرات الارض میں سب سے زیادہ خوشنما، پراسرار اور مہلک تھا۔ زمین سے واسطہ رکھتا اور پاتال میں رہتا۔ معبود کو یہ اوصاف کافی تھے۔ وہ لوگ جو ابھی رُموز کائنات اور حیاتیات کی الف بے بھی نہ سیکھ پائے اسے محیر العقول طاقت کا حامل سمجھے۔ ان کے نزدیک یہ روح بردار تھا! زندگی اور موت سے گہرا رشتہ رکھتا۔ زعیم مر کر ناگ بن جاتا اور پوجنے لگتا۔ ایسے میں زعیم "بہتر و برتر اور توانا تر" سمجھا جاتا۔ یونان بھر میں مرنے کے بعد زعیم ناگ کی صورت میں بجتا اور ایسے توصیفی لقب

لطف اندوز کرتا ہے۔ یہ داستانیں دوستانہ جذبات سے تراشی گئیں۔ مصر کے ابوالہول یا اشوریا کے درندہ نما پرندے کے حضور میں ہستی کا تصور بھی نہ کیا جا سکتا۔ لیکن الپس پر یہی حرکت بالکل فطری ہوتی۔ اسی لئے یونانی خدا ہم جلیس ہونے کے قابل ہوئے۔

"زمین پر دیوی دیوتا حد سے زیادہ بطور انسان جاذب توجہ تھے۔ حسین جوانوں اور کنواریوں کے روپ میں یہ دیوی دیوتا، خوشنما زمین اور بحر و دریا سے اپنا مزاج ہم آہنگ کر کے جنگلوں، دریاؤں اور سمندر میں جا بستے"۔ MYTHOLOGY. صفحات ۱۶، ۱۷

۱۔ "ٹوٹم اینڈ ٹیبو، صفحہ ۱۴۷

ا۔ ناگ کے علاوہ بعض پرندے بھی روحوں کے نقل و حمل کے وسیلے تھے۔ یہ پرندے آدمی کا سر رکھتے ان میں سے بعض گنبدوں پر بیٹھتے۔ ناگ بھوت اور پنچھی بھوت میں نمایاں فرق یہ تھا کہ اول الذکر آدمیوں کے لئے اور ثانی الذکر عورتوں کے لئے ہوتا۔ ناگ عام طور پر کسی جد امجد کا بھوت خیال کیا جاتا۔

سے مخاطب کیا جاتا جو ناگ کے مترادف تھا۔" ۲

ناگ پوجا فی الاصل زعیم پرستی کی واضح صورت تھی۔ زعیم دھرتی کا سپوت ہوتا۔ ناگ بن کر زعیم پرستی کی واضح صورت تھی۔ زعیم دھرتی کا سپوت ہوتا۔ ناگ بن کر زعیم زیر تربت یا زیر گنبد رہتا تربت پر علی العموم ناگ کے نقش بنائے جاتے۔ کون نہ جانتا کہ ناگ تربتوں میں گھر بناتا؟

عہد جاہلیت میں انسان کا ناگ بننا حقیقت مانا جاتا۔ چنانچہ دوسری صدی بعد از مسیح کا مصنف ایلین۳ اپنی تالیف "حیوانات کی فطرت" میں بتاتا ہے کہ مرنے کے بعد جب ریڑھ کی ہڈی کا گودا گل سڑ جاتا تو یہ سانپ بن جاتی۔ ریڑھ کی مالا کی تشکل سانپ ہی کی سی ہوتی۔ عجب نہیں کہ نعش کے پاس سانپ کا پایا جانا اس خیال کا محرک ہو۔ پلوتارک بتاتا ہے کہ جب سپارٹا کا آخری تاجدار کلی ادم اینیسز (۲۳۶ سے ۲۲۲ ق۔م) شکست کھا کر مصر کو فرار ہوا اور اسے اذیت دی گئی تو اس کے سر سے ایک بڑا ناگ لپٹا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر لوگوں نے اسے خانیوں سے بڑھ کر رتبے والا جانا۔ پلوتارک کے الفاظ میں "پرانے وقتوں کے لوگ ناگ کو درندوں سے زیادہ زعیموں سے منسوب کرتے۔ حکماء کے خیال میں جب عمل تبخر سے ہڈیوں کے گودے کی رطوبت خارج ہو جاتی تو وہ بوجھل ہو جاتا اور سانپ پیدا کرتا۔" ۱

ناگ پوجا کسی نامعلوم زمانے میں فنیقیا سے درآمد ہوئی۔ چنانچہ ایم فوکارٹ۲ (بحوالہ مس ہیریسن) رقم طراز ہے کہ برلن میوزیم کے مہتمموں نے زیوس ناگ۳ کے چند ایسے نقوش برآمد کئے جن سے فنیقی اثرات کا سراغ ملتا۔ انہیں فنیقی دیوتا بعل مولوک۴ متصور کیا گیا۔

ناگ پوجا کی ریت میں بہ تعداد کثیر سؤر جلائے جاتے۔ سوختنی قربانی غضب آلود اور غضب

۲۔ PROLEGO، صفحہ ۲۰

۳۔ AELIAN کی تالیف چودہ کتابوں پر مشتمل ہے۔

۱۔ PROLEGO، صفحات ۳۲۰، ۳۲۱

۲۔ M. FAUCART

۳۔ ZEUS MEILICHIAUS

۴۔ BAAL MALOCH

ماں دیوی دیوتاؤں کے تمام گروہوں کی خصوصیت تھی۔

"خوبیٔ قسمت سے سیاح پوسینی ایس نے مائی اونیا میں اپنے قیام کے دوران میں ایک خانقاہ کی زیارت کی جو زیوکس ناگ سے موسوم نہ تھی۔ تاہم ناگ دیو کے ماننے والوں کی جائے عبادت تھی۔ اس نے وہاں نہ مندر پایا نہ شجر گاہ اور نہ قربان گاہ۔ اس نے یہاں ناگ پوجا کی ریت کی حقیقت جانی۔ رات کے اندھیرے میں ناگ دیو کے نام کی قربانی دی جاتی۔ اور رواجاً "سورج نکلنے سے پہلے پہلے وہیں اس کا گوشت کھا لیا جاتا۔" ۵

ناگ پوجا سے تین باتیں واضح ہیں۔

ناگ بل میں رہتا۔ یوں زمین سے وابستہ ہوا۔

دھرتی سب سے قدیم زرخیزی کی دیوی ہے۔ دھرتی کے رشتے سے ناگ زرخیزی کا دیوتا ہوا۔

سؤر کہ سوختنی کیا جاتا زرخیزی کی علامت ہے۔

ناگ پوجا کی غایت (فصل اور نسل کی افزائش) کے سوا اور کیا ہو سکتی؟ زعیم رتبے کے بعد کنبے قبیلے کی سلامتی، کامرانی اور ترقی کا ضامن ہوتا۔ اپنوں کی رہبری کرتا۔

آکیاؤں کی آمد کے بعد دھرتی پوجا جس کی ایک صورت ناگ پوجا (یا بلوان پوجا، زعیم پرستی) تھی۔ مٹائی نہ جا سکی۔ البتہ معبود کی ہیئت بدلائی گئی۔ ریشنور ناگ کا ظہور آکیاؤں کی جدت تھی۔ یوں پیلازجیوں کا ناگ دیو انسان نما بن گیا۔ یاد رہے کہ آکیاؤں کے زندہ دل اور کھلنڈرے خدا انسان نما بلکہ انسانوں کا نقش ثانی ہوتے۔ ریشنور ارتقاء کی کڑی تھی۔ دیوتاؤں کو انسان نما بنانے کے عمل کو ظاہر کرتی۔ ریشنور ناگ زیوس میلی کیوس (عبوری دور کی پیداوار تھا۔ بعض جانوروں کو انسانی چہرے لگانے کی بھی یہی توجیہ ہے اور پھر دیوتا موقع بہ موقع

۵- PROLEGO صفحہ ۱۶

حسبِ ضرورت جانوروں کی ہیئت اختیار کر لیتے ۔ چنانچہ جب زیوس حسین و جمیل یوُروپا پر فریفتہ ہوا تو خوبصورت بیل بن کر اس کے پاس آیا اور دھوکے سے پیٹھ پر بٹھا کر اسے لے اڑا۔

ریشوُر ناگ کے ضمن میں مس ہیریسن نے ڈاکٹر ہینس گیڈو سے استفادہ کیا جو ناگ کے ڈھانچے اور خصائل پر سند تھے۔ موصوف ایک قدیم منقوش ناگ کی بابت بتاتے ہیں کہ COELOPELTIS LACERTINA کہلاتا اور ہسپانیہ میں پایا جاتا ۔ عموماً چھ فٹ لمبا ہوتا ۔ حیوانیاتی نام سے عیاں ہے کہ اس کا سر چھپکلی کی مانند ہوتا اور دوسرے ناگوں کی طرح ابھرا ہوا نہیں بلکہ پچکا ہوا ۔ یہ نوع چوہوں ، چھپکلیوں وغیرہ کے حق میں مہلک اور آدمی کے حق میں غیر مہلک بلکہ بے ضرر تھی ۔ اس کا سبب زہر کی کچلیوں کی ساخت تھا ۔ قدماء غالباً اس صورت حال سے آگاہ تھے ۔ البتہ ریش کی بات غلط تھی ۔ اس کا نچلا جبڑا لٹکا ہوا تھا ۔ جس سے ریش کا شائبہ ہوتا ۔ عجب نہیں کہ ہیرا ولین کے نقاشوں ، بت تراشوں اور کوزہ گروں نے صرف لٹکا ہوا جبڑا دکھایا ہو ۔ لیکن بعد کے فنکاروں نے نئی دینی تحریک کے زیرِ اثر ریشوُر بنا دیا ہو ویسے بعض نقوش میں ریش کی جگہ نچلا جبڑا ہے ۔

ناگ کو انسان نما بننے میں اس مروجہ نظریے سے مدد ملی ہوگی کہ مردے کی ریڑھ کی مالا سانپ بن جاتی ۔

عہدِ جاہلیت میں ناگ دیوبے نام تھا ۔ اس کا نام محض وصفی اور عمومی تھا ۔ مس ہیریسن کی رائے میں ربِ الشمس اپالو ، ارطمس اور زیوس ابتداء میں غالباً وصفی اور عمومی نام رکھتے ۔ بعد میں انہیں تخصیصی اور انفرادی نام ملے ۔ آکیاؤں کی آمد پر جب دو تہذیبوں میں ٹکراؤ ہوا تو ناگ دیو اور زیوس مل کر ایک ہوئے ۔ نیا دیوتا (زیوس میلی کیوس) نہ تو اصلاً زیوس تھا اور نہ المپس کے محاسن کا حامل ۔ فلک کی بجائے پاتال کا دیوتا اور وہیں کا باسی تھا ۔ ناگ کی بہتات اور اس کی پوجا کی تعمیم نے اسے کسی زعیم سے موسوم نہ ہونے دیا ۔ ہر زعیم بلا تخصیص ناگ ہوتا ۔

زیوس ناگ اور ناگ پوجا کے باب میں جو شہادتیں دستیاب ہوئی ہیں ۔ ان میں

اہل قلم اور سالار زینوفون[1] کی شہادت قابل ذکر ہے۔ جسے مس ہیریسن نے اپنے یہاں نقل کیا ہے۔

"ایشیائی مہم سے لوٹتے وقت جب زینوفون کے پلے دام نہ رہے۔ تو وہ راستے میں رہ گیا۔ اس نے نیت کر کے ایک عالم دین سے مشورہ کیا۔ اسے بتایا گیا کہ زیوس ناگ راہ میں حائل ہے۔ وہ جیسے گھر پر قربانی دینے کا عادی ہے ویسے بالالتزام دیوتاؤں کی راہ میں قربانی دے۔ چنانچہ اگلے دن زینوفون نے موروثی رواج کے مطابق بہ تعداد کثیر سؤروں کی سوختنی قربانی دی۔ شگون موافق ہو گئے۔"

ناگ دیوس کی موروثی اور باقاعدہ ریت میں بھاری تعداد میں سؤر جلائے جاتے۔ دیوتا دولت کا ذریعہ یعنی ایک طرح کا پلوطس[2] مانا جاتا۔ اس آخری نکتے پر چنداں زور نہیں دیا جا سکتا کیونکہ زینوفون کے زمانے میں لوگ غالباً "ہر مدعا کے لیے خالص اور سیدھے سادے طریقے سے زیوس کی عبادت کرتے۔ بھاری تعداد میں سوختنی قربانی اور ناگ دیو کے لقب کو ملحوظ رکھ کر غور کیا جائے۔ تو فی الان ایک واضح حقیقت کا پتہ چلے گا۔ اس امر کے ثبوت میں شہادت نہیں ملتی

۱۔ XENOPHON ۔ ایتھنز میں غالباً ۴۳۰ ق م پیدا اور کورنتھ میں ۳۵۵ ق م کے لگ بھگ فوت ہوا۔ بچہ ہی تھا کہ ایک دن بازار میں اسے سقراط ملا۔ سقراط نے عام ضروریات کی چیزوں کی بابت اسے پوچھا کہ کہاں ملتی ہیں۔ زینوفون نے ٹھیک ٹھیک بتا دیا۔ پھر سقراط نے پوچھا کہ بہادر اور بھلے لوگ کہاں ملتے ہیں۔ اس پر وہ چکرایا۔ سقراط اسے ساتھ لے گیا۔ یوں دونوں میں یاری ہوئی۔ زینوفون بزرگ فلسفی کا مداح نکلا۔

۲۔ PLOUTAS, PLUTUS دھرتی دیوی کا یہ سپوت یونانی دیومالا میں دولت کا متشخص ہے زرعی معیشت میں دولت کا مخزن ٹھیری یہی سونا اگلتی۔ پلوطس کا دھن دیو ہونا واضح ہے۔

کہ زینوفون نے دی آزیا تہوار پر قربانی دی۔ ویسے اس کا امکان ہے سرِدست ہمیں عمومی طور پر زیوس ناگ کے مسلک سے سروکار ہے۔ نہ کہ خصوصی طور پر دی آزیا تہوار سے۔ تھوسی دی ویزا کے جس پیراگراف پر گفتگو کی گئی ہے اس کا شارح بتاتا ہے کہ دی آزیا تہوار پر بھیڑ قربان کی جاتی اور اگر اس بیان کی بنیاد کسی قدیم سند پر رکھی جائے تو مراد سؤر یا پالتو جانور ہے۔ رفتہ رفتہ اس لفظ کے معنی بھیڑ تک محدود کر لیے گئے۔

"یہ بات قطعی طور پر کہی جاتی ہے کہ دیوتا کی اصلیت متعین کرنے کے لئے قربانی کے جانور کو اہمیت حاصل نہیں۔ سؤر دھرتی دیوی (دی می تر) اور دوسرے پاتالی دیوی دیوتاؤں سے متعلق ہو گیا۔ وجہ یہ تھی۔ کہ دیوی دیوتا ابتدائی دور کے تھے آج کی طرح تب بھی سؤر سستا پل جاتا اور غریبوں کا سہارا بنتا۔ قربانی کا جانور خدا کی حیثیت سے زیادہ پجاری کی حیثیت کے اظہار کی شئے تھی۔ سؤر سے متعلقہ دلیل پر ہرگز زور نہ دینا چاہیئے۔ لاریب زیوس کے حضور سستے سور کی قربانی استثنائی صورت تھی۔

"ناگ کے تقدس کی نمایاں خصوصیت کی اصل کلید قربانی کا طریقہ تھا۔ نہ کہ اس کی جنس، ناگ دیو کے روپ میں زیوس کثیر تعداد میں جانوروں کی سوختنی قربانی کا طلب گار ہوتا۔ جانور بالکل جلا دیئے جاتے۔ ہومر کا زیوس بھی کثیر تعداد میں جانوروں کی سوختنی قربانی طلب کرتا۔ اس نے قربانی کے گوشت کے کچھ ٹکڑے

۱۔ یونانی مورخ اور جرنیل THUCYDIDES (۴۷۰ سے ۴۰۰ ق م) نے زیوس ناگ کے سب سے بڑے تہوار دی آزیا کا حال لکھا ہے۔ تہوار کی رسیں قلعے سے باہر ادا کی جاتی۔ سب لوگ مل کر قربانی دیتے۔ تھوسی دی ویزا کا عظیم ترین اور لافانی شاہکار پیلوپونیشیا کی جنگ کی تاریخ ہے۔ وہ بیس سال تک جلاوطن رہا اور آخر قتل کیا گیا۔ ایتھنز کی سرحدوں سے باہر اس کا مدفن بنا۔

ہی پہنچتے۔ پجاری دوستی کی علامت کے طور پر شرکت کرتے، ابلیس کے، پرستاروں کی بھی عام ریت تھی۔ لیکن زیوس ناگ سب کچھ لیتا یا کچھ نہ لیتا اس کے نام کی قربانی کی ریت جشن عامہ نہ ہوتی۔ یہ تو ہیبت ناک قوت سے پیچھا چھڑانے کا اقدام ہوتی۔ اسی لیئے سنگین افسردگی کی فضا طاری رہتی۔ یہ بات بعد میں دیکھی جائے گی کہ قہرناک ارواح کے نام کی قربانی کا گوشت نہ کھایا نہ جاتا۔ یہ ارواح چاہتیں کہ انہیں منایا جائے۔ پاتالی دیوتاؤں کے تمام گروہوں کی یہی خصوصیت تھی۔ یہ دیوی دیوتا ہومر سے قبل کے نظریات کی پیداوار تھے۔ سر دست اتنی نشان دہی کافی ہے۔ کہ زیوس ناگ سے متعلق یہ ریت ہومر کے زیوس کے لیئے بالکل اجنبی تھی۔

یہاں زیوس کا سوال پیدا ہی نہ ہوتا۔ ہمارے یہاں آزاد دیوی دیوتا ہیں۔ جو اپنی اپنی خصوصیات کے باعث بکتے ہیں۔ ان سے متعلق تقاریب شبانہ بھی منعقد کی جاتی ہیں۔ گمان گزرتا ہے کہ زیوس نے تقاریب شبانہ سمیت ناگ دیو کی پوجا پر قبضہ جمالیا۔ یہ جان کر گمان یقین میں بدل جاتا کہ غضب کی دیویوں[۱] کے مانند زیوس ناگ ہم نسل کے خون کا بدلہ لیتا۔ پوسے نی اس نے کیفیسوس کے پاس زیوس ناگ کی پرانی قربان گاہ دیکھی۔

"جب تھیسیوس نے دوسرے چوروں کے ساتھ سینس کو ہلاک کیا جو پیتھوس کے واسطے سے اس کا قرابت دار ہوتا تو اس نے فائیتے لوس کے جانشینوں کے ہاتھوں خود کو اس قربان گاہ پر پاک کیا۔

"پھر پوسینی ایس یہ بھی بتاتا ہے۔ کہ لڑائی کے بعد آرگوس کے باشندوں نے اپنوں کا لہو بہانے کے گناہ سے دامن پاک کرنے کے لیئے جو اقرارات کیئے۔ ان

۱۔ ای اری نی ایز (ERINYES)

یں ایک اقدام زیوس ناگ کے مجسمے کی تنصیب تھا۔ ناگ دیو سے باآسانی التجا کی جا سکتی۔ وہ بھلا بھی تھا اور مہربان بھی۔ قدرتاً لہو پاک کرنے والا تھا۔ لیکن اسی طور قدرتاً ایک دوسرے وصفی پہلو سے لہو کا پیاسا، بے رحم ہونے اور غضبناک خواہش ظاہر کرنے والا تھا۔ لغت نگار، ہیسی کی اس، یہ بات بڑی صفائی سے بتاتا ہے۔ کہ رحم اور قہر کی دیویوں[1] کے مانند ناگ دیو کے بھی دو رخ تھے پانچویں صدی ق۔م کا ہر تعلیم یافتہ یونانی کہ وحدانیت کا رجحان رکھتا ناگ پوجا کی یہی تشریح کرتا۔ زیوس[2] سب کچھ تھا۔ لیکن زیوس ناگ پاتالی وصف رکھتا۔ وہ پاتالی زیوس[1] تھا۔

"پوسینی اس نے کورنتھ میں ایک کھلی جگہ زیوس کے تین بت دیکھے۔ ایک کا لقب نہ تھا۔ ایک پاتالی دیوتا کہلاتا اور ایک بلند ترین۔ یہ بتانا ممکن نہیں کہ اس تہرے زیوس نے پہلے زمانے کے کون کون سے ادیان اپنی ذات میں جذب کیے۔"[۳]

اس طویل اقتباس اور دودونا کے واقعے سے صاف ظاہر ہے کہ آکیاؤں کی آمد پر نئے اور پرانے ادیان میں تصادم ہوا۔ آکیائی اپنے ہمراہ جو دیوی دیوتا لائے وہ نام ور بھی تھے اور امور و فرائض کے الگ الگ شعبوں کے مختار بھی۔ ادھر پیلازجی انقلاب کی زد میں آئے تو دودونا کی کہانت گاہ پر گئے۔ کاہن جو بے حد باخبر اور رسیلے ہوتے وقت کی نبض پر ہاتھ رکھتے۔ ان کے گرد و پیش خبر رسانی کا ایک عالمگیر جال پھیلا ہوتا۔ وہ آنے والے تہذیبی سیل کو نظر انداز نہ کر سکتے۔ انھوں نے اسی میں خیریت دیکھی کہ نئے دین کا خیر مقدم کریں۔ اور بے نام خداؤں سے

۱۔ GRACES اور FURIES

۲۔ ZEUS HEADS

۳۔ بحوالہ PROLEGO، صفحات ۱۵ تا ۱۷

دستکش ہوں۔ دودونا کی کہانت گاہ سے نئی تحریک چلی اور شعوری انقلاب برپا ہوا۔ یونانی دیومالا نئے موڑ پر آئی اور دودونا کا واقعہ ارتقاء کی بنیادی کڑی بن گیا۔ ۱

ادھر آکیائی بھی دور اندیش تھے۔ انہوں نے آہنی فوقیت کے باعث پیلازجیوں کو شکست تو دی لیکن ذہنی تسخیر کا کام باقی تھا اور بے حد مشکل بھی۔ یہاں آہنی فوقیت بے کار تھی۔ لوگ اپنی تہذیبی متاع سے اپنے ولولوں، جذبوں اور امنگوں کو سرشار رکھتے۔ آبائی دین کی جڑیں ذہنوں اور ضمیروں میں دھنسی ہوئی تھیں۔ مرکر بھی نہ نکلتیں۔ لوگ قبر او رچتا تک اسے لے جاتے۔ قدماء کو آبائی تہذیبی ورثے سے محروم کرنے اور نیا ورثہ قبول کروانے کے لئے بڑی احتیاط تدبّر اور تحمل کی ضرورت تھی۔ آکیاؤں کے تہذیبی ورثے کی چمک دمک سے انکار نہیں لیکن قدماء اپنی ہی متاع کو سینے سے لگائے ہوئے تھے۔ ان کا دین ان کا مزاج تھا۔ اسی لئے فاتحین مجبوراً "کچھ لے اور کچھ دے" کے اصول پر اتر آئے۔ انہوں نے پرانی ریتوں اور روایتوں کو سمیٹ لیا، اپنا لیا۔ پرانے مال پر نئی مہر لگائی۔ نیا رنگ روغن کیا اور حقِ ملکیت بدل لیا۔ ناگ پوجا اس کی بیّن مثال ہے۔ ناگ کو چھپانے کے بعد اسے زیوس میلیکیوس بنایا گیا۔ اور پھر رشی عطا کر کے آکیائی نظریات سے ہم آہنگ کیا گیا۔ ارتقاء کا سلسلہ جاری رہا۔ بالآخر ہومر کا زیوس ظاہر ہوا جو آکیاؤں کا کھرا سکہ تھا اور عہدِ جاہلیت کے کھوٹ سے پاک

۲۔ پروفیسر رِج وے کی EARLY AGE بحوالہ PROLEGO صفحہ ۳۴۹ ارسطو بتاتا ہے کہ دودونا کے اردگرد کا علاقہ یونان سے تعلق رکھتا۔ یہیں زیوس اور اس کی دوسری بیوی وائی اونی نے دھرتی دیوتا اور اسکی پروہتنی کی جگہ لی۔ اسی سے عہدِ جاہلیت کے تابوت میں آخری کیل گڑ گئی۔

مورخین اس تہذیبی انقلاب کے لیے ۱۴۰۰ ق م کا زمانہ تجویز کرتے ہیں۔ پیلازجی فاتحین سے گھلنے ملنے لگے اور جب یونانیوں نے ایلیون کی اینٹ سے اینٹ بجائی تو ان میں اتحاد تھا۔ ہومر نے بروئے حقیقت یا از رہِ تعصب سب کو آکیائی کہا۔ بہر حال پیلازجی فاتحین میں مدغم ہونے پر مجبور تھے جس طرح وہ مغلوب ہو کر آکیاؤں سے گھل مل گئے۔ اسی طرح ان کے دیوی دیوتا اور ان کی ریتیں فاتحین کی دیو مالا میں گھل مل گئیں۔ پرانی اور نئی تہذیب نے مل کر ایک نئی تہذیب کو جنم دیا۔

بہ حسبِ معمول خداکم اور انسان زیادہ تھا۔ اس میں ایک طرف تو جاہ و جلال، قہر و غضب اور عظمت و رفعت تھی۔ دوسری طرف یہ عقلی جذبات سے بہ عجلت مغلوب ہو جاتا۔ عورت اس کی کمزوری تھی۔ ایک اسی کی خاطر زمین سے اس کا رشتہ قائم رہا ورنہ "یوں نہیں کہ المپس کے زیوس کی ذات میں پاتال کی کوئی خصوصیت پائی جاتی۔ یہ بھونڈی سی حقیقت ہے کہ عالم بالا، گرج اور چمک کا خدا پاتال کے قدیم ناگ دیو کا اخراج کرتا ہے۔ ناگ دیو پردیسی موتوک دیوتا نہیں بلکہ دیسی اور زیوس کی تخلیق و تشکیل سے قبل کی شے ہے"[1]

بہر حال آکیاؤں کے نظریاتی تعاون اور ان کی رواداری کی بدولت ناگ پوجا مدتوں جاری رہی۔ ناگ انسان نما بنا[2]۔ یہی ڈرامائی انسان نگار یورپ پیدینہ کا پامالی زیوس ہوا۔

زعیم ____ مردہ اور زندہ

عہدِ جاہلیت کے پہلا زعیموں کا زعیم کر مرکر پہتا زندگی میں غضب کی شخصیت ہوتا اور مہمات سر کرتا، عام ذہنی و بدنی سطح سے کہیں زیادہ بلند اور چمن کا دیدہ ور ہونے کے باعث قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا جاتا۔ لوگ اس کی صلاحیتوں سے مرعوب ہو کر اسے انسان سے بالاتر سمجھتے۔ ہیرو سے مراد "قوی، مضبوط، ذی شان اور قابلِ احترام" تھا۔ آکیاؤں کے یہاں بھی یہ تصور پایا جاتا۔ چنانچہ ہومر کا زعیم زبردست انسان اور خدا کا بیٹا ہونے کے باعث خدا کو پیارا ہوتا۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ایک خدا اس کی سرپرستی کرتا تو دوسرا دشمنی، اسی لئے تو کہتے ہیں کہ ایلیون میں دس سال تک انسان نہیں خدا لڑتے رہے۔ انہی نے محاذِ جنگ پر زعماء کو بامراد یا نامراد کیا۔ بیشتر کو خداؤں نے تربیت دی، اپنے اوصاف دیئے اور حربے بھی۔ مرنے پر قدیم و جدید ہر عہد کا زعیم "برتر اور قوی تر" ہو جاتا۔ قدیم دستور کے مطابق نام غائب ہو جاتا۔ کیونکہ نام عام ہوتا۔ لوگ اس سے آشنا ہوتے اور گھر کی چیز لگتا۔ نام کے بغیر مرنے

۱۔ PROLEGO

۲۔ ANTHOROPOMORPHIC آدمی کے لئے یونانی لفظ ANTHROPOS ہے۔

والا اجنبی، پراسرار اور معبود بن جاتا۔ مرنے کے بعد نئی عظمت اور قوت جنم لیتی جو لوگوں کے متوہمانہ مزاج کا عکس ہوتی۔ قدیم قبائل توہم پرست تھے۔ وہ تو اپنے سایے سے بھی ڈرتے۔ مرنے والے کو یا تو مہربان، مردِ ضعیف اور سیاہ رو ایسے توصیفی ناموں سے پکارتے یا پھر صیغہ غائب (مذکر یا مونث) کی ضمیر سے۔

زعماء کو ایزادی ناموں سے پکارنے کا بھی دستور تھا۔ چنانچہ ایری نی ایز (بری دیویاں) یہی "غضب کی دیویاں"[۱] کہلاتیں۔ قاتل سے خون کا بدلہ لیتیں۔ پھر جب پرانا نظام عدل تمام اور آکیاؤں کا نظام عدل رائج ہوا تو "بری دیویاں" تائب ہو کر "اچھی دیویاں" (یومینیڈیز)[۲] بن گئیں یہی "مہر و کرم کی دیویاں"[۳] کہلاتیں۔

۱۔ FURIES ۲۔ EUMEHIDES

۳۔ GRACES فاتحین کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تہذیب نو کا علمبردار سردار اگیامیمنون لشکر لے کر ایلیون فتح کرنے گیا تو اس کی غیر حاضری میں اس کی بیوی کلائی طیم نیسطرا (ہیلین کی بہن) کہ قدیم نسل کی شہزادی تھی۔ اپنے ہم نسل منگیتر شہزادہ ایجستھس (AEGISTHUS) سے مل گئی۔ کئی سالوں کے بعد سردار گھر لوٹا تو بیوی نے اپنے آشنا کی مدد سے اسے ہلاک کیا۔ باپ کا بدلہ نئی نسل کی شہزادی الیکترا اور شہزادہ اورِیسطیز (ORESTES) نے سگی ماں اور اس کے آشنا سے لیا۔ پھر جب غضب کی دیویوں نے قاتلوں سے بدلہ لینا چاہا تو دیوتاؤں نے نظام عدل بدل دیا۔ پرانی تہذیب کو نئی تہذیب سے بدلہ نہ لینے دیا۔ اسی موقع پر غضب کی دیویاں تائب ہوئیں۔

پانچویں صدی کے ڈرامانگار ایسکی لس نے اپنے سہ تمثیلہ اوریس طیا (ORESTEIA) میں اس قتل کے واقعے کی پوری داستان بیان کی ہے۔ یہ داستان فاتحین کے زاویہ نظر سے لکھی گئی ہے اور اسی لئے نامعتبر ہے۔ مِس ہیریسن بتاتی ہیں کہ ایجستھس اتنا برا نہ تھا جتنا ایسکی لس نے اسے ظاہر کیا۔ ایجستھس کے پدر تھائی ایس طیز کو ملک بدر کیا گیا۔ چنانچہ اول الذکر پردیس میں رہا۔ یہ زیرِ عتاب کنبہ پیلازجی تھا۔ اسی طرح کلائی طیم نیسطرا بھی پیلازجی تھی اور جبراً فاتح سردار سے بیاہی گئی۔ سردار ایلیون کی مہم پر روانہ ہوا تو بیوی کو درباری شاعر کی نگرانی میں چھوڑ گیا۔ شاعر کا فرض تھا کہ آکیاؤں کے گن گاتا رہے۔ ایلیون کا محاذ دس سال تک گرم رہا۔ پھر واپسی پر کئی سال تک قہرناک سمندر کی موجیں یونانیوں کو بھٹکاتی پھریں۔ اس

مرنے والوں کے دو واضح اوصاف ہوتے۔ وہ کرم فرما بھی ہوتے اور ستم رساں بھی۔ لوگ ان سے پیار بھی کرتے اور خوف بھی کھاتے۔ مرنے کے بعد قاتل اور غدار بھی نیک ہو جاتے۔ چنانچہ فاتحین کا حصار گو شاعر ہومر ایجستھس ایسے قاتل کو بے خطا کہتا۔ حالانکہ آکیاؤں کے نزدیک وہ بدکردار تھا کیونکہ اس نے ایسے زعیم کو ہلاک کیا جس نے پیلازجی عورت اور ناموس وطن کی خاطر دشمن سے جنگ کی۔ جیسے جی کوئی کتنا ہی بھلا ہو تا مر کر ان کی صف میں جا ملتا۔ جو "برتر اور قومی تر" مانے جاتے۔ موت سارے دھبے دھو دیتی۔ دراصل ان سے اعمال بد کا انتقام تو جیتے جی لیا جاتا۔ ایجستھس مارا گیا تو اس کا دامن پاک ہوا اور وہ زعیم بن گیا۔

یہی حال ہیلن کا ہوا جسے آکیائی شعراء نے بالعموم زانیہ اور بدکردار کہا۔ مرنے کے بعد وہ زعیم ہوئی اور دیوی بھی۔

غیر معمولی زعیم ۔ ہیراکلیز

عہد جاہلیت کا ہر قریہ اور قبیلہ دیو مالا کے باب میں تنگیٔ داماں کا علاج رکھتا۔ ہر ایک نے اپنی بساط کے مطابق خدا تراشے، کبھی کبھی کوئی قریہ اور قبیلہ اپنے خدا یعنی مقامی زعیم کی غیر معمولی

طویل مدت میں کلائی ٹیم نیسٹرا کا گمشدہ پیار اور نسلی جذبہ جاگا۔ وہ ایجستھس سے مل گئی۔ ایجستھس کا اس سے زیادہ قصور نہیں کہ اس نے اپنا حق جتایا۔ اور غاصب کے اقدام کو ناجائز جانا EARLY AGE جلد اول صفحہ ۹، بحوالہ PROLEGO صفحہ ۲۲۵۔

اسی طرح یہ نکتہ بھی قابل غور ہے۔ کہ ایلیون جاتے ہوئے جب اولس AULIS کے مقام پر یونانی بیڑہ اڑ گیا۔ تو سیانوں نے قربانی دینے کو کہا۔ اس پر سالار اگامیمنون نے اپنی ہی بیٹی ایفی جینیا IPHIGENIA کو یہ جھانسہ دے کر بلوایا کہ نامزد زعیم آکل ایز (ACHILLES) سے بیاہی جائے گی۔ کلائی ٹیم نیسٹرا بیٹی کو لے کر آئی تو وہی گل کھلتا نظر آیا۔ سر پیٹ کر رہی تو رہ گئی۔ شقی القلب سردار نے بیٹی کو بھینٹ چڑھا دیا۔ ماں یہ صدمہ بھولی تو نہ ہوگی۔ شوہر کی ہلاکت کا منصوبہ بناتے وقت بیٹی کا خون ناحق چیخ چیخ کر اسے پکار رہا ہوگا۔

کلائی ٹیم نیسٹرا کی بہن ہیلن بھی پیلازجی تھی۔ ہر آکیائی سردار اس پر فریفتہ تھا۔ بالآخر یا بھی

شخصیت کے باعث دوسرے قریوں قبیلوں پر بازی لے جاتا۔ بعض زعماء اس قدر مقبول اور ذی اثر ہوتے کہ المپس کے خدا خود کو ان سے سمجھوتہ کرنے پر مجبور پاتے۔ سمجھوتے ہی میں خیریت ہوتی۔ ہیراکلیز اس ضمن میں بہت بڑی مثال ہے۔ اس کے معنی ہیں "جوان اور محبوب زعیم" پیلازجی اس کے پرستار تھے۔ جناتی کارناموں کی بنا پر اس نے زبردست شہرت پائی۔ آکیائی اس کی شخصیت کو نیست و نابود نہ کر سکے۔ انہوں نے عہدِ جاہلیت کے اس معبود کو المپس کے کنبے سے وابستہ کر لیا۔ ذہنی زیر و زبر اور اساطیری تغیر و تبدل کے بعد اسے نئے خداؤں کے وسیع تر زمرے میں جگہ مل گئی۔ اس کے لئے سوختنی قربانی روا ہوئی۔ نوبت یہ ایں جا رسید کہ رب برق و رعد کی بیوی ہیرا کی پوشاک کے سلوٹوں میں سے اسے گزارا گیا۔ یوں وہ لے پالک بنا۔

یہ بھی روایت ہے کہ وہ ایک عورت کے بطن سے زیوس کا بیٹا تھا۔ اسی بنا پر ہیرا دیوی اس کی دشمن ہوئی۔ انجام کار دیوی کی برہمی جاتی رہی۔ اور اس نے اپنی بیٹی ہیبی سے اسے بیاہ دیا جو المپس کی دیوداسی تھی۔ دیوتاؤں کی خدمت میں رہتی اور انہیں مقدس مشروب نیکٹر پلاتی۔ وہ دائمی شباب کی نمائندہ تھی۔

کوزہ گروں نے ہیراکلیز کو المپس میں داخل ہوتے تو دکھایا ہے لیکن اسے المپس کے اندرون میں کبھی نہیں دکھایا۔ اس سے فاتحین کی تنگ دلی کا راز افشا ہوتا ہے۔ گویا انہوں

سمجھوتے سے اگامیمنون کے بھائی، سپارٹا کے حکمران مین اے لے اس (MENELAUS) سے بیاہی گئی۔ بعدہ ایلیون کے شہزادے پیرس کے ہمراہ فرار ہو گئی۔

اس فرار کی داستان بھی فاتحین کی وساطت سے ہم تک پہنچی ہے۔ ڈراما نگار یوری پیڈیز تین پیلازجی دیویوں (ہیرا، ایتھینی، افرو دائتی) کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ اس کے خیال میں اصل ہیلین افرو دائتی کے ایماء پر مصر پہنچائی گئی۔ ایلیون میں صرف اس کا سایہ گیا۔ یونانی اور یونانی دیوی دیوتا دس سال تک اس سایے کے لیے باہم دست و گریباں رہے۔ بالآخر مین لے اس نے اسے وا گزار کیا۔ جعلی ہیروئن جل کر غائب ہو گئی۔

نے ازرہِ مصلحت ہیراکلیز کو قبول کیا۔ اسے دل سے نہ چاہا۔

زعیم خداؤں کا خوف

آکیائی تہذیب کی بنیاد زمین پر نہیں بلکہ فلک پر تھی اور اسی لئے بن پڑتا تو وہ زمین پرستی کی مخالفت بلکہ بیخ کنی کرتے۔ اپنے دین اور اپنی دیومالا کو آگے لانے کے لئے پیلازجیوں کے زعیم خداؤں کو رسوا کرتے۔ انہوں نے اپنی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے مفتوحین کی مقدس ہستیوں کے خط و خال بگاڑے۔ ان کی پوجا مسدود کی اور انہیں ضرر رساں قرار دیا۔ ویسے اس حرکت میں ان کے توہم کا بھی عمل دخل تھا۔ کوئی عہد توہم سے خالی نہیں رہا۔ پانچویں صدی کا ایک تمثیل نگار کہتا ہے۔

ہم ایسی خوفناک جگہ سے آگاہ ہیں جو بہت تاریک ہے۔
جہاں شمع نہیں جلتی
دن کو لوگ زعماء کے ساتھ ضیافت اڑا لیتے ہیں۔
لیکن رات کو؟ توبہ، توبہ، رات کو ایسا نہیں کرتے۔
تم جانتے ہو کہ رات کو خطرہ ہوتا ہے۔
اگر رات کو کسی فانی سے زعیم اور ریسیطرز کی ملاقات ہو جائے۔
تو زعیم اسے برہنہ کر کے پیٹے اور خوب تماشا کر کے چھوڑے۔

رات کے وقت زعیم بدروح بن کر لوگوں کو گزند پہنچاتا۔ قاتلین کے مفسرین کہتے "زعماء کی خانقاہوں کے پاس سے گزرنے والے چپ رہیں!" مبادا "برتر و قوی تر" برہم ہو کر ادھیڑے ہتھیاروں پر اتر آئیں۔ بقول کسے خداؤں اور انسانوں میں یہ امر مسلم تھا کہ بادشاہ سے خطا سرزد نہیں ہو سکتی اور مفتوح و مغلوب بھلائی نہیں کر سکتا!

۱۔ بحوالہ PROLEGO صفحہ ۳۲۹، ہم اس خیال سے ناآشنا نہیں۔ دیو بمعنی خدا فاتح کی لغت میں راکھشش اور فارسی میں رہزن ہے۔ اسی طرح جنوبی ہند کے قدیم باشندے راون کو اپنے عہد کا

استخارہ[۱]

فاتحین کی عصبیت سے قطع نظر مقامی زعیم پرانے لوگوں کے لئے موجب خیر و برکت ہوتے ان کی تربتوں سے دو کام لئے جاتے ۔ مورخ ہیرودوتس شاہد ہے کہ پجاری ان تربتوں پر آکر حلف اٹھاتے یا استخارہ کرتے ۔ عہد قدیم میں استخارے کا بڑا چلن تھا مشکلات میں رہبری پانے اور مسائل حل کرنے کا یہ عام طریقہ تھا ۔ "حلف اٹھانے اور تطہیری عمل کے ضمن میں لوگوں کی ریت یہ تھی ۔ کر وہ اپنے میں سے نیک ترین اور اعلیٰ ترین لوگوں کی تربتوں کو چھو کر ان کی قسمیں کھاتے تزکیئے کے لئے اجداد کی تربتوں پر جاتے ۔ التجا کر کے وہیں سو رہتے ۔ خواب میں جو کچھ دیکھتے اس پر عمل کرتے" ۲

ہیرودوتس کے علاوہ دوسرے سیاحین بھی استخارے کے معمول سے آگاہ تھے ۔

شہر اوروپس[۳] کی کہانت گاہ پر جا کر پجاری طہارت کرتے ۔ مینڈھے کی قربانی دیتے اور کھال بچھا کر سو رہتے ۔ پھر خواب میں منشاء پانے کی امید رکھتے ۔ معالج خدا ایس کلی پی اس سے شفا پانے کی غرض سے لوگ اس کی خانقاہ پر جاتے ۔ کبھی سوتے میں مرض جاتا رہتا اور کبھی دیوتا پجاری کو نیند میں شفایابی کا گر بتا جاتا ۔[۴]

اُلمپیا جہاں ۷۷۶ ق م اُلمپک کھیلوں کی تنظیم ہوئی حلف اٹھانے کے سلسلے میں خاصی شہرت رکھتا ۔ یہاں مقامی ناگ دیو سوسی پولس[۵] کے نام پر حلف اٹھاتے ۔ اس کی تربت عبادت گاہ تھی

زعیم تسلیم کرتے ہیں جسے کشتریوں نے پہلے ہلاک اور پھر رسوا کیا ۔ دسہرے کے تہوار پر لنکا کے راجا راون کا کاغذی پتلا جلایا جاتا ہے ۔ برہمنی تہذیب بھی اسے کمتر انسان سمجھتی ہے ۔

۱ ۔ DREAM ORACLE ۲ ۔ ہسٹریز کتاب چہارم ۳ ۔ OROPUS

۴ ۔ ایتھینز میں معالج خدا کی عبادت ۴۲۱ ق م شروع ہوئی ۔ باقاعدہ طور پر مکمل خدا کی صورت میں ایس کلی پی اس ہی نازل ہوا ۔ یہ اصل میں تھیس الی (THESSALY) سے آیا ۔ رب الشمس اپالو کا ہم پیشہ اور حریف تھا ۔ اگرچہ یہ دیسی تھا اور قدیم تر، تاہم معالج زعیموں کو قبول عام حاصل تھا ۔ اسی لئے ایس کلی پی اس کی آمد پر ہنگامہ نہ ہوا ۔ ۵ ۔ SOSIPOLIS

جب نئی تہذیب کے علمبردار انسان نما خدا لائے تو ناگ اور زعیم کے درمیان رشتہ کمزور پڑ گیا۔ گو زعیم پہلے کی طرح ناگ نہ رہا تاہم نقاش اور بت تراش مدتوں زعیم اور ناگ کا تعلق ظاہر کرتے رہے خواب کی نشانیاں بڑی اہم خیال کی جاتیں کیونکہ وہ بزرگ ہستیوں کی جانب سے ہوتیں ربّ الشمس اپالو کی نسبت کہا جاتا ہے۔ کہ خود دھرتی دیوی نے اسے نیند میں فتح و نصرت کی خبر دی اور وہ خبر پاکر برسر اقتدار آیا۔ ا

استخارے کا معمول ابتدا سے انتہا تک فانی زعیم سے مخصوص و متعلق رہا۔ المپس کے دیوتاؤں سے اسے سروکار نہ رہا۔ چنانچہ یہ کبھی سننے میں نہیں آیا کہ کوئی پجاری استخارے کی نیت سے زیوس، اپالو یا کسی دوسرے فلکی خدا کے معبد میں سویا ہو۔ استخارے کا معمول زیوس کے برسر اقتدار آنے پر بھی جاری رہا۔ فاتحین عہدِ جاہلیت کے دین کی اس شق سے بلا تامل استفادہ کرتے رہے۔

ملیچھ، پلید لوگ

جہاں تک بن پڑا پیلازجی اپنی دینی ریتوں روایتوں سے لپٹے رہے۔ وہ اپنی پراسرار رسوم رات کی پراسرار تاریکی میں ادا کرتے پو پھٹنے سے پہلے پہلے قربانی کا گوشت کھا لیتے۔ آکیائی انہیں اچھا نہ سمجھتے۔ وہ ان کے پراسرار دین اور معمولات سے نفرت کرتے، انہیں پلید سمجھتے اور نالائق عظمت قرار دیتے۔

یہ سریت کی ایک شکل تھی اور پیلازجیوں پہ کیا منحصر ہے۔ آکیائی بھی پیچھا نہ چھڑا سکتے ان کے یہاں بھی سریت کا عمل دخل بھی چوری چھپواں پراسرار ریتوں رسموں کا چلن ہو گیا سکندر اعظم کی بیوی سریت کا قائل اور مخفی ریتوں کی عامل تھی۔

بدروحیں اور بھوت پریت

آکیاؤں کے نزدیک پیلازجیوں کے زمانے میں ناپاکی ہی ناپاکی تھی۔ بھوت پریت اور

ا۔ PROLEGO، صفحہ ۳۴۳

بدروحیں بہ افراط تھیں۔ یہی نہیں بلکہ یہ کھلے بندوں پھرتیں یہ آزاد رُوآفتیں کیر پزا کہلاتیں کائنات کا کوئی گوشہ ان کی دستبرد سے محفوظ نہ تھا۔ لیکن یہ سب خلافِ حقیقت اور ایک منظم سازش کا نتیجہ تھا۔ آکیاؤں نے ایک طرف بہ امرِ مجبوری دینِ زیوس میں دھرتی پوجا کی آمیزش کی اور دوسری طرف سوچے سمجھے ہوئے پلان کے تحت عہدِ جاہلیت کے کم اہم دیوی دیوتاؤں کو رسوا کیا اور انہیں ارواحِ خبیثہ بنادیا۔ پیلازجیوں کے یہاں ان کا نام ونشان نہ تھا۔ تحقیق سے یہ بھید کھلے گا۔ کہ پیلازجیوں کی قابلِ قدر ہستیوں کو بے قدر کیا اور جان بوجھ کر بھوت پریت بنایا گیا۔ خبثِ باطن کا یہ بدترین نمونہ تھا

کہتے ہیں کہ تہذیب کے قدیم تر گہوارے کریٹ میں کورے طیز[۲] نام کا ایک قبیلہ آباد تھا۔ اہلِ قبیلہ جادوگر تھے۔ انہی میں سفلیات کے عامل بھی ہوتے۔ اہلِ قبیلہ کے دو گروہ تھے ایک گروہ دستکاروں اور ہنرمندوں کا تھا۔ دوسرا گروہ ہر اچھی چیز کا بیری تھا۔ یہ دوسرا گروہ بہیمانہ خصائل رکھتا۔ اساطیری داستانوں میں اس گروہ کی اصل نسل ہوا بتائی جاتی۔ لوگوں کے پاس ایک پیالہ ہوتا جس میں پیڑوں کی جڑوں سے جادو کا محلول تیار کرتے۔ دوسری طرف پہلے گروہ نے دھاتیں دریافت کیں۔ بت تراشی کی بناء رکھی۔ یہ خشک و تر دونوں پر رہتے اور عجیب و غریب شکلیں رکھتے۔ کچھ بھوت پریت، کچھ انسانوں اور کچھ سانپوں کے مانند تھے۔ داستان کچھ یوں چلتی ہے کہ کچھ بے دست و پا تھے۔ اور کچھ کی انگلیوں کے درمیان بگلوں کی سی جھلّی تھی۔ کہتے ہیں کہ ان کی کالی آنکھیں اور نیلی دُمیں تھیں۔ آخر میں بالوضاحت کہا گیا ہے۔ کہ یہ زیوس کی بجلی یا اپالو کے تیروں سے ہلاک ہوئے۔ گویا نئے نظام نے پرانے نظام کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ فاتحین کے نزدیک مفتوحین بیک وقت وحشی، جادوگر، بہائم صفت، قابلِ نفرت خوفناک، ہنرور، معالج، بھوت پریت اور جن ہوتے۔ جن روحوں کی پرستش کرتے انہی کے سے اوصاف رکھتے۔ المختصر یہ کیر پزطیلکائی نیز[۳] ہوتے۔ جب ہم بھلے چنگے، مفید اور خیر آفرین

KARES TELCHINES -۳ KOURETES -۲ KERES -۱

کیبر یز کی صورت بگڑتی دیکھیں تو اس حقیقت کو لازماً یاد رکھیں کہ ہم فاتحین کی وساطت سے مطالعہ کر رہے ہیں!۔

یہ حقیقت ہے کہ آکیائی تازہ دم تھے۔ اور ان کے سینے تازہ امنگوں سے معمور، وہ نئی صلاحیتیں اور نئے تہذیبی حربے لے کر آئے تھے۔ انہوں نے ہر ترکیب سے پیلازجیوں کا نظریاتی ڈھانچہ ڈھانا چاہا۔ اگرچہ انہوں نے رسوائی کی پیہم ضربات سے کیبر یز کو ہلاک کیا تاہم دو کیبر یز رب برق و رعد اور رب الشمس کے نشانوں سے بچ رہیں۔ ''یہ تخفیفیں'' اور ''مرگ'' تھیں۔

چند آفتیں

آفتوں میں ہارپیاں بھی شامل کی جاتیں جن کے معنی ہیں۔ ''نوچنے والیاں'' یہ پرندہ نما عورتیں روح نوچ کر آندھی کے مانند اڑ جاتیں۔ اور پھر اسے تباہ کر دیتیں۔ ساگر دیوا اور ساگر دیوی کے بیٹے بیٹی کی آولاد تھیں۔ ہارپیوں کا باپ ہوا کا بھوت تھا اور ان کی ماں ہوا کی کھتنی تھی۔ ورجل بتاتا ہے کہ ان ہواؤں سے گھوڑیاں حاملہ ہو جاتیں۔ کبھی کبھی ان کا سر ان تین بلاؤں کی مانند ہوتا۔ جنہیں گورگن کہتے۔ گورگنیں آپس میں بہنیں تھیں۔ ان میں میدوسا سب سے نامور تھی۔ یہی سب سے بڑھ کر خبیث تھی۔ اور فانی بھی۔ اسے زعیمؔ پرسیوس نے ہلاک کیا۔ مس ہیریسن اسی کو اصل کیبری مانتیں ہیں ان کے خیال میں باقی دو جو سلامت رہیں فاضل مخلوق تھیں۔

۲۔ EARLY AGE بحوالہ PROLEGO صفحہ ۲۷۱، ان نظریات سے قطع نظر فرائیڈ نے ویسٹر مارک کی تائید کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ادائلی قبائل مرنے والوں کو ہولناک اور پراسرار بنالیتے۔ ''یہ قیاس کہ مرنے کے بعد جو سب سے پیارے ہوتے بد روحوں میں منتقل ہو جاتے صاف طور پر مزید سوال پیدا کرتا۔ وہ کیا چیز تھی۔ جو ادائلی لوگوں کو اپنے پیاروں کی نسبت اپنا احساس بدلنے پر آمادہ کرتی؟ وہ انہیں بد روحیں کیوں بنالیتے؟ ویسٹر مارک کی رائے میں ان سوالوں کے جواب باآسانی دیے جاسکتے ہیں۔ موت عام طور پر سب سے بڑی بدنصیبی ہے۔ لہذا مُردوں کی نسبت سمجھا جاتا ہے کہ اپنی تقدیر سے بے حد نامطمئن ہیں۔ ادائلی قبائل کے خیالات کی رو سے آدمی تبھی مرتا جب اسے مارا جاتا۔ جبراً نہ مارا جاتا تو جادو کے ذریعے مارا جاتا

ہارپیوں میں مہلک سائیرنیں بھی تھیں۔ جن کے رسیلے گیت لوگوں کے لئے جان لیوا ثابت ہوتے دیوی دیوتا اپنے محبوب زعیموں کو ان کی دستبرد سے بچانے کے لئے بطور خاص کوشش کرتے ہارپی ہر حال میں حسین ہوتی۔ اس کی صورت کبھی جل پری کی ہوتی اور کبھی انسان کی۔ نیم عورت اور نیم اسپ بھی ہوتی۔

ہارپیوں کو نسائی چہرے والے گدھوں کی صورت میں بھی پیش کرتے۔ یہی ہارپیاں زعیم فینیوس کی دشمن ہوئیں۔ اس کا کھانا خراب کرتیں اور اڑا کر لے جاتیں۔ بالآخر ایلیون کے مغرور اور سوختہ ساماں زعیم ابنی الیس نے ان کا مقابلہ کیا اور فینیوس کی جان بچائی۔

ہارپیاں فقط روح کش ہی نہیں بلکہ حیات افروز بھی ہوتیں۔

کیریز میں تقدیریں بھی نمایاں مقام رکھتیں۔ خدا ان سے بڑا کام لیتے۔ جب یونانی زعیم آکل اینز نے ایلیون کی فصیل کے گرد چوتھی بار شہزادہ ہیکٹر کا تعاقب کیا تو زیوس نے سنہری ترازو سنبھالا اور موت کی تقدیریں پلڑے میں رکھ دیں۔

شاعر ہی سیود کے خیال میں کیریز عہد قدیم کی مخادف تھیں۔ یہی تقدیریں تھیں اور یہی پرندہ نما بھوت بھتنیاں۔

ایسی موت قدرتی طور پر روح کو انتقام پر اکساتی اور چڑچڑا بناتی۔ زندوں پر رشک کرتی اور پیارے دوستوں کی صحبت کی آرزو، پھر عجب نہیں کہ انہیں مارنے کی نیت سے روح ان پر بیماریاں نازل کرتی۔ لیکن یہ خیال کہ بے جسد کی روح مجموعی طور پر خبیث چیز ہے۔ لاریب مردے کے خوف کے وجدانی تصور خوف مرگ کا حاصل ہے۔" ٹوٹم اور ٹیبو صفحہ ۵۹۔

"WUNDT بتاتا ہے۔ کہ دنیا بھر کی دیومالا بدروحوں سے جو افعال ومشاغل منسوب کرتی ان کے بموجب بدروحیں راج کرتی ہیں۔ اور مقبول عام نظریہ یہ ہے کہ بدروحیں یقیناً طور پر نیک روحوں سے قدیم تر ہیں۔" فرائیڈ کے نزدیک "اس تعلق میں فطرتاً جو متضاد جذبہ پایا جاتا۔ بعدہ ارتقائے انسانی کے سلسلے سے بدیں حقیقت ظاہر ہوا کہ اسی بنیاد سے دو کامل متضاد نفسیاتی رجحانات بروئے کار آئے ایک طرف بدروحوں سے ڈرنے کا رجحان اور دوسری طرف آباؤ اجداد کے احترام کا رجحان۔"

زیوس کے حکم سے جو حسین عورت (پینڈورا) تخلیق کی گئی اس کے صندوق میں کیڑے ہی مقید تھیں۔ جب اس نے خلاف ہدایت ڈھکن کھولا۔ تو یہ آفتیں انسان کو ستانے کے لئے رہا ہو گئیں بنت الہول اتھی، بیز کی خونخوار ساحرہ) بھی ہارپی کے اوصاف رکھتی۔ اس کی شکل عجیب و غریب تھی۔ پانچویں صدی ق۔م کے نقاشوں نے اسے شہپر والی حسین عورت کے روپ میں پیش کیا۔ اس کی دم بھی تھی اور پنجے بھی تھے۔ پیغمبرانہ اوصاف رکھتی اور تھی بیز کے مہم جو آدمیوں کو ہلاک کرتی۔ کوئی اس کی یہ پہیلی نہ بوجھتا اور جان گنوا تا کہ وہ کون ہے۔ جو پہلے چار پیروں پر پھر دو اور آخر میں تین پر چلتا ہے۔ شہزادہ ایدی پس ایک ایسا دانا نکلا۔ جس نے بتایا کہ یہ ذات شریف آدمی ہے جو شیر خوارگی میں دو ہاتھوں اور دو پیروں کی مدد سے چلتا ہے۔ بڑا ہو کر دو پیروں پر اور ضعیفی میں لاٹھی کے سہارے چلتا ہے۔ جواب پا کر بنت الہول نے خودکشی کی۔ اور ایدی پس نے مصیبت زدہ تھی۔ بیز کو نجات دلائی۔ وہاں کا تخت و تاج سنبھالا بلکہ بے خبری میں اپنی بیوہ ماں جیکوسنا، کو بیوی بنالیا۔ یہ گل تقدیر نے کھلایا۔ تقدیر بھی روز اول ہی

ایضا صفحہ ۶۵

اسی تالیف میں فرائیڈ نے یہ بھی بتایا ہے کہ دیوی دیوتاؤں سے قبل ایک تو دستور ممنوعات معرض وجود میں آیا۔ "غالباً" ممنوعات کا شعور ہی قدیم ترین شعور ہے اور اسی سے نظام شعور کو اولاً پالا پڑا۔" دوسرے بھوت پریت پیدا ہوئے۔ اس کے نزدیک بھوت پریت کی تخلیق آدمی کا پہلا قیاسی کارنامہ ہے۔ لیکن اس تخلیق کا سرچشمہ وہی ہے۔ جس سے ممنوعات کا شعور پیدا ہوا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ممنوعات کا شعور اور بھوت پریت بیک وقت پیدا ہوئے۔ زندوں نے مردوں کے حق میں اپنی کچھ طاقت اور کچھ آزادیٔ عمل قربان کی۔ یہ سب ضرور تا" ہوا۔ "ادائلی انسان اسی نیت سے موت کی قوت کے آگے سر تسلیم خم کرتا جس نیت سے اس کا منکر معلوم ہوتا۔" اور پھر "روحیں اور بھوت پریت آدمی کے ذاتی "تاثرات کی خارجی صورتیں ہیں۔ وہ انسانوں کی شکل میں جذباتی نکاس کرتا ہے، ان سے دنیا آباد کرتا اور پھر خارجی دنیا میں اپنے اندرونی ذہنی اعمال سے دوچار ہوتا ہے۔" علی الترتیب صفحات ۹۷، ۹۳، ۹۲۔

SPHINX - ۱

سے انسان کے دامن سے بندھی ہے۔

بدروحوں کی اصل اور اصلیت کی بابت آکیاؤں کے بیانات قابل اعتماد نہیں۔ انہوں نے پہلا ترجیحوں کی روایات میں کیڑے ڈالے اور سو سو طرح سے پرانے دین کی تحریف کی۔ نئی تہذیب پرانی تہذیب میں شر کے سوا کچھ نہ دیکھتی۔ تہذیبی زیر و زبر ہی کا نتیجہ تھا کہ بھلی چنگی ہستیاں کیریز بن گئیں۔ کیریز درحقیقت آکیاؤں کے جذبۂ نفرت اور تعصب کا مظہر تھیں۔

ربّ الخمر کے خدام

کیریز کی طرح آکیاؤں نے ربّ الخمر (وائی اونائی سس)[۲] کے پجاریوں کو بھی رسوا کیا۔ فرات دجلہ اور نیل کی وادیوں سے آئے یا لائے ہوئے دیوتا پر تو بس نہ چلا۔ ارضی دین کا یہ قدیم دیوتا تو اس قدر قوی تھا۔ کہ آکیائی اسے اپنے سماوی دین میں شریک کرنے پر مجبور ہوئے لیکن اس کے پجاری انتقام اور تعصب کا نشانہ بنے۔ یہ پجاری سیطرا اور می نیڈ[۳] تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ اول الذکر نیم حیوان تھے۔ پاؤں، کان اور دم رکھتے۔ سر اور دھڑ آدمی کا ہوتا۔ ریش دربھی ہوتے اسپ نما انسان سینطور[۴] انہی کے مماثل ہوتے۔ بلکہ ایک ہی جنس کے الگ الگ ملتے۔ مس ہیریسن کے خیال میں سینطور بادل راکھشس (گندھرو) کا روپ تھے۔ فانخیس کا شاعر ہومر انہی کو کینطوری[۵] کہتا اور غیر انسانی بتاتا۔ اس ضمن میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے۔ کہ ایتھنز والوں کے نزدیک گھوڑا عظمت والا جانور تھا۔

بعض نقوش میں سیطر یا سینطور کو کندہ ناتراش قسم کے پہاڑی لوگ ظاہر کیا گیا۔ ان میں بہیمانہ اوصاف پائے جاتے۔ عورتوں سے بغلگیر ہوتے اور انہیں اغوا کر لیتے۔

بعض کے نزدیک سیطر انسان تو ہوتے لیکن دھڑ، دم اور ٹانگیں گھوڑے کی رکھتے۔

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو PROLEGO فصل پنجم
۲۔ DIONYSUS
۳۔ MAENAD
۴۔ CANTAUR
۵۔ KENTAURI

پنڈار کی شہادت پر کہا جاسکتا ہے کہ سینطور فی الاصل انسان تھے۔

مس ہیریسن کی تحقیق کی رو سے سینطور اور سیطر میں یہ فرق تھا کہ سینطور ادا "جنگلی آدمی" تھا۔ بعدہٗ اس میں گھوڑے کی صفات ایزاد کی گئیں۔ لیکن سیطر شروع سے آخر تک ایک ہی حالت پر رہا۔ ایک بار دم، سم اور کان چسپاں ہوئے تو چسپاں ہی رہے۔

اس اسپ نما مخلوق میں کیرون[1] کی ذات خصوصی توجہ کی محتاج ہے۔ تہذیبی زیر و زبر میں اس نے بڑی معنویت اور اہمیت پائی۔ نیک دل انسان قدیم نسل سے تھا۔ دانا اور عدل گستر تھا۔ ضرب الامثال سناتا۔ گھوڑے سدھاتا۔ اس نے جیسن[2] ایسکلی پیس اور ایلیون کی دو سالہ جنگ کے یونانی زعیم آکل ایز ایسی نامور ہستیوں کو تربیت دی۔ طب اور موسیقی میں مہارت رکھتا۔ ان کا درس بھی دیتا۔ تصویر میں یہ نہایت عمدہ چغہ زیب تن کئے ہوئے ہے۔

کہتے ہیں کہ سینطور ایک بار زعیم ہیراکلیز سے لڑ پڑے۔ ہیراکلیز نے آبی ناگ ہیدرا[3] کے لہو سے تر کیا ہوا تیر ایک سینطور کو مارا جو زخمی ہو کر تڑپنے لگا۔ درد سے خلاصی پانے کی خاطر وہ اپنی لافانی زندگی پرومی تھیوس کو دینے پہ آمادہ ہوا۔

سینطور نیسس[4] نے ہیراکلیز کی بیوی دی آنی را[5] کو اغوا کیا اور اس کی آبرو ریزی کی ہیراکلیز نے ہیدرا کے لہو والا تیر مارا۔ مجروح سینطور نے بظاہر نیک نیتی اور بباطن بدنیتی سے دی آنی را کو اپنا لہو دیا کہ کسی کپڑے پر مل رکھے۔ ہیراکلیز بے وفائی کرے تو اسے یہ کپڑا پہنا دے۔ کپڑا پہن کر وہ دی آنی را سے رجوع کرے گا۔ دی آنی را سینطور کے چکمے میں آ گئی۔ اس نے سینطور کے لہو سے کپڑا تر کر لیا۔ ہیراکلیز ایک لڑکی کو لے بھاگا۔ اور دی آنی را کو بھول گیا تو اس نے وہی کپڑا بھیجا۔ کپڑا زہر آلود تھا۔ اسے پہنتے ہی ہیراکلیز کا بدن پھکنے لگا۔

۱۔ CHIRON, CHEIRON　　۲۔ JASON

۳۔ HYDRA　　۴۔ NESSUS　　۵۔ DEIANIRA

یہ آخر داستانیں ہیں۔ ان میں چھپی ہوئی حقیقت کا کھوج نکالنا سہل نہیں۔ تاہم اتنا تو واضح ہے کہ عہد جاہلیت کے بھلے چنگے انسانوں، زعیموں اور دیوی دیوتاؤں کی صورتیں اگیاؤں کے جذباتی سانچوں میں ڈھل کر بگڑ گئیں۔ فاتحین کو اپنے خدا عزیز تھے۔ یہی محترم تھے۔ ان کے نزدیک مفتوحین کے خدا وحشی اور نالائق احترام تھے۔ فاتحین کی آمد کے بعد مفتوحین کی زبان پہ تالے پڑ گئے۔ تبلیغ اور نشر و اشاعت کے ذریعے مسدود ہوئے۔ وہ دھرتی سے اس بری طرح لپٹے چمٹے ہوئے تھے کہ نظر اوپر نہ اٹھتی۔ افلاک کی بلندیاں اور آفاق کی وسعتیں ان کے محدود عزائم و اعمال سے ماوراء ہی رہیں۔ ادھر فاتحین کے نقاشوں، سنگتراشوں اور شاعروں کی کھیپ فتح و نصرت کے نشے میں بدمست، تازہ ولولوں سے لیس ہو کر انتہائی گرم جوشی سے مصروف عمل ہوئی۔ انہوں نے عہد جاہلیت کے خام مواد کو اپنی منشاء کے بموجب اساطیری داستانوں میں ڈھالا اور مستقبل کو سونپا۔ نہایت وسیع پیمانے پر عمل تحریف ہوا۔ ایسے میں اصلیت کا سراغ لگانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔

"پروفیسر رج وے بتاتے ہیں کہ سینطوروں کی اساطیر میں ہمیں فاتحین کے اس رجحان کا پرتو ملتا ہے جو وہ مفتوحین کی نسبت رکھتے۔ پورے کرۂ ارض میں اس رجحان کے دو پہلو پائے جاتے۔ فاتحین مفتوحین کو ملے جلے جذبات سے دیکھنے پر آمادہ ہوتے۔ حق بات یہ ہے کہ عموماً نفرت و حقارت سے دیکھتے۔ کبھی کبھی افسوسناک ہول سے۔ البتہ اتنا ضرور ہے۔ کہ فاتحین مفتوحین کو ساحروں کے طور پر محترم جانتے اور مانتے کہ وہ اپنے دیس کی روح سے آشنا ہیں۔ ان سے سفلی عامل کا کام لیتے۔ کبھی کبھار جب صلح و آشتی ہوتی تو انہیں اپنے بیٹوں کا رضائی باپ بنا دیتے لیکن ہر برائی اور بہیمانہ خصوصیت انہی سے منسوب کرتے۔ باور کرتے کہ مفتوحین درندوں کی شکل اختیار کرنے پر قادر تھے۔

"مفتوحین پہاڑوں میں جا چھپتے، سینطوروں اور سبطوروں کے انداز میں فاتحین کی عورتوں کو بھگا لے جاتے اور یوں بدلہ لیتے"۔[1]

[1] EARLY AGE جلد اول صفحہ ۷۷ ا بحوالہ PROLEGO صفحہ ۳۸۴

فاتحین کے بغض کا یہ نتیجہ نکلا کہ اچھے بھلے آدمیوں کو سونڈیں، دمیں، ایال، سینگ اور سُم لگ گئے¹۔ انہیں تمسخر آمیز صورتیں دی گئیں۔ تاکہ مفتوحین احمق لگیں۔ اور ان کی تہذیب بیہودہ معلوم ہو۔ ان کے مقابل فاتحین ذی شان، ذہین اور برتر معلوم ہوں ان کی تہذیب کھری نظر آئے "فاتح ہر اس شے کو بدشکل کرتا جو اس کے جذبات کو ٹھیس لگاتی۔ گویا ہوتی اور اس کی نفرت کے جذبات کا اظہار کرتی۔"

دائی اونائی سس کے یہ پرستار حیوان نما انسان نہ تھے۔ بلکہ قدیم قبائل کے معزز ارکان تھے۔ انہیں جانور مشہور کیا گیا۔ "ان کی مہیب شکلیں، دمیں، اپسی کان اور سُم ان کی قوت انفرادیت کو ظاہر نہ کرتے بلکہ فاتحین کی بدگمانی کو عیاں کرتے۔ گھڑ دیو دراصل دائی اونائی سس کے اوتار نہ تھے۔ گھڑ دیو دائی اونائی سس کبھی وجود میں نہیں آیا یہ تو بس سیطر تھے۔ البتہ اس سے انکار نہیں کہ یہ نوع آخر کار صنمیاتی ہستیوں میں گھل مل گئی۔ شکل وصورت کے تدریجی تغیر وتبدل سے فی الواقعی یہی واضح ہوتا ہے۔ اصولاً یونانیوں کی قوت متخیلہ صنمیاتی ہستیوں کو انسان نما بنانے پر مائل رہتی تاہم سیطر کے باب میں معاملہ دگرگوں رہا۔ وقت گزرنے اور فتح ونصرت کے تاریخی حقائق کے تدریجاً فراموش ہونے پر وہی جو پہلے قدیم نسل کا انسان تھا گھڑ راکھشس بن گیا۔"²

۱۔ ہند کی دیومالا میں بھی یہی کچھ ہوا۔ رام چندر کے محسن ہنومان کو دم لگا دی جو دراوڑی لشکر کا کمانڈر تھا اور خود بھی دراوڑ تھا۔ رامائن میں دراوڑوں (مفتوحین) کو ملیچھ (پلید) بانر (بندر) اور رداس (غلام) کے القاب عطاء کئے گئے ہیں۔ رامائن، ہومر کے رزمیے ہی کی نقل کئے۔

۲۔ PROLEGO صفحہ ۳۸۶ مس ہیریسن نے ایک اور نظریے کا ذکر کیا ہے۔ "یہ نظریہ جو انتہی تیزی اور وسعت سے پھیلا اس امر کا یقین دلاتا ہے کہ سرخ وسیاہ نقوش والے کوزوں پر اپسی انسان پینٹ کئے گئے ہیں۔ وہ کسی طور سیطر نہیں۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ سیطر کو سفند نما انسان تھے۔ کوزوں کے اپسی انسان SEILENOI کہلاتے۔ اگر یہ نظریہ درست ہے تو ہماری ساری دلیل بے بنیاد ہو جاتی ہے۔ سیطروں سے اپسی انسانوں کی مماثلت کو مسترد کرنے کے یہ معنی ہوئے کہ سیطر ابتدائی عہد کی

فاتحین کے مصور ربۃ الخمر کے پرستاروں (سینٹوروں) کو شراب پیتے، لڑتے بھڑتے اور اودھم مچاتے دکھاتے۔ ایک حد تک وہ اصلیت سے کام لیتے۔ جب اول اول شراب ایسا تیز اور نشیلا مشروب رائج ہوا تو شراب خوری کے آداب سے نا آشنا ہونے کے باعث قبائل وحشت و بربریت کا مظاہرہ کرتے۔ رب الخمر کے تہواروں پر شرابیوں کی بدمستی اپنی نظیر نہ رکھتی۔ ان کے دینی جلوس میں غضب کا جوش پایا جاتا۔ اس جنون خیز جوش اور بدمستی کی آڑ لے کر فاتحین نے پیلازجیوں کو انسانوں کے درجے سے گرا دیا۔ اور حیوانوں سے جا ملایا۔ لیکن پھر جب خود فاتحین رب الخمر کو اپنانے پر مجبور ہوئے تو پاکباز اور پارسا ٹھہرے اپنی جنوں انگیزیوں اور بدمستیوں پر معترض نہ ہوئے۔

نیا اور پرانا خانگی نظام

عہد جاہلیت میں زمین ہی اہم ترین تھی اور دھرتی دیوی دیو مالا کی اصل، اوائلی انسان اسی سے پہلا رشتہ قائم کرتا۔ اس کے دیوی دیوتا ارضی اور تحت الارضی ہوتے ناگ کی مثال بالکل واضح ہے۔ زرخیزی، پیدائش اور افزائش دھرتی دیوی کی خوشنودی پر منحصر ہوتی۔ انسان ہی نہیں بلکہ تمام جاندار اور نباتات میں اسی کے مہر و کرم سے جان پڑتی۔ اسی کی رعایت سے عورت جو بچے جنتی اور انہیں پالتی پوستی کنبے قبیلے میں پہلا مقام رکھتی۔ اسی سے حسب نسب چلتا اور نسل موسوم ہوتی۔ اسی کی نسبت سے رشتے اور قرابت داریاں مرتب ہوئیں۔ عورت کو اختیار تھا کہ وہ کئی کئی مرد کرے۔ یوں اس کی

مخلوق سے ان کی مماثلت کا انکار کیا جائے جو رب الخمر دائی اونائی سس کو پوجتی۔

"پھر ان بے شمار کوزوں کے نقوش کی شہادت پر ہم انہیں ایسی مرد نہ سمجھیں۔ جو رب الخمر دائی اونائی سس کی جلو میں چلتے۔ ہمیں بتایا گیا ہے۔ کہ ٹریجیڈی نغمہ گو سفندی ہے۔ اسی نغمہ گوسفندی نے سیٹر ڈرامے کو جنم دیا۔ پس سیٹر گوسفندی خدا ہوں گے۔ یہ ایسی خدا نہیں ہو سکتے۔ ان کے لئے دوسرا نام تلاش کرنا پڑے گا۔" PROLEGO صفحہ ۳۸۷

فوقیت ظاہر ہوتی اور یہ بھی معلوم ہوتا کہ کنبے قبیلے میں اسے کلیدی مرتبہ حاصل ہے۔ اسی سے اولاد کی شناخت ہوتی۔ باپ کسی شمار و قطار میں نہ آتا۔ ماں یقینی اور قابل اعتماد رشتہ قائم کرتی۔ دروپدی کے پانچ شوہر دن کی کہانی اسی حقیقت پر اشارہ زن ہے۔ سپارٹا میں آخر وقت تک عورت آزاد رہی۔ نسل کشی کی خاطر وہ ہر مرد سے بلا تکلف رجوع کرتی اور مروجہ ضابطہ اخلاق کی رو سے یہ فعل اس کی پاکبازی پر حرف نہ لاتا۔ سپارٹا کا آئین اسے ہدایت کرتا کہ وہ وطن کی خاطر توانا اولاد کو جنم دے۔ پروا نہیں۔ یہ اولاد اس کے شوہر کے علاوہ کسی اور سے ہو۔ ماں کنبے قبیلے کی افضل ترین ہستی گردانی جاتی ہے۔ اس خانگی نظام کی بنا پہ دھرتی دیوی اور جنم دیوی وجود پذیر ہوئی۔ زرخیزی کا خدا (جنم دیو، رت دیو) بعد میں نازل ہوا۔ فرائیڈ کے بیان کی رو سے ماتا دیویاں پہلے پیدا ہوئیں۔ باپ ان کے بعد دیوتا بنا۔[1]

آکیاؤں کی آمد کے بعد طلسم ٹوٹا۔ پرانے ارضی رشتے کچھ ٹوٹے، کچھ کمزور پڑے۔ نئے تقاضوں نے مہم جو مرد کو آگے بڑھایا۔ پیلازجیوں کا مادری نظام[2] شکست ہوا اور پدری نظام[3] بروئے کار آیا۔ باپ کنبے قبیلے کا سربراہ بنا۔ ماں کا مقام پہلے درجے سے گر کر دوسرے درجے پر آگیا۔ اب نسل باپ سے چلنے لگی۔ نسب ناموں میں اس کا نام سرفہرست آنے لگا۔ اسی کے واسطے سے رشتے ناطے قائم ہونے لگے۔ وہی رہبر ٹھہرا وہی سرداری اور حکمرانی کا اہل قرار پایا۔ وہی سب پر فائق ہوا۔[4]

۱۔ ٹوٹم اور ٹیبو۔ صفحہ ۱۴۹

۲۔ MATRIARCHY ۳۔ PATRIARCHY

۴۔ فرائیڈ اس مسئلے کو جنسی جہت سے دیکھتا اور بیکوفن (۱۸۶۱) کے بیانات پر تکیہ کرتا ہے۔ اسکے نزدیک پدری نظام میں بھی مادری نظام کے جراثیم پائے جاتے۔ ماں کا احترام اور زنا بالمحرمات (INCEST) کو قتل کے مساوی گناہ ماننا اس امر کی دلیل ہے کہ معاشرے کے قیام اور قبیلے کی بقا کے لئے مادری نظام از حد ضروری تھا۔ سحریات داں بتلاتے ہیں کہ پدری نظام میں باپ کنبے اور قبیلے کی سلامتی کا ضامن ہوتا۔ اس میں سحری قوت پائی جاتی اور اس کا لمس مہلک ہوتا۔ جب خشک سالی یا دبا پھیلتی اور قبیلے کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی

پدری نظام کی رو سے آکیاؤں کے خدا زیوس کو سب پر فوقیت ملی۔ ہیرا جیسے فاتحین کے مورخین اور صنمیات داں باغی دیوی اور لڑاکا بیوی کے رنگ میں پیش کرتے ہیں دوسرے درجے پر آگئی۔ اساطیری داستانوں میں زیوس کے معاشقے جو ایک علیحدہ فصل کا مواد فراہم کرتے ہیں بالصراحت مذکور ہیں۔ وہ پہلے درجے کا دل پھینک تھا۔ ارضی مخلوق پر جھٹ فریفتہ ہوتا اور اختلاطِ جنسی سے کم پر مطمئن نہ ہوتا۔ ہیرا اسی سبب سے لڑتی۔ ویسے ہیرا نئی نہ تھی۔ زیوس اسے ہمراہ نہ لایا۔ وہ تو عہد جاہلیت کی نہایت محترم دیوی تھی اور زمین سے مربوط، اس کے اثرات اتنے گہرے تھے کہ آکیائی انہیں مٹا نہ سکے۔ وہ آلے اور حربے جن سے یونان فتح کیا گیا اس کے حضور کند ہوئے۔ بالآخر آکیائی پیلازجیوں کی اس دھرتی دیوی کو المپس کے کنبے میں شریک کرنے پر مجبور ہوئے۔ دراصل زیوس کی آڑ میں ہیرا نے نئی تہذیب سے بغاوت کی۔ زیوس کو پرانی تہذیب سے جو کد تھی، وہ ہیرا کو نظرانداز کرنے اور غیر عورتوں سے ناطہ جوڑنے سے ظاہر ہے۔ ہیرا اور زیوس قدیم و جدید تہذیبوں کی علامتیں تھیں۔ ان کی داستان مادری اور پدری نظاموں کے تصادم کی داستان ہے۔ دونوں ہستیاں بڑی مضبوطی سے اپنی اپنی جگہ پر قائم رہیں۔

تو سمجھ لیا جاتا کہ سردار (قبیلے کا باپ) سحری قوت کھو بیٹھا اور امور فطرت میں دخیل نہیں رہا۔ اس کے بیٹے اسے ہلاک کر دیتے۔ اور قبیلے کی منجی کہلاتے۔ بڑا بیٹا سردار بنتا اور ایک دن باپ ہی کی طرح مارا جاتا۔ فرائیڈ اس ضمن میں بتاتا ہے کہ باپ عورتوں کی ایک کھیپ کو اپنے تصرف میں لانا چاہتا۔ "جنسی خواہشیں لوگوں کو متحد نہیں کرتیں۔ یہ تو ان میں پھوٹ ڈالتی ہیں۔" اگر ماں کا احترام لازم اور محرمات سے زنا ممنوع قرار نہ دیا جاتا تو قبائل کا شیرازہ یوں بکھرتا کہ پھر شیرازہ بندی نہ ہوتی اور ٹوٹم اینڈ ٹیبو ص ۱۴۴۔

سحر پاتی معاشرے میں باپ اور بیٹے کے درمیان جنسی رقابت کی بناء پڑی۔ باپ بیٹا ایک دوسرے کے جانی دشمن ہوئے۔ یہ پدری نظام کا کرشمہ تھا کہ بیٹے کو ٹھکانے لگانے کی تدبیر شروع ہوئی ایدی پس کا واقعہ مشہور عام ہے جسے اس کے باپ نے روز اول ہی ہلاک کرنے کی سعی کی

کرونس دیوتا اپنے بچوں کو زندہ نگل جاتا۔ ماں کی چالاکی سے بیٹا (زیوس) بچ نکلا

مادری اور پدری نظام کی آویزش مدتوں جاری رہی۔ آرگوس کے علاقے میں ہیرا بلا شرکت غیرے راج کرتی۔ کنواری ایتھینی شہر ایتھینز کی نگہبانی کرتی۔ اس کا کنوارا رہنا پدری نظام سے بغاوت تھی۔ ایلی یوسس[1] کی مقدس سرزمین جہاں شریک قبیلہ ہونے کی وہ مخفی رسوم ادا کی جاتیں جن کا انکشاف ہلاکت کو دعوت دیتا تھا۔ دھرتی دیوی تر[2] اور کنواری بیٹی[3] کے قبضے میں تھی۔

فاتحین کے رب الشمس کی آمد سے قبل دیلفی کی کہانت گاہ پر بیسیوں دھرتی دیویاں مسلط رہیں۔ یہاں کی کاہنہ پرانے دین (دھرتی پوجا) کی داعیہ تھی۔ اور بوقت عبادت صرف دھرتی دیویوں کو پکارتی جیسا کہ تمثیل نگار ایسکی لس کے ان اشعار سے عیاں ہے۔

کاہنہ دیوی دیوتاؤں میں سب سے پہلے دھرتی دیوی کو پکارتی ہوں جو اگلے وقتوں کی دیوی ہے۔ پھر ارض و سماء کی بیٹی تھیمس[4] کو پکارتی ہوں۔ جس کی نسبت روایت ہے کہ اس نے ترکے میں ماں سے تخت اور معبد پایا۔ اس کے بعد جیسا کہ مقدر ہے۔ دوسری زمین زادی فیبی[5] کو

اور پھر بڑا ہوا تو اس نے باپ کو مار بھگایا۔ خود تاجدار ہوا۔
پدری نظام میں بیٹے نے بڑی اہمیت پائی کیونکہ آگے چل کر وہی باپ بنتا۔ پھر زرعی معیشت میں وہی دھرتی ماتا کو زرخیز کرتا اور فرائیڈ کے بقول علامتی طور پر زنا بالمحرمات کے جذبے کی تسکین ہوتی۔ اسی رعایت سے لنگ زرعی معیشت میں زرخیزی کی علامت بنا۔ زرعی معیشت میں ایٹیس ادونس اور تموز ایسے جوان دیوتا پیدا ہوئے۔ ان پر ماتا دیویاں فریفتہ ہوئیں اور زنا بالمحرمات کی وارداتیں بھی۔ ان پر باپ یعنی پدری نازل ہوا۔ چنانچہ ادونس کو (افرودائتی کے محبوب جانور) جنگلی سور نے ہلاک کیا۔ ایٹیس جس پر سب ای لی (CYBELE) داری مرتی اپنے ہاتھوں آلات تناسل قطع کر کے مرا۔ پدری نظام نے ایدی پس روگ کو جنم دیا۔ ٹوٹم اور ٹیبو صفحہ ۱۵۲۔ اس کے ساتھ زرخیزی کے خداؤں کے متعلق فریزر کی گولڈن بو (GOLDEN BOUGH) کے ابواب پڑھے جائیں۔

۱۔ ELEUSIS ۲۔ DEMETER
۳۔ KORE ۴۔ THEMIS ۵۔ PHAEBE

پکارتی ہوں جو اگلے وقتوں کی دیوی ہے اور جسے لوگ خوشی خوشی خراج عقیدت دیتے ہیں۔ اس نے اپنے یوم ولادت کی تقریب پر بطور تحفہ تخت اور معبد کہ قدیم سے اس کے قبضے میں تھے۔ اپنے نام سمیت رب الشمس فیبس[۲] کو دے دیئے"[۳]

یہ اقتباس فاتحین کے نقطہ نظر کی وضاحت کرتا اور دھرتی پوجا کے غیر معمولی اثرات کا پتہ دیتا ہے۔ ایسکی لس یہ بھی بتاتا ہے کہ تھیمس اور جی[۴] اصل میں دھرتی دیوی ہی کے الگ الگ دو نام تھے۔ دھرتی ہی مادری نظام کی بنائے اولیں تھی۔

پدری نظام کہ فلکی اور شمسی دیو مالا کی پیداوار تھا۔ ہیرا کو دوسرے درجے پر لے آیا۔ وہ عورت تھی۔ عہد جاہلیت کی معبود اور زمین سے وابستہ۔ اس کے بعد زیوس کے برادر خورد رب البحر (پوسائیڈون)[۵] کا درجہ آتا۔ پھر بیٹے اور بیٹیاں ماں باپ کے ارد گرد نشست سنبھالتے۔

نیا نظام پرانے نظام سے ٹکر لئے بغیر نہیں آیا۔ نئی روایت پرانی روایت پر بآسانی غالب نہیں آتی۔ اگرچہ ماحول اور وقت کے تقاضے اس کی گرفت ڈھیلی کرتے ہیں تاہم جوں جوں روایت عمر رسیدہ ہوتی توں توں کنبوں قبیلوں کے خمیر میں شامل ہوتی۔ مزاج کا جزو بنتی، خون میں رچ بس جاتی اور ان کی رگوں میں جڑ پکڑ لیتی۔ عصبیت اور عقیدت اس جڑ کو سینچتی۔ پرانی روایت سے روگرداں کرنے کے لئے خمیر بدلتا۔ مزاج درہم برہم کرتا اور پرانا خون خارج

۲۔ PHOEBUS

۳۔ تمثیل یومی نیدیز کے ابتدائی اشعار

۴۔ GAIA, GAEA یہ نام آج تک علوم و فنون کی دنیا میں پایا جاتا ہے چنانچہ جیوگرافی (جی اگرافی)، جیولوجی (جی اولوجی)، جیوفزکس (جی اَفزکس)، جیوکیمسٹری، جیوڈیسی، جیومورفولوجی، جیوسٹیٹکس ایسے متعدد علوم ہیں جو زمین (جی آم) سے تعلق رکھتے ہیں۔

۵۔ POSEIDON

کرنا پڑتا۔ قصد کھولنی پڑتی۔ عقیدت و عصبیت کے تار و پود بکھیرنے پڑتے اور یہ کام ہر کام سے مشکل تر ہوتا۔ جب بھی آدمی کو اس کے پسندیدہ اور دیرینہ عقائد سے محروم کرنا چاہا اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا گھر، اس کا دارالامان ڈھایا جانے لگا ہو۔ اسے اس کی واحد پناہ گاہ سے نکالنے، اس کی ہستی اور ہیئت بدلنے کی تدبیر کی جانے لگی ہو۔ اسی لئے تو انسان نے بارہا ذہنی انقلاب قبول کرنے پر مرنا گوارا کیا۔

یہی کچھ اس وقت ہوا جب پدری نظام نے مادری نظام پر غلبہ پانا چاہا۔ دونوں میں بلا کا تصادم ہوا۔ اس تصادم کی ایک مثال مس ہیری سن نے نقل کی ہے[1]۔ ملاحظہ ہو۔

"یونانی دیومالا میں مادری نظام کے متعدد بچے کھچے تصورات میں سے ایک قابلِ توجہ ہے۔ دیوی ایتھنا اور دیوتا پوسائیڈن کی باہمی رقابت کا قصہ سناتے ہوئے بزرگ آگسٹائن بتاتا ہے کہ دونوں میں مقابلے کی ٹھنی جس کا فیصلہ شہریوں کی رائے سے ہوا۔ رائے شماری میں مرد زن دونوں شامل ہوئے۔ اس عہد کے رواج کے مطابق عورتیں امورِ عاملہ میں حصہ لیتیں چنانچہ مردوں نے پوسائیڈن کے حق میں اور عورتوں نے ایتھانی کے حق میں رائے دی۔ ایک کے بقدر عورتوں کی تعداد بڑھ گئی، اور ایتھانی غالب آئی۔ پوسائیڈن کا غضب رفع کرنے کے لئے مردوں نے عورتوں کو تین سزائیں دیں۔

الف۔ انہیں رائے دہندگی کے حق سے محروم کیا۔

ب۔ اولاد کا ماں کے نام سے پکارا جانا موقوف کیا، اور

ج۔ وہ دیوی سے منسوب ہو کر ایتھانیائی نہ کہلا سکتیں" تصادم کی یہ ایک اور مثال ہے[2]۔

۱۔ PROLEGO صفحات ۲۶۱، ۲۶۲

۲۔ ایضاً صفحہ ۲۶۲

"یہ ضمیاتی قصہ منطقی نوع کا ہے اور فی الحقیقت ایتھینز کے معاشرتی نظام میں کسی قدر تغیر و تبدل کی عکاسی کرتا ہے۔ شاہ سیکروپس[1] نے شہریوں کو مدعو کیا۔ یہ امر لائق توجہ ہے کہ پدری نظام کے تحت شادی بیاہ کی عالمگیر روایت کی ابتدا کا سہرا اسی کے سر ہے۔ ارسطو کے شاگرد کلیرکس کا حوالہ دیتے ہوئے اینتھ اینی اس[2] کہتا ہے کہ ایتھینز میں سب سے پہلے شاہ سیکروپس نے عورت کا مرد سے ناطہ کیا۔ یوں تو بیاہ کی رسم عام تھی لیکن تعلقات قائم کرنے میں آزادی تھی۔ اسی لئے سیکروپس کو" دو کا جنا ہوا" کہتے کیونکہ اس سے پہلے کسی کو اپنے باپ کا پتہ نہ چلتا۔ ہر ایک کے کئی کئی امکانی باپ ہوتے۔ پھر جس معاشرے نے پدری نظام قبول کیا اس نے قدرتی طور پر مادری نظام کے ازدواجی قوانین کو غلط جانا اور بدنظمی پر محمول کیا۔ بروئے روایت سب سے پہلے اسی تاجدار نے زیوس کو ارفع ترین کہا۔ غالباً" زیوس پوجا کی ابتداء کے ساتھ ہی اس نے پدری نظام کے معاشرتی قوانین جاری کئے"۔

اینتھ اینیس کے بیان سے یہ بھی واضح ہے کہ مادری نظام میں عورت کو کھلی چھٹی ملی ہوئی تھی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مادری نظام عورتوں کی عشرت کاری اور بدکرداری کی خاطر تھا۔ یہ نظام قبائلی نظم و نسق کی بہتری، افراد کی بہبود اور نیک نیتی سے رائج کیا گیا۔ اس کی خوبیاں اور خرابیاں کسی دوسرے مماثل نظام سے چنداں مختلف نہ تھیں۔

اہل یونان ہر عہد میں اپنے رشتے اور رابطے اپنی دیومالا میں منتقل کرتے رہے۔ ان کا یہ چلن بالکل قدرتی تھا۔ جب وہ تخیل کی مدد سے اپنے خدا تراشتے تو ان کی قرابت داریوں کے

۱۔ روایت ہے کہ CECROPS کمر سے نیچے نیچے ناگ کی صورت تھا۔ اسے زمین زادہ خیال کرتے۔ کچھ مدت تک اسے طیبکا کی ریاست جس کا صدر شہر ایتھینز تھا اس کے نام پر سیکروپیا کہلائی۔

۲۔ ATHENAEUS

لئے اپنے معاشرے کو مدِنظر رکھتے۔ اس سلسلے میں پدری نظام میں بڑی صحت سے مادری نظام کی پیروی کی گئی۔ اور دیو مالا کو منقلب کیا گیا۔ انسانی اور خدائی معاشروں میں قرابت داریوں کی مماثلت فیثاغورث کے اس بیان سے واضح ہے:[1]

"عورتیں اپنی عمر کے مختلف درجوں کو وہی نام دیتیں جو دیوی دیوتا دیتے ناکتخدا لڑکی کو دوشیزہ کہتیں[2]، بیاہتا کو دلہن، بچے جننے والی کو ماں اور جس کے یہاں اولاد در اولاد ہوتی اسے نانی یا دادی[3] کہتیں۔ اس بیان کو الٹ دیں تو مادری نظام کا سارا فلسفہ کوزے میں بند ہو جائے گا۔ مادری نظام کی دیویاں نسائی زندگی کی عکاسی کرتیں نہ کہ عورتیں دیویوں کی زندگی کی۔"

پیلازجیوں کی دیو مالا میں اسی طور مادری نظام کا عکس ملتا جس طور آکیاؤں کی دیو مالا میں پدری نظام کا۔ پیلازجیوں کے یہاں دھرتی ماتا دیمی ترا اور اس کی بیٹی کوری کو سب پر فوقیت حاصل تھی۔ کوری جو کنواری اور کنیز کا مبہم ادا کرتی دخترِ ارض تھی۔ دیمی ترسب دیویوں کی ماں تھی۔ ہر زعیم مقامی دھرتی ماتا یا زمینی جل پری[1] کو ماں کہتا۔ زمینی جل پری صرف مردوں ہی کی نہیں بلکہ تمام جانداروں کی جنم دیوی ہوتی۔ انسانیت والوں کی تحقیق کے بموجب جنم دیویوں کا وجود قدیم ترین ہے۔ انہی پر ارضی اور حیوانی زرخیزی کا دار و مدار تھا۔ انہی کے بعد جنم دیو، رت دیو اور رب الخمر پیدا ہوئے۔ یہ خانگی نظام کے بدلنے سے ہوا۔ نیا خانگی نظام اپنی جلو میں نئی دیو مالا لایا۔ پرانی تہذیب کے پرستاروں نے نئے دیوی دیوتاؤں کو طوعاً و کرہاً اپنے یہاں جگہ دی۔ ویسے آکیائی اپنی دیو مالا کو خوب چمکا دمکا کر لائے۔ پاتال کی تاریکیوں کی بجائے انہوں نے آسمان کے اجالوں کا خیر مقدم کیا۔ وہ زمین پرست نہیں۔ فلک پرست تھے۔ عسکری قوت کے علاوہ تازہ فکری آلات سے

۱۔ PROLEGO صفحہ ۲۶۲ ۲۔ KORE

۳۔ MAIA ۱۔ EARTH NYMPH

لیس تھے۔ ان کے نظریات میں نیا پن تھا۔ بلند پروازی تھی اور لچک بھی۔ بڑھنے پھیلنے کی صلاحیت تھی۔ ان سے معاشرتی انقلاب اور مردانہ خانگی نظام کے تقاضے پورے ہوتے پیلازجی پرانی روایتوں سے چمٹے رہنا چاہتے۔ زمین سے واسطہ رکھتے بلکہ اس سے چمٹے رہنے اور اسی لیئے امن پسند اور قانع ہو کر رہ گئے تھے۔ ان کی امنگیں کھیتوں میں بوئی جاتیں اور وہیں اگتیں۔ اس سے آگے نہ سوچتے، نہ دیکھتے، ان کی سوچ اور ان کا فلسفہ اپنی زمین تک محدود تھا۔ گو ان کی بعض روایتیں کم فطری اور کم جاندار نہ تھیں تاہم انہیں نیا دین قبول کرنے اور دھرتی پوجا کے ساتھ ساتھ فلک پرستی اختیار کرنے ہی میں اپنی سلامتی نظر آئی۔

جب تک اور جہاں تک بن پڑا۔ انھوں نے اپنے پرانے دین سے وفا کی۔ انہی کی وفاداری اور استواری یوں رنگ لائی کہ ان کی ایک دیوی لیطو آکیاؤں کے رب الشمس اور شکار دیوی ارطمس کی ماں بنی[2]۔ ربۃ الخمر (اور رُت دیو) ابلیس کے کنبے کا معزز رکن بنا۔ ہیرا اور ایتھ اپنی دھرتی سے اٹھ کر فلک پر پہنچیں۔ پاتال کہ ارواح کا دارالقرار تھا نئے دیوتا ہیدیز کی تحویل میں چلا گیا۔ ایلیوسس کی مخفی رسوم جوں کی توں قائم اور پراسرار رہیں انہی نے زمین اور آسمان کو متوازی اور مساوی نہ سہی۔ ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ رکھا۔ آسمان کو پہلا درجہ ملا۔ زمین دوسرے درجے پر آ گئی۔

ابلیس، نیا مرکز فکر و نظر

آکیاؤں نے دھرتی کو چھوڑ کر فلک سے ناطہ جوڑا۔ ابلیس ان کے خیال کی رفعت اور

۱۔ جنگل آدمی کا پہلا مسکن تھا۔ یہیں وہ درندہ بن کر رہا اور شکار اس کا بنیادی مشغلہ، اس ضمن میں شکار دیوی کی پوجا بالکل قدرتی تھی۔ پھر جب وہ جنگل سے نکل کر زرعی دنیا میں آیا۔ ہل چلانے اور جانور پالنے لگا نیز زراعت کے سلیقوں سے آشنا ہوا تو اس نے زرعی معیشت، معاشرت اور زرعی تہذیب ثقافت (ایگری کلچر) کی داغ بیل ڈالی۔ اب وہی تریجنے لگی جو اناج دیوی بھی تھی۔ اور دھرتی دیوی بھی یہ دیوی زرعی زمین سے تعلق رکھتی۔ غیر زرعی زمین سے نہیں۔

وسعت کی علامت تھا۔ بڑی بڑی دھرتی دیویاں آقایانِ فلک (رب برق و رعد، ربُ الشمس وغیرہ) کی معیّت میں اُلمپس پر چلی گئیں اور پدری نظام میں شامل ہوئیں۔ یہی وہ لازوال اور فلک بوس پہاڑ تھا جس پر نئے خدا زِیُوس کی قیادت میں پرانے خداؤں سے برسرپیکار ہوئے۔ کرونس کے طرفدار بڑے بڑے پتھر، چٹانیں اور پہاڑ اکھاڑ کر اُلمپس پہ حملہ آور ہوئے رب برق و رعد نے مضبوط قلعہ بندی کی، کالی گھٹائیں چھیڑیں، راستے دھندلائے اور بزرگ خداؤں کو گمراہ کیا۔ پھر بجلی چمکا چمکا کر ان کی آنکھیں چندھیائیں۔ دس سال تک اُلمپس کے ہولناک محاذ پر چشم فلک نے قیامت کا سماں دیکھا۔ دس برس تک اس تشدّد و تدّ سے جنگ ہوئی کہ زمین کی قوت برداشت معرضِ خطر میں پڑ گئی۔ اُلمپس ہی تھا کہ یہ صدمے سہ گیا۔ اسے تو جیسے کائنات کے صدمے سہنے کے لیے بطورِ خاص بنایا گیا تھا۔ بالآخر زِیُوس کہ نئے نظام کی علامت تھا کامیاب ہوا اور اس کا باپ ہارا۔ اس کے بعد اُلمپس فاتح خداؤں کی اقامت گاہ بنا۔[1]

اُلمپس کی دیویاں

نئے نظام کے تحت آسمان پر جو زمینی مخلوق پہنچی اس میں معزز خواتین شامل تھیں کہ انہیں ہر عظمت زیب دیتی۔ زعیم کے برابر درجہ رکھتیں۔ صفِ اول کی دیویاں ربُّ الارباب زِیُوس کی قرابت دار بن گئیں اور ان سے کم رتبے والیاں خدائی کنبے کی خادمائیں۔ جو اُلمپس

۱۔ خداؤں کی جنگ کے حالات ارضیات دانوں کے دریافت کردہ بعض حقائق سے نہایت خوبصورت رشتہ اور مماثلت رکھتے ہیں۔ زمین میں پاٹنے پڑنا۔ پہاڑوں کا نمودار ہونا۔ چٹانوں کی سطح کا ٹلنا جسے ارضیاتی اصطلاح میں FAULT کہتے ہیں۔ آتش فشانی، زلزلوں کی بھرمار اور تخلیق عالم کے باب میں متعدد ایسی باتیں سامنے آتی ہیں جن کی جھلک مخصوص افسانوی رنگ میں اساطیری کہانیوں میں ملتی ہے۔ ارضیات اور صنمیات کا تقابلی مطالعہ نئی راہ سمجھاتا ہے نیز اوائلی انسان کے شعور کی پیمائش کے لیے تیسری جہت قائم کرتا ہے۔

کے لائق نہ نکلیں اور زمین ہی پر رہیں انہیں نیک روحیں مان کر آکیاؤں نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ باقی کو بد روحیں قرار دے کر پیلازجیوں کے حوالے کیا۔

تثلیث کا معمہ

مادری نظام ماں کی دوہری شخصیتوں پر مشتمل تھا۔ ایک ماں کہ دھرتی دیوی اور جنم دیوی (یا جنم ماتا) ہوتی اور دوسری اس کی دوشیزہ بیٹی (کوری) ہوتی۔ کوری کبھی کبھی کنیز بھی ہوتی لیکن صورت حال سدا یوں نہ رہی۔ ماں اور بیٹی کا طلسم توڑا اور نسائی تثلیث کو رواج دیا گیا۔ چنانچہ آکیاؤں کی روایات کے بموجب خیر اور لطافت کی تین دیویاں تھیں[۱]۔ پیار کی یہ دیویاں ابتداء میں دھرتی دیویاں تھیں۔ پھر تہذیبی زیر و زبر کی بدولت قہر و غضب کی دیویاں بنیں۔ آکیاؤں نے از رہِ مصلحت انہیں خیر اور لطافت کی دیویاں بنا دیا۔ ان کے ماں باپ مختلف بتائے جاتے۔ اساطیری داستانوں میں انہیں ثانوی مقام دیا اور کسی بڑی دیوی سے منسلک رکھا گیا۔ ان کی بارہ (۳×۴) خادمائیں تھیں۔ عقل و دانش کی دیویاں[۲] جن سے علوم و فنون کی اشاعت ہوئی (۳×۳) نو تھیں۔ رُت دیویاں[۳] بھی جو گرمی، سردی اور بہار سے وابستہ کی گئیں تین تھیں۔ یہ زیوسؔ اور تھیمس کی بیٹیاں تھیں گورگنیں[۴] بھی تین تھیں اور ان کی بہنیں گرائی آ[۵] بھی اتنی ہی تھیں۔ ایک آنکھ ایک دانت

۱۔ CHARITIES, GRACES

۲۔ MUSES میں CALLIOPE رزمیہ شاعری سے CLIO تاریخ سے ENTERPE نے نوازی سے TERPSICHORE رقص سے MELPOMENE المیہ سے THALIA طربیہ سے ERATO بربط سے POLYHYMNIA متبرک گیت سے اور GRANIA نجوم سے وابستہ تھی۔

۴۔ HORAE

۵۔ ان کے نام STHENNO بمعنی قوت EURYALS بمعنی پہلے درجے کی آوارہ گرد اور میڈوسا بمعنی ملکہ تھے۔ ان کی صورتیں مہیب اور آنکھیں چمکدار تھیں۔ بالوں میں سانپ لہراتے چہرہ ہمیشہ مہیب نہ بناتے بلکہ دلاویز بھی بناتے۔ ڈھالوں پر ان کے سر کا نقش بناتے جسے دیکھ کر لوگ خوف زدہ ہو جاتے۔

اور سفید بالوں والی بڑھاپے کی یہ دیویاں گورگنوں کی نگہبانی کرتیں۔ تقدیر کی دیویاں موئی رائی[1] جن کا حکم ربّ الارباب بھی نہ ٹال سکتا تین تھیں۔

مورخ پلوتارک اور سیاح پوسے نی ایس کے بیانوں سے پتہ چلتا ہے کہ بعض دیویاں اوائل میں دو تھیں۔ بعد میں تین ہوئیں۔ چنانچہ ایتھینز والے قدیم الایام میں خیر و لطافت کی صرف دو دیویوں، آکسو[2] اور ہی گے مونی[3] کو پوجتے۔ بعدہ مقدس پہاڑی آکروپ اولس[4] کی عبادت گاہ کے دروازے پر خیر و لطافت کی تین دیویوں کے بت نصب ہوئے۔ یہی صورت سپارٹا میں پیدا ہوئی۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ جب یہ دیویاں دو تھیں۔ تو ماں اور بیٹی کا روپ تھیں۔ تین ہوئیں تو بہنیں بن گئیں۔ یہ تبدیلی آکیاؤں کی مہربانی سے ہوئی۔ وہ مادری نظام کو کلیتہً معدوم تو نہ کر سکے تاہم انہوں نے مادری نظام کا زور توڑا۔ اس نظام کی قوی اور کلیدی ہستی ماں غائب کر دی۔

جنسِ قوی کے لائے ہوئے نظام میں باپ بیٹے کے سوا تیسرا کوئی نہ ہوتا۔ مادری نظام میں ماں اور بیٹی ہی سب کچھ تھیں۔ آکیاؤں نے تثلیث وضع کی جو ہمیشہ کنواریوں پر مشتمل رہی۔ یہ آپس میں بہنیں ہوتیں۔ انہیں کبھی ماں نہ بننے دیا۔ مبادا شکستہ مادری نظام پھر پروان چڑھے۔

میڈوسا پر ربّ البحر پوسائیڈون فریفتہ تھا۔ مرتے وقت ربّ البحر کے نطفے سے حاملہ تھی۔ اس کے لہو سے بُراق PEGASUS پیدا ہوا۔ اس کا سر دیکھنے والا پتھر ہو جاتا۔ یہ وصف مرنے کے بعد بھی رہا۔ اسی بنا پر سلامتی کے لئے فرنیچر اور زیوروں پر اسے نقش کرتے۔

۱۔ MOIRAI   ۲۔ AUXO   ۳۔ GRAIA

۳۔ HEGEMONE پروفیسر ڈینیل جونز (مولف AN ENGLISH PRONOUNCING DICTIONARY) اس کا دوسرا تلفظ ہے جی مونی بتاتے ہیں۔

۴۔ ACROPOLIS

پلوتارک کی صراحت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ بعض اوقات ماں اور بیٹی جوں کی توں رہیں، تثلیث نہ بنی۔ جہاں عہد جاہلیت کے دین (دھرتی پوجا) کا سکہ رواں رہا وہاں صرف دو دیویوں (ماں اور بیٹی) کا راج رہا۔ یہ دو مری نسائی ہستیاں کامل وجود رکھتیں۔ دھرتی دیوی دیمی ٹر اور کوری اس کی واضح مثال ہیں۔ ان میں تیسری کو کسی طور راہ نہ ملی۔ البتہ جہاں تکمیل کے تمام مراحل طے نہ ہوئے۔ تثلیث نمودار ہوئی!

۱۔ اساطیری داستانوں میں اُلمپس کی ایک نسائی تثلیث کا واقعہ توجہ طلب ہے اس کے کردار ہیرا، ایتھینی اور افرودائتی عظمت و رفعت کے باعث لازوال اُلمپس پر قیام رکھتے۔ شاید یہ دیویاں گھل مل کر رہتیں لیکن فساد کی دیوی اے رس (ERIS) نے انہیں آپس میں لڑایا اور ان میں پھوٹ ڈالی انہی کی مخاصمت کے باعث ایلیون کی دس سالہ جنگ چھڑی۔ دراصل یہ جنگ انسانوں نے نہیں دیوی دیوتاؤں نے لڑی۔ انسان تو کٹھ پتلی بنے رہے۔ گو مورخین اساطیری صداقت تسلیم نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک ایلیون کی ہولناک جنگ یونانیوں کے جذبۂ ملک گیری اور ہوسنا کی کا کرشمہ تھی۔ وہ تمام عالم کو اپنی شاہراہ بنانا اور ایلیون کا مضبوط قلعہ سر کرنا چاہتے جو ان کی توسیعی عزائم کی راہ میں حائل تھا تاہم اساطیر داں اپنی سی کہتے۔ ہومر کی ایلیڈ اور یوری پیدیز کی تمثیل کو ملا کر پڑھیں تو داستان یوں مرتب ہوتی ہے

اُلمپس پر شاہ پیلیوس (PELEUS) اور بنت البحر تھیطس (THETIS) کے بیاہ کی تقریب پر سب دیوی دیوتا جمع ہوئے لیکن موقع کی رعایت سے ایرس مدعو نہ کی گئی۔ اسے یہ بات سخت ناگوار گزری اس نے پھوٹ کا بیج بونے کی ٹھان لی اور بھری محفل میں آ کر سنہری سیب پھینکا۔ جس پر لکھا تھا یکتائے حسن اسے لے لے"۔ ہیرا ایتھینی اور افرودائتی نے اس پر حق جتایا۔ ایلیون کے شہزادے پیرس کو ایلچی دیوتا ہرمیز نے زبردستی منصف مقرر کیا۔ دنیا کے اس پہلے مقابلہ حسن میں دیویوں نے خود کو اپنے اپنے مخصوص انداز میں سنوارا۔ ہیرا نے مددگار کے بغیر حجاب درست کیا۔ ارس کے سامنے نظروں کے تیور سنوارے۔ ایتھینی نے جادوے والی خانقاہ پر جا کر غسل کیا۔ سر پر اونچا خود رکھا اور ڈھال سنبھالی افرودائتی کے دلآویز بازو دیر پیار کے دیوتا نے کڑا چڑھایا۔ پھر افرودائتی نے چالاکی کی اور پیرس کو لالچ دیا کہ اگر اس نے اسے سنہری سیب کا حق دار قرار دیا تو وہ رشوت کے طور پر دنیا کی حسین ترین عورت، شاہ

مادری نظام کو پوری طرح تمام اور دوہری ذات والی سربراہ ماں کو کالعدم کرنے کے لئے تثلیث کا حربہ نہایت مؤثر ثابت ہوا۔ ویسے اوائلی عہد میں تین کے عدد کو بڑی اہمیت حاصل تھی مِس ہیری سَن اس کی یوں تشریح کرتی ہیں :۔

"پہلے اور غالباً سب سے پہلے مردوں اور تحت الارضی دیوی دیوتاؤں میں کسی نہ کسی وجہ سے تین کا عدد متبرک تھا۔ چنانچہ مُردوں کو تین بار پکارا جاتا تیسرے دن ان کے نام پر قربانی دی جاتی۔ یونان کے بعض حصوں میں تین دن ماتم کیا جاتا۔ آری اوپیگس کی عدالت میں یہ تحت الارضی دیویاں نگران رہتی تین دن تک برسرِ اجلاس

میں لے لے اس کی بیوی ہیلین اس کی نذر کرے گی۔ تینوں دیویاں بے نظیر تھیں۔ زیوس کے حکم پر بربط نواز ہرمیز انہیں ایدا پہاڑ کے غار میں منصف کے روبرو لے گیا۔ ہیرا سامنے آئی تو پیرس اس کے حسن کی تاب نہ جھیل سکا اور اس نے نقاب سے منہ ڈھانپ لیا۔ دیوی سر بسر شان و شوکت کی علامت تھی۔ ایتھنا بھی کسی سے کم تر نہ تھی۔ کبھی سراپا دانش تھی تو کبھی جنگ کی علمبردار، افرودائتی سراپا پیار تھی۔ اور نوجوانوں کو پیار ہی سب سے زیادہ مرغوب تھا۔ یہاں انصاف سے زیادہ انتخاب مدِنظر تھا اور مقدر بھی PROLEGO (صفحات ۲۹۲۔۔۔۳۰۰)

خوبرو پیرس نے افرودائتی کو سنہری سیب تھمایا اور ہیلین کا حق دار ٹھہرایا۔

بالآخر شرارت کا پتہ چل گیا۔ ہرمیز کے ذریعے اصل ہیلین کو فرعون پروطیوس کے ایوان میں پہنچایا گیا۔ پیرس کے ہمراہ جعلی ہیلین گئی۔ یونان کے حکمران ایلیون پر چڑھ دوڑے۔ افرودائتی نے ہیلین اور اہل ایلیون کی طرف داری کی۔ ہیرا اور ایتھنا نے ان کی مخالفت۔ زیوس کے علاوہ دوسرے دیوی دیوتا بھی جانب دار ہو گئے اور یوں ایلیون کی جنگ دیوتاؤں کی جنگ بن گئی اپنے دیوتا کرونس اور اس کے بیٹے، زیوس کی جنگ کی طرح طروئے (ایلیون) کی جنگ بھی دس سال تک جاری رہی۔

مقابلہ حسن قدیم دھرتی دیویوں کو خفیف کرنے اور آپس میں لڑانے کا بہانہ تھا۔

۱۔ ایتھنز کی یہ قدیم عدالت بہت اہم ادارہ تھی۔ یہاں نہ فقط قتل کے مقدمات فیصل ہوتے بلکہ قانون، دستور اخلاق، تعلیمی امور اور منصفوں کی نگرانی کی جاتی۔ یہیں اورسٹیز کو اپنی ماں (کلائی ٹیم نیسٹرا) کے قتل پر معاف کیا گیا۔ اس طرح مادری نظام کی ماں کا احترام تمام ہوا اور دھرتی دیویوں کا زور ٹوٹا۔

رہتی۔ تہری ذات والی پاتال کی ہیکاتی[1] تین طرح بچتی۔ یہ سہل اور عین فطرت تھا کہ تہری ذات والی دیویاں ریت کی نگرانی کرتے آئیں۔ پھر جب زمین تلے کی دیویاں زرعی رتیوں کی نگران ہوئیں تو دو کی بجائے تین موسموں کا رواج پڑا۔ دو موسموں کے لئے دوہری ذات کی دیویاں کافی تھیں۔ زرخیز گرما کے لئے مادرِ گیتی اور بنجر سرما کے لئے کوری لیکن جب موسموں کی تعداد تین ہوئی تو تثلیث کی ضرورت لاحق ہوئی یا کم از کم اس کا خیر مقدم کیا گیا"۔ ۲

بہرحال نئے نظام نے اپنے استحکام کی خاطر تثلیث کے جربے سے ماں کو سابقہ جربے سے محروم کیا اور اسے دوشیزہ بنا دیا۔ گو ہیرا ماں بنی رہی لیکن اسے زیوس کے کنبے میں دوسرا درجہ ملا۔

ہیرا :۔ زیوس اور ہیرا کے بیاہ سے انسانی تاریخ، ثقافت اور معاشرے میں نئی روایت کی داغ بیل پڑی جنسی تعلق میں گھریلو پن آیا۔ یہ ریت المپس کے آقاؤں کی اپج نہ تھی بلکہ انسانوں کے چلن کی آئینہ دار تھی۔ ابتدا میں یہ ریت ناپید رہی۔ تب جنسی تعلقات میں قرار نہ تھا۔ مرد و زن میں جنسی مفاہمت تو ہوتی ہوگی، عورت غالباً خود مختار اور آزاد تھی۔

ہیرا کہ زعیم جنین[3] کی سرپرست کے طور پر مشہور ہے۔ زیوس سے قدیم تر اور مادری نظام سے وابستہ ہے۔ عہدِ جاہلیت میں اسی کا بول بالا تھا۔ اس کا معبد ہائی رے ای ادن[4]

۱:۔ HECATE جادوگروں اور چڑیلوں کی نگہبان تھی۔

۲:۔ PROLEGO صفحہ ۲۸۸۔ ۳۔ JASON

۴:۔ HEIRAION مس ہیریسن کے علاوہ اے۔ بی۔ کک جن کی تالیف "زیوس" نہایت بلند پایہ خیال کی جاتی ہے اور ایچ ڈی بلم بتاتے ہیں کہ ہیرا اور زیوس نسلاً الگ الگ تھے۔ ان کا بیاہ جبراً ہوا۔ کک کے یہاں مسئلہ بڑی تفصیل سے مذکور ہے۔

زیوس کے معبد سے بہت پہلے معرضِ وجود میں آیا۔

قدیم ایام میں سے موسس کو "دوشیزہ کا جزیرہ" (پارتھینا) کہتے اور ہیرا سے منسوب کرتے۔

آرکیدیا[1] کے ایک دُور افتادہ حصّے میں ہیرا کے تین معبد اور تین لقب تھے پہلے وہ بچی کہلائی، زیوس سے بیاہ کر کے زنِ کاملہ[2] اور الگ ہو کر بیوہ[3] کہلائی۔ زنِ کاملہ وہ پہلے بھی تھی لیکن نئے نظام میں زوجہ ہی زنِ کاملہ متصور ہوتی۔ عہدِ جاہلیت کی ماں (زنِ کاملہ) کو ایک نئے واسطے سے زنِ کاملہ بننا پڑا۔ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد اس کی سرکشی ایک قدرتی رَدِّعمل تھا۔ پدری نظام اس کی خودسری کو دبا نہ سکا۔ اسی طرح ہیلن کا اپنے شوہر مینی لیے اس کو چھوڑ کر ایلیون کے شہزادے کے ساتھ بھاگ جانا۔ اس کی بہن کلائی طیم نیسٹرا کا اپنے شوہر (مینی لیے کے بھائی) اگے میمنون کو مارنا اور اپنے عزیز ایجسٹھس سے جنسی رابطہ قائم کرنا دراصل مادری اور پدری نظام کا تصادم تھا۔

ہیرا حقیقی طور پر بیوی نہ بنی اور زیوس سچا شوہر نہ بنا۔ گویا المپس پر فاتحین اور مفتوحین کے ادیان متصادم رہے۔

اتھینا کی پیدائش:۔ زیوس اس خوف سے اپنی پہلی بیوی میطس کو نگل گیا کہ کہیں وہ اس سے قوی تر لڑکا نہ جنے۔ غیب دان پرومی تھیوس یا صناع دیوتا ہیفیس طس[4] نے کلہاڑا

---

[1]:- ARCADIA بیشتر پہاڑی علاقہ تھا۔ بالخصوص اس کا شمالی حصّہ یہاں کے لوگ خود کو قدیم ترین یونانی بتاتے۔ ہرمیز اور پین دیوتا یہیں کے معبود تھے۔ ایک روایت کی رو سے زیوس نے یہیں جنم پایا۔ یہی رب الشمس کا معروف معبد تھا۔ زیوس کے ایک بیٹے سے لوگوں نے اپنا نام لیا۔

[2]:- TELEI [3]:- CHERA [4]:- HEPHAESTUS

مار کے زیوس کا سر پھوڑا اور یوں ایتھنا اپنی ماں بن کے پیدا ہوئی۔ وہ صحیح معنی میں پارتھی نوس (کنواری) تھی۔ اس کے شہر ایتھنز میں پارتھی نون دا ایوان (دوشیزگی) اس کی قیام گاہ بھی تھا اور عبادت گاہ بھی۔ مادری نظام میں مادرِ زعماء تو تھی لیکن اصل مادر نہیں بلکہ رضائی مادر تھی۔ وہ تو کنواری تھی۔ اور اصل مادر دھرتی دیوی جی آ تھی۔ زعیم ہیرا کلیز کی محبوبہ تھی۔ مہمات میں اس کی نگہبانی کرتی اور مشکلیں آسان۔

اس کی نام کی اصل ایتھنا ای نامیا لیے۔ اس توصیفی نام کے معنی "ایتھنز کی دوشیزہ" ہے۔ نام سے پہلے پیلیس آیزاد کرنے جو خاتون کا مترادف تھا۔ افلاطون نے اس لائق صد احترام اور قابلِ پرستش خاتون کی نسبت کہا:۔

"میرے خیال میں ہماری دوشیزہ اور محبوبہ جو ہمارے درمیان رہتی ہے رقص کے مشغلے سے لطف اندوز ہوتی ہے۔ خالی ہاتھوں شغل فرماتی لیکن زرہ بکتر سے سراپا لیس رہتی اور یونہی رقص کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتی۔ ہمارے جوانوں اور ہماری کنواریوں کو دیوی کی پیروی مناسب ہے۔"[1]

اور مس ہیریسن کے بقول مرد ہی تو ایک تھی جس نے اپنے جوانوں اور کنواریوں کی نقالی کی۔ وہ ان کی زندگی اور ہستی کا سچا روپ تھی۔ وہ انہی کی طرح ناچتی۔ جب وہ لڑتے تو لڑتی۔ پھر جب وہ روشنی اور منطق والی نسل کے روپ میں از سرِ نو پیدا ہوئے تو وہ باپ کے سر میں سے پیدا ہوئی"[2]

یونانیوں کے یہاں نہایت دلکش گردشِ نقل و عمل پائی جاتی۔ پہلے تو وہ اپنی زندگی کے خط و خال، اپنے شعور، اپنے ماحول نیز دینی و اخلاقی تقاضوں کے مطابق اپنے دیوتا تراشتے۔ ان میں اپنا رنگ بھرتے، ان کی آڑ میں اپنی ذات کی ترفیع کرتے، انہیں

۱۔ PROLEGO صفحہ ۳۰۰

۲۔ STRABO (یہ وزن ہے تو) ۳۔ ATHENAIA

مثالی بناتے اور پھر ان خود ساختہ دیوتوں کو پوجتے مشعلِ راہ بناتے۔ ایک اعتبار سے وہ اپنے ہی گرد گھومتے۔ اگر دیوتا اپنے پجاریوں کی نقل تھے تو پجاری اپنے دیوتاوں کی نقل تھے۔

کوری اور پیلیس ہم معنیٰ تھے۔ لغت دان سوئیدلیس اس کے معنی عظیم دوشیزہ بتاتا مصری تھی بیز کے ادیان کا ذکر کرتے ہوئے سطرے بو ذی قدر خاندانوں کی ان دوشیزاؤں کا حال بیان کرتا ہے جنہیں زیوس کی نذر کیا اور پلیدیز کہا جاتا ہے۔ پلیدیم[1] کی قدیم عدل گاہ مقامی دوشیزہ کے زیرِ اقتدار ہوتی۔ ایری اوپیگس کی متبرک عدالت میں پیلیس کا بُت نصب تھا۔

ایتھ اینی کے آغاز اور ارتقاء کی کہانی شہر ایتھنز کے آغاز و ارتقاء کی کہانی ہے۔ اس سلسلۂ ارتقاء میں دین سے بڑھ کر سیاست کی کڑیاں ملتی ہیں۔ عہدِ پارینہ میں وہ رب البحر پوسائیڈن کی شریک عظمت تھی۔ ربُّ البحر ایتھنز کے قدیم رؤسا کا معبود تھا۔ پدری نظام کے زیرِ اثر وہ اسے اپنا جدِ امجد بتلاتے۔ جاگیرداری کے بعد جمہوریت نے پر پرزے نکالے تو دیو مالا میں نئے نقوش ابھرے۔ احیائی عمل میں ایتھ اینی کے بعض حسین پہلو معدوم ہو گئے "لوگوں نے اسے بے جنس[2] کر کے رکھ دیا، نہ وہ مرد رہی نہ عورت سنگتراش فائیدی الیس[3] کے پارتھی نوس (کنواری) کے مجسمے کی مانند اس کی ذات سے بعض اوصاف وابستہ کر دیئے گئے۔ یوں وہ ایک خاص مقصدیت کا مظہر بنی۔ آخر میں محض صناعی کا نمونہ، ایک غیر حقیقی شے ہو کر رہ گئی جو ہمیں کبھی متاثر نہیں کرتی۔ اصل میں وہ ٹائیکی[4] شہر کا مقسوم تھی۔ اہلِ شہر کا معبود حقیقی دیوی نہ تھی۔ شہر تھا۔ گروہِ عشاق کا لافانی محبوب بھی شہر تھا۔"[5]

۱۔ PALLADIUM ۲۔ SEXLESS ۳۔ PHEIDIUS ۴۔ TYCHE

۵۔ پروفیسر گلبرٹ کی تالیف ANCIENT GREEK LITERATURE صفحہ ۱۷۸ بحوالہ PROLEGO صفحہ ۳۰۲

سب سے بڑا تصنع اس کی داستان ولادت میں موجود ہے۔ بقول ہومر "اس کی بات برق کے طور پر باپ کے نور سے درخشاں ہوئی"۔ اس داستان میں ایک راز ہے۔ دیوی کو اسی بہانے مادر گیتی کے قدیم رشتے سے رہا کر لیا گیا۔ اب سے وہ زمین کی نہ رہی، جنس فلک بن گئی۔ نئی دیو مالا نے اسے اپنا لیا۔ وہ طلوع آفتاب پر جنم پاتی۔ "ہائی پیرین کے پر نور صاحبزادے رب الشمس اپالو نے کچھ دیر کے لئے اپنے تیز رفتار گھوڑوں کو لگام دی"۔

ایتھا اینی کی اس نئی اور غیر حقیقی صورت کو سیاست اور ادب نے جنم دیا۔

قدیم ایتھا اینی کو ناگ دیو سے نسبت تھی۔ ناگ دیو اس کے قہر و غضب کا مظہر تھا۔ وہی اس کے معبد کی نگہبانی کرتا۔ ایتھنیز میں یہ ناگ دیوی کے مجسمے کے پلو میں ڈھال تلے پڑا رہتا۔ یہی شہر کا مقسوم تھا۔ ہیرودوٹس بتاتا ہے کہ جب ایرانیوں نے قلعے کا محاصرہ کیا تو ناگ نے شہد کی روٹی کھانی چھوڑ دی۔ یہ روٹی ہر مہینے اس کی نذر کی جاتی۔ جب پروہتنی نے بتایا کہ ناگ دیو نے نذر قبول نہیں کی تو لوگ خوف زدہ ہوئے اور خود کو غیر محفوظ سمجھ کر شہر سے چلے گئے!

بعض نقوش و تصاویر سے استناد کیا جا سکتا ہے کہ ناگ ایتھا اینی ہی کی ذات کا حصہ تھا۔

عہد جاہلیت میں اس میں بعض حیوانی علامات پائی جاتیں اور اس کے مجسمے سے عیاں ہوتیں۔ اس کے سر پر خود ہوتا جو اسے انتقام کی دیوی ظاہر کرتا۔ جب ایری ادب آگس کی عدالت نے پرانا نظام عدل جس کی بنیاد خون کا بدلہ خون پر تھی۔ بدل دیا۔ ماں (کلائی طیم نسیطرا) کے قاتل بیٹے (اوریسٹز) کو پدری نظام کی فضیلت جتانے کے لئے رہا کر دیا۔ تو دیوی بھی بدل گئی۔ انتقام کے منصب سے دستبردار ہوئی۔ نور، منطق اور حریت کی علامت بن گئی۔ اس کے ایماء پر قہر و غضب کی دیویاں خیر و لطافت کی دیویاں بن گئیں۔

ا۔ ہسٹری نیز صفحہ ۴۱ کتاب ہشتم ا

نئی ایتھ اینی نے جنم لیا تو وہ پرانی تہذیب کے امانت داروں، پیلازجیوں کی نہ رہی نئی تہذیب کے علمبرداروں، آکیاؤں کی بنی۔ زمین کی بجائے فلک پراقامت گزین ہوئی

افرودائتی

مس ہیریسن کی رائے میں وہ کنواری تو ہے لیکن کنوارپن کی بنا پر نہیں بلکہ جمال و رعنائی کی بنا پر۔ ویسے وہ زمینی جل پری[1] اور عروس تھی۔ قبرص کے سمندر کے جھاگ میں سے نکلی۔ افرودائتی کے معنی ہیں کف زائیدہ۔ تبھی تو جل پری ہوئی۔ رہی عروس کی بات سو وہ لفظاً عروس تھی، عملاً نہیں۔ آزاد منش تھی۔ پدری نظام کی الجھنوں سے حتی المقدور بچتی رہی وہ مادری نظام کی معتبر ہستی تھی۔ زیوس کے لنگڑے اور بدصورت بیٹے ہی فیس طس کی برائے نام بیوی تھی۔ ہومر نے ایک گیت میں اسے محبت کی ماری بتایا۔ گیت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اولمپس کے ایوانوں میں اس ملکۂ حسن کو اجنبی کے طور پر قبول کیا گیا۔ اسے بس گوارا کر لیا گیا۔ مقامی طور پر جنوب کی دیوی تھی اور سرد شمالی علاقے میں رہنا ناپسند کرتی۔ شمال میں تو بس تشکار اور زرخیزی کی دیوی ارطس ہی رہنا پسند کرتی۔ افرودائتی ہر وقت رسیاں تڑاتی اور فرار ہوتی رہی۔ اس کا وہی حال رہا جو ربّ الحرب ایریز[2] (مریخ) کا رہا۔ اسے ہر دم اپنے گھر کا فکر دامن گیر رہا۔

فاتحین کے خیال میں وہ عیش و عشرت کی دلدادہ تھی۔ ہومر اسے کیتھریا[3] اور کپرس[4] کے نام سے یاد کرتا۔ آہنگر دیوتا کی بیوی کے طور پر کیرس[5] کہلاتی۔

ہومر کے یہاں یہ ایک شعبے کی دیوی تھی۔ اور ایک ہی انسانی جذبے کی حامل رہی قبل ازیں جیسا کہ مذکور ہوا دیوی دیوتا بے نام اور ہرفن مولا ہوتے۔ عبوری دور میں مفتوحین اور فاتحین کی دینی و تہذیبی کشمکش نے کچھ انتشار پیدا کیا۔ دیومالائیں ٹکرائیں اور دیوی دیوتا

۱۔ مادری نظام کی جل پریاں زمین سے وابستہ ہوتیں اور اسی بنا پر زمینی جل پریاں کہلاتیں۔

۲۔ ARES ۳۔ KYTHEREIA ۴۔ KYPRIS ۵۔ CHARIS

خلط ملط ہوئے لیکن پھر آگیاؤں کے فطین و ذہین شاعروں اور مفکروں نے ابہام و انتشار کا انسداد کیا۔ دیوی دیوتاؤں کے اوصاف، مدارج اور شعبے متعین کئے۔ اس کے بعد افرودائتی جنسی خواہش کی علامت قرار پائی۔ رب البحر پوسائیدون کہ مقامی طور پر فیطل میوس[1] کہلاتا پانی کا ہو کر رہ گیا۔ ہرمیز کہ عہد جاہلیت میں بھیڑ بکریوں، دوسرے پالتو جانوروں اور ہر نوع کی زندگی کا سرچشمہ مانا جاتا پیش گاہ[2] بنا دیا گیا۔

اسی طرح افرودائتی عہد جاہلیت میں درندوں کی دیوی تھی۔ زرخیزی اور پیدائش کے جانور بالخصوص فاختہ اور بکری اس کے خاص جانور تھے۔ آثار قدیمہ کے نامور ماہر آرتھر ایونز[3] نے مسیح سے ایک ہزار سال قبل پرانا دیوی کا مجسمہ برآمد کیا۔ جس کے سر پہ فاختہ بیٹھی تھی پومپے ئی[4] میں چوتھی یا پانچویں صدی قبل مسیح کا مجسمہ ملا۔ جس میں دیوی ہاتھ میں عصائے اختیار لئے بنی سنوری بیٹھی ہے۔ پجاری اس کے حضور بھیڑ اور فاختہ لئے کھڑے ہیں۔

افرودائتی کو بنتُ البحر قرار دینے اور سمندر کی کوکھ سے جنم پانے کی کہانی ایک شعوری کوشش کا نتیجہ ہے۔ کہتے ہیں کہ جب وہ کف کے انبار میں سے نکلی تو رحم و کرم کی دیویاں کہ پہلے انتقام کی دیویاں تھیں۔ اور قاتلوں کو سزا دینے پہ مامور، دیوی کے حضور آن کھڑی ہوئیں فائیدی ایس کے ایک فن پارے سے پتہ چلتا ہے کہ دیوی برآمد ہوئی تو کام دیو اراوس (کیوپڈ) نے خیر مقدم کیا اور پائیتھو[5] نے سر پہ تاج رکھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ فائیدی ایس نے ہومر سے تحریک پائی۔ بہر حال ایک منظم اقدام کے تحت ذی وقار افرودائتی کو زمین سے بے واسطہ کیا۔ اور مادری نظام سے خارج۔

آبی ولادت سے "غسلِ دوشیزگی" کی ریت پر روشنی پڑتی ہے جو دیویوں میں مروج

۱- PHYTALMIOS

۲- HAROLD

۳- ARTHUR EVANS

۴- POMPEII

۵- PEITHO

تھی ۔ پانچویں صدی ق ۔م کے شاعر اور قواعد دان کے لم آکس[1] نے دیوی پیلیس (ایتھ اینی) کے غسل پر حمدیہ گیت کہا ۔ دوشیزگی کو نکھارنے کے لئے دیوی دریا ئے ان آکس[2] میں ہر سال نہاتی ۔ احیائے دوشیزگی کا یہ عمل خیالی نہ تھا ۔ سیاح پوسے نی آئیس نے نو پلی آ[3] میں کینے تھس[4] نام کا چشمہ دیکھا ۔ آرگوس والوں نے بتایا کہ ہیرا دیوی ہر سال یہاں نہاتی اور دوشیزگی میں نیا پن پاتی ۔ یہ مخفی رسوم کی ریت تھی ۔ لوگ ہیرا دیوی کی شان میں مخفی رسوم ادا کرتے پرانے لوگ دوشیزگی کو لازوال جمالی وصف مانتے ۔ اسی لئے توافرودائتی کی لافانی دوشیزگی کا تصور پیدا ہوا ۔[5] اسے دوشیزاؤں کی تثلیث میں مرکزی درجہ حاصل رہا ۔ وہ بط پر بیٹھ کر سیرِ افلاک کرتی ۔ ویسے فضائے بالا پر گزر رکھتے ہوئے بھی وہ حیات و حقیقت سے رشتہ رکھتی دوسری دیویوں کی اصلیت تمام کر دی گئی ۔ ارطمس غیر انسانی ہونے کے باعث غیر حقیقی ہو گئی ۔ ایتھ اینی ایک بے جان تجریدی ہیئت اختیار کر کے رہ گئی ۔ الپس پر دھرتی دیوی دیمی ترسے وسے ایک خوبصورت استعارہ تھی ۔ جب قوائے قدرت پر آدمی کا اختیار بڑھا اور سرمایہ علم میں اضافہ ہوا تو صنمیاتی ہستیاں اور پراسرار اشیاء سائنس کی نذر ہوئیں بس زندگی اور پیار کا راز باقی رہ گیا ۔ یہی پیار زندگی کو جنم دیتا رہا ۔ یہی پیار اور زندگی ناقابل بیاں مگر ناقابل حصول حقیقتیں ثابت ہوئیں ۔ اسی لئے توافرودائتی کی ہستی برقرار رہی ۔[6]

البتہ پیار دیوتا اراوس نے جنم لیا توافرودائتی کی دوشیزگی داغ دار ہوئی اور ماں بنی تاہم حسن و جمال میں یکتا رہی ۔ اصل میں افرودائتی عہد جاہلیت کی وہ امنگ تھی جو آگیاؤں کی آمد اور پدری نظام کے قیام پہ مفتوح تو ہوئی لیکن مر نہ سکی ۔

---

۱ CALLIMACHUS

۲. INACHUS

۳. NAUPLIA

۴. CANATHUS

۵ PROLEGO صفحات ۳۱۱، ۳۱۲

۶. ایضاً صفحہ ۳۱۴

عظیم مقامی خواتین

دیویاں آسمان سے نہ ٹپکتیں، نہ پیڑوں سے لگتیں بلکہ انسانوں میں جنم لیتیں۔ غیر معمولی صلاحیت کی بدولت عظمت یاب ہوتیں اور دھرتی کی وارث بنتیں۔ بزرگوں کی روحیں ان میں حلول کر آتیں۔ مادری نظام میں، جیسا کہ پہلے بیان ہوا عورت معاشرے کی کرتا دھرتا ہوتی۔ بچے ماں کے قبیلے سے تعلق رکھتے۔ قبائلی املاک عورت کے قبضے اور ورثے میں آتیں۔ متصوفانہ پیرائے میں زمین عورت کی تھی۔ یہ عورتیں ہی تھیں۔ کہ دیویاں بن جاتیں اور پوجی جانے لگتیں۔ جس زمین پر پیدا ہوتیں اسی کا روپ تصور ہوتیں۔ پھر وہ دیویاں ظاہر ہوتی ہیں۔ جن کی ذات کے ذریعے اوائلی لوگ افراط کے تصور کی پرستش کرتے"۔[۱] قبائلی زندگی انہی کے گرد گھومتی۔

سیاح پوسے نی ایس نے یونان بھر کا گشت کیا اور نزد و دور کے علاقے کھنگال کر مقامی دیویوں کا کھوج نکالا۔ یہ دیویاں پرانے کنبے قبیلوں کے لئے کافی تھیں۔ ہیلین پینڈورا، کیسینڈرا[۲] ہیبی یا گینی میڈ[۳] ارطمس اور کیلسٹو عہد جاہلیت کی مقامی بزرگ ہستیاں تھیں۔

ہرمز کی مہربانی سے ہیلین رسوائے عالم زانیہ کہلائی حالانکہ "سپارٹا ایسے شہر میں بھی جہاں اس کا معبد تھا۔ مجسمہ اور مقدس شجر بھی۔ سپارٹا کے علاوہ رودز[۴] میں بھی پجتی۔ ساتویں صدی کے ایک منقش کوزے سے گمان گزرتا ہے کہ ہیلین کے اغوا کی داستان بیوی اور عورت سے زیادہ دیوی کے اغوا سے تعلق رکھتی۔ نوآبادکاروں (آکیاؤں) کا شاعر ہومر عہد

۱۔ اے ہسٹری آف سیکس، مترجمہ پارشلے صفحات ۹۱، ۹۲ (مادری نظام کی پوری بحث کیلئے باب دوم و سوم) مطبوعہ دی نیو انگلش لائبریری، لندن (۱۹۶۱ء)

۲۔ CASSANDRA

۳۔ GANYMEDE, HEBE

۴۔ RHODES

جاہلیت کی اس دخترِ گیتی کو فانی زعیمہ اور یکتائے حسن مانتے ہوئے بھی بدکردار سمجھتا۔[1]

سپارٹا کے صدر مقام لاکونی آ[2] میں لیوک طرا[3] کے مقام پر ایلیون کی شہزادی کیسندرا اشاہ پرائی ایم اور ملکہ ہیکوبا کی دختر نیک۔ زحرا کا معبد تھا۔ یہاں اس کا مجسمہ بھی تھا لوگ اسے "انسان کی مددگار" کے نام سے پکارتے اور پوجتے۔ ربّ الشمس کی محبوبہ تھی جس نے اسے پیشگوئی کا وصف عطا کیا لیکن جب شہزادی نے سرد مہری دکھائی تو دیوتا نے اس کا وصف بیکار کر دیا۔ وہ پیشگوئی تو کر لیتی لیکن اسے کوئی باور نہ کرتا۔ چنانچہ اس نے جب وطن عزیز ایلیون کی تباہی کی خبر دی تو کسی نے یقین نہ کیا۔ ایلیون کے سقوط پر وہ ایتھ اینی کے مجسمے سے جا چمٹی۔ یونانی زعیم آجیکس[4] اسے وہاں سے لے آیا۔ بے حرمتی کے اس فعل پر ایتھ اینی نے اسے سخت دردناک اور مہلک سزا دی۔ گناہ سے دامن پاک کرنے کے لئے آجیکس کا قبیلہ ہر سال اونچے خاندان کی متعدد کنواری لڑکیاں دیوی کے معبد میں بھیجتا تاکہ وہاں دیو داسیاں بن کر رہیں۔ اگر وہ معبد تک پہنچنے سے قبل علاقائی لوگوں کے ہتھے چڑھ جائیں تو ہلاک کر دی جائیں۔

جنگ کے بعد کیسندرا فاتح سالار ایگ آمیمنون کے حصے میں آئی اور اسی کے ساتھ کلائی ٹیم نیسطرا کے ہاتھوں قتل ہوئی۔

نئے خداؤں کی فلکی قیام گاہ (المپس) پر خوش اندام ہی بی دیوی دیوتاؤں کی ساقیہ تھی۔ تصاویر میں بہت بڑا قدح لیے نظر آتی۔ فلائی اس[5] کے لوگوں نے اس کی خانقاہ بنائی وہ اسے پوجتے۔ یہ مقامی ہیروئن "پرانے وقتوں کی انتہائی پاکباز ہستی" گردانی جاتی ہے اس کا پہلا نام گینی میدتھا۔ اس کی خانقاہ دارالامان تھی۔ یہاں جو غلام آکر پناہ لیتے محفوظ ہو جاتے۔ رہائی کے بعد قیدی بیڑیاں اتار کر خانقاہ کے پیڑوں سے ٹانگ دیتے۔[6] عہد قدیم

---

1. PROLEGO صفحہ ۳۲۴ 2. LACONIA

3. LEUCTRA 4. AJAX 5. PHLIUS 6. PROLEGO صفحہ ۳۲۴

ہیں خانقاہیں اور خداؤں کے مجسمے جان کی امان پانے کے کام آتے ! افسوس! غلاموں کی سرپرست ہیبی فلکی قیام گاہ پر خداؤں کی خادمہ بن کر رہ گئی۔

ہیبی کی خانقاہ مرجعِ خلائق تھی۔ آکیاؤں نے دیوی کی سرزمین فتح کرنے کے بعد خوف کے مارے اسے گزند نہ پہنچایا اور لوگوں کی تالیفِ قلوب کے لئے دیوی کو بامِ فلک پر پہنچا دیا شاید وہ گینی میدیز کی عزیزہ تھی۔ جسے اس کی خوبصورتی کے باعث ایک روایت کی رو سے خود زیوس اور دوسری روایت کی رو سے زیوس کا پرندہ (شاہین) المپس پر لے گیا۔ گینی میدیز المپس کا خوبرو ساقی تھا۔

ہیراکلیز المپس پر پہنچا تو ہیبی اس کی بیاہتا بنی۔ فلک نشین ہو کر بھی اس کی مقامی ہستی قائم رہی۔ ایک محدود علاقے کے قبائل ہیبی کو پوجتے رہے۔

اسی طرح ارطمس بھی زرخیزی کی مقامی دیوی تھی۔[2] کیلستو کو بھی یہی حیثیت حاصل تھی۔ سیاح پوسے نی ایس نے آرکیدیا کی ایک بستی میں بڑے ٹیلے پر کیلستو کی تربت دیکھی۔ یہاں ثمردار اور بے ثمر دونوں طرح کے پیڑ تھے۔

کیلستو کے معنی ہیں "حسین ترین" ہر دیوی اور ہیروئن حسین ترین ہوتی۔ دیوی اور ہیروئن کے روپ میں جو ہستی ابھرتی بےنظیر ہوتی۔ یوں ہر بار نئے رنگ میں حسن کی تجسیم و تشکیل ہوتی۔

۱۔ ایک ناٹک میں خداؤں کی بے حرمتی ہوتے دیکھ کر لوگ بھڑک اٹھے اور مصنف پر پل پڑے۔ مصنف بھاگ کر ناٹک دیو (دائی او نائی سس) کے مجسمے سے لپٹ گیا اور یوں اس نے اپنی جان بچائی۔

۲۔ لارڈ ٹینی سن کی تمثیل THE CUP میں مسٹر کو ٹیرل کا طویل دیباچہ ارطمس دیوی کی ہستی پر روشنی ڈالتا ہے۔ مقدس پیالہ جس سے تمثیل کی ہیروئن (قامہ) نے خود زہر آلود شراب پی اور فاتح سالار (سناری قوس) کو پلائی ارطمس کی آتش زدہ خانقاہ سے اٹھایا گیا تھا۔

اسی طرح پنیدورا بھی کھوٹا سکہ نہ تھی۔ بلکہ مادری نظام کا تابدار موتی تھی۔ دھرتی دیوی تھی۔ اور سامان حیات مہیا کرتی۔ اس کی شان میں نئی رت کے پھولوں کا میلہ لگتا مرد اس کے نام کی قربانی دیتے۔ چنانچہ فاتحین کا طنز نگار شاعر اور ڈراما نویس ایرسٹوف آنیز[۱] (۴۴۸ سے ۳۸۰ ق۔م) کا یہ مصرعہ پنیدورا کی اصلیت کا غماز ہے۔

سب سے پہلے پنیدورا کے حضور سفید پشم والا منیڈھا قربان کرو!۔

ایک یونانی مصنف فلوس طریطوس[۲] بتاتا ہے کہ کسی شخص کو بیٹی کے جہیز کی ضرورت پڑی تو اس نے پنیدورا کے حضور قربانی دی اور خزانہ مانگا۔ دیوی نے التجا قبول کی اور اسے ایک باغ میں خزانہ مل گیا۔

نئی تہذیب کے داستاں سراؤں اور قصیدہ خوانوں نے دیوی کو عجیب وغریب بنا دیا۔ شاعر ہیسی اوڈ جو پرانی دیو مالا کو بدلنے میں پیش پیش رہا۔ پنیدورا کی کایا پلٹنے کا ضامن ہے۔ اس نے اس تحت الارضی دیوی کو اولمپس پر پہنچایا اور زیوس کی دستکاری کا ادنیٰ نمونہ بنایا۔ اسے پنیدورا کی لوک کہانی اتنی پسند تھی کہ اس نے "تھیوگ اونی[۳]" اور "کام اور ایام" دونوں تالیفات میں ان کا ذکر کیا ہے۔ وہ اسے خوبصورت بلا اور عیاری کا دام کہتا۔ وہ بتاتا ہے کہ آقا کرونس کے بیٹے زیوس کے کہنے پر لنگڑے دیوتا ہیفیس طس نے مٹی کا پیکر بنایا۔ سرمئی آنکھوں والی خاتون دلنواز (ایتھ اینی) نے بال سنوارے پیٹی باندھی اور مہر و کرم کی دیویوں سے مل کر اسے سنہری چوڑیاں چڑھائیں ساعات[۴] نے اس کے دلکش گیسوؤں میں بہار کی کلیوں کے ہار سجائے دیوی نے زیبائش پر زیبائش کی۔ پھر آرگس[۵] کے قاتل ہرمیز نے مکر و فریب اور خوشامدانہ الفاظ سے اس کی چھاتی معمور کی۔

۱۔ ARISTOPHANES ۲۔ PHILOSTRATOS

۳۔ THAGONY ۴۔ THE HOURS

۵۔ ARGUS چرواہے کے سارے بدن پر آنکھیں ہی آنکھیں تھیں اسی لئے پہرا دیوی

یہی نہیں بلکہ اسے رہزنوں کے آدب سکھائے۔ افرودائتی نے حسن کی دولت دی اور اپالو نے موسیقی سکھائی۔ یوں خدائے برق و رعد کے ایماء پر پنیدورا معرض وجود میں آئی۔ اس نے گویائی بخشی اور نام عطا کیا جس کے معنی ہیں مجموعہ تحائف۔ ہر دیوتا نے اسے کوئی نہ کوئی تحفہ دیا۔ دیویوں کے ہم شکل اس دلفریب پیکر کو دیکھ کر باوا زیوس تو کیا اولمپس کا ہر باسی دنگ رہ گیا۔ پھر یہ پہلی عورت زیوس کا ایسا ہتھیار بنی کہ اس کی ضرب سے بچنا آسان نہ رہا۔ پرومی تھیوس نے انسان کو آگ دی اور زیوس نے عورت، ایک نے دائمی نعمت دی دوسرے نے دائمی زحمت۔

پنیدورا کی تعمیر میں مضمر تھی اک صورت خرابی کی۔ دراصل زیوس نے پرومی تھیوس کی انسان دوستی سے جل بھن کر انسانوں کو سزا دینے کے لئے پنیدورا کو جنم دیا۔ پنیدورا سراپا حسن نہ تھی۔ اس کا ظاہر جس قدر خوشنما تھا۔ باطن اسی قدر بدنما۔ فاتحین نے اس کے باطن ہی کو بدلا۔ عہد جاہلیت میں وہ نیک باطن تھی۔ عہد نو میں بد باطن ہو گئی۔" اوازیوس کے مرد اولمپس پر اس عظمت مآب دھرتی دیوی کے لئے جگہ نہ تھی جو بیک وقت ماں بھی تھی اور دوشیزہ بھی۔ اگرچہ وہ ابتداء سے تھی، تاہم اسے پھر سے پیدا کیا گیا۔ وہ جو نکہ کو تحریک دینے والی تھی۔ ورغلانے والی بن گئی۔ جو فانیوں، غیر فانیوں اور ہر شئے کی یکساں طور پہ جنم دیوی تھی۔ اب ان کا کھلونا بن گئی۔ کنیز ہو کر رہ گئی۔ پیکر حسین تھی۔ کنیز کے سے ناز و عشوہ دکھاتی۔ پدری نظام کے اس نو رشیدہ آقا، زیوس کے لئے اولمپس پر پہلی عورت، پنیدورا کی پیدائش کا پرجاہت بھرے مذاق کی شکل میں ہوا! اسے دیکھ کر آقا نے نگ تے زور کا قہقہہ مارا۔

پنیدورا زمین سے گہرا رشتہ رکھتی۔ اسی لئے اسے زمین پر اتار دیا گیا۔ ویسے پدری نظام

تے زیوس کی ایک آنکھ اپر اسے نگہبان مقرر کیا۔ ہرمیز نے موقع پا کر آرگس کو تھکانے لگایا۔ ہیرا نے ان کی آنکھیں نوچ کر مور کی دم پر چپکا دیں جو آج تک موجود ہیں۔

PROLEGO ۔ صفحہ ۲۸۶

نے اس سے برتری اور افضلیت چھین لی" مادری نظام نے عورت کو فریب آلود سحر باتی فضیلت بخشی، پدری نظام کی آمد پہ ایک ایسی ناگزیر حقیقت سے پالا پڑا۔ جو عورت کی فطری کمتری سے عیاں تھی۔ جب توانا تر جنس یعنی مرد نظریاتی اعتبار سے عورت کی سحری قوت سے بلند تر ہوا ناتواں تر جنس یعنی عورت کو غلام بنانے اور اسے بہ نظر تحقیر دیکھنے کے لیے ناقابلِ عقو عملی منطق کا عامل ہوا"۔

آسمانی ہتھیاروں سے لیس کر کے زیوس نے اس حسینہ کو سادہ لوح ایپی می تھیوس کے پاس بھیجا۔ اس کے سیانے بھائی پرومی تھیوس نے اسے خطرے سے آگاہ کیا لیکن ایپی می تھیوس سے نہ رہا گیا۔ اس نے زیوس کا تحفہ قبول کر لیا۔ گو پینڈورا دیویوں کی نسبت کم قامت تھی۔ تاہم بے نظیر تھی۔ گھر میں شجرِ ممنوعہ کے طور پہ پرومی تھیوس کا ایک پراسرار صندوق پڑا تھا۔ اس میں انسان کے لئے کچھ ایسی چیزیں تھیں۔ جن کی تقسیم کا ابھی وقت نہ آیا تھا۔ پینڈورا نے غلطی سے صندوق کھول دیا۔ طاعونیں، وبائیں اور طرح طرح کی کیریز (آفتیں) باہر نکل آئیں۔ ان میں نقرس، عرق النساء درد قولنج، رشک، حسد، انتقام اور نہ جانے کیا کیا تھا۔ پینڈورا نے ڈھکن بند کرنے میں عجلت کی لیکن یہ عجلت اکارت گئی کیریز رہا ہوئیں اور ایک انمول شے امید صندوق ہی میں رہ گئی۔ وہ دن گیا اور آج کا دن آیا انسان کیریز کا تختۂ مشق ہے۔ بس ایک امیدِ موہوم ہے جس کے سہارے جی رہا ہے۔

ایک اہم خانقاہ

ایسکلی پی اس (معالج دیوتا) کی خانقاہ نہایت معلومات انگیز ثابت ہوئی ہے۔ مس ہیریسن کے بقول زعیم اور خدا یہیں پگھل پگھل کر گھلے ملے اور ایک ہوئے یہیں

سے زیوس ناگ کے نقش و نگار برآمد ہوئے۔ یہی سے وہ تصویر ملی جس میں زیوس تخت پہ نیم دراز ہے۔ پائینتی میں اس کی ماں فیلیا (بمعنی مہربان) بیٹھی ہے۔ ایک طرف پجاری ادب سے ایستادہ ہیں۔ ماں کی موجودگی مادری نظام کے اثرات مترشح کرتی ہے اور بیٹے کے حضور پجاریوں کی آمد پدری نظام کے غلبے کی وضاحت۔ اس خانقاہی تصویر میں گویا پیلازجیوں اور آکیاؤں کے دین شیر و شکر ہو رہے ہیں۔ نئے اور پرانے نظاموں کے تانے بانے مل رہے ہیں۔ عبوری دور گزر رہا اور نئی دیو مالا پر پرزے نکال رہی ہے۔

تصویر سے یہ بھی واضح ہے کہ زیوس ہنوز برق و باراں کا دیوتا نہیں۔ اس میں جنم دیو کے اوصاف ہیں اور فلک کی بجائے زمین سے وابستہ ہے۔ اس کے ہاتھ میں بکری کا سینگ ہے جو زرخیزی اور فراوانی کی علامت ہے۔ یوں گویا پرانی دیو مالا سے سمجھوتے کی صورت پیدا ہوئی۔

مس ہیریسن بتاتی ہیں کہ اسی خانقاہ میں زیوس نے ایسکلی پی اس سے سمجھوتا کیا۔ دونوں خانقاہ پر قبضہ رکھنا چاہتے۔ سمجھوتے کے بعد فریقین نے مقامی اعزازات بانٹ لئے[1] معلوم ہوا کہ لوگوں نے دو زیوس تراشے۔ ایک فلک کا زیوس جو آقائے برق و باراں تھا۔ اور دوسرا زمین کا جو جنم دیو تھا۔ یہ زمینی زیوس وہ نہ تھا جس نے اپنے مربی پرومی تھیوس سے وحشیانہ سلوک کیا اور انسانوں کو مٹایا بلکہ انسانوں پر مہربان تھا یہ پیلازجیون کا زیوس تھا جنھوں نے نیم دلی سے نیا نظام قبول کیا اور اس میں اپنے نظام کے اجزاء شامل کئے۔

زیوس نے ازرہ مصلحت اپنی ذات میں لچک پیدا کی۔ وہ اہل زمین سے گھلتا ملتا ان کے یہاں جاکر کھانا کھاتا۔ عورتوں سے اختلاط اور لنگ دیو کے فرائض سے عہدہ برآ

۱- PROLEGO صفحہ ۳۵۶

ہوتا۔ دھرتی پوجا لنگ دیو کا دین تھا۔ اس نے پیلازجیوں کے دباؤ سے یا تالیفِ قلوب کی خاطر عہدِ جاہلیت کے بے نام دیوی دیوتاؤں کی خاصیت اختیار کی اور وہ ہر رنگ میں جلوہ گر ہونے لگا۔

حرفِ آخر

ہومر، ہیسیوڈ اور مابعد کے شاعروں اور ڈرامہ نگاروں نے رزمیوں، حمدیہ گیتوں اور ڈراموں میں جو دیومالا پیش کی وہ پرانی دیومالا سے کہیں زیادہ مربوط، منظم اور دلآویز تھی پرانی دیومالا لوک گیتوں اور کہانیوں کی شکل میں منتشر تھی۔ یہ مستند دستاویز کی صورت میں نہ پائی جاتی۔ ان میں ترمیم و اضافہ کی بڑی گنجائش تھی۔ آکیاؤں نے بکھرے ہوئے مواد کو سمیٹا، نئے افکار و نظریات کی روشنی میں اسے یکجا کیا اور اپنی دیومالا میں سمویا۔ نئی دیومالا آن واحد میں مرتب نہیں ہوئی۔ زیوس اور اس کا ذی وقار کنبہ ایک دم متبرک اُلمپس پر نہیں پہنچا بلکہ عہدِ جاہلیت کے دینِ سحر و طلسم، عبادات اور معتقدات سے تصادم ہوا۔ ایک طویل دورِ کشمکش گزرا۔ گو دیسیوں پر نزاعی کیفیت طاری ہوئی لیکن پردیسیوں کا مسلک بآسانی رواج پذیر نہ ہوا۔ زمین پرستی کے اثرات بے پایاں تھے۔ زیوس کو ناگ بننا اور زمین سے رشتہ جوڑنا پڑا۔ زیوس دسرتی ماتا سے آیا لیکن یہ سخت ہڈی بن کر گلے میں اٹک گیا۔ کتنی ہی پرانی رسمیں قبول کرنی پڑیں۔

دینی ارتقائی عمل کی تحریک بڑے دلچسپ انداز سے چلی۔ آکیاؤں نے زمین کے ناقابل تسخیر خداؤں کو آسمان پر پہنچایا۔ کم تر خداؤں کو رسوا کیا۔ انہیں بد روح، بھوت پریت راکشش اور ملیچھ بنا دیا۔ جنگ اور پیار کی طرح اس تحریک میں جائز اور ناجائز سبھی کچھ ہوا

آکیاؤں نے موقع و محل دیکھ کر کہیں تالیفِ قلوب کی ۔ کہیں سمجھوتہ کیا ۔ کہیں معاندانہ اور کہیں مصالحانہ رویہ برتا ۔ انہوں نے اچھے برے سارے حربے برتے ۔ جہاں اپنی کمزوری دیکھی وہاں اعتدال کی راہ اختیار کی اور جہاں دیسیوں کو کمزور پایا وہاں شیر ہو گئے ۔

مفتوحہ تہذیب زیوس کے عہد اقتدار میں بھی کامل طور پر نیست و نابود نہ ہوئی ۔ وقتاً فوقتاً اس کی گونج اٹھتی اور پرانی ریتوں کے احیاء کی سعی ہوتی رہی ۔ شاعر ایپی می ینیدیز کی جرات خصوصیت سے قابل ذکر ہے جو پرانے دین کا پرستار تھا ۔ زمین پرستی کو فلکی دین پر ترجیح دیتا ۔ اس نے جل پریوں کی خانقاہ بنانے کا ارادہ کیا ۔ نئی تہذیب کے امینوں کے لیے اس کی یہ حرکت ناقابلِ برداشت تھی ۔ چنانچہ خانقاہ کی تعمیر کے دوران میں آسمان سے ندا آئی ۔ "ایپی می نیدیز جل پریوں کے لیے نہیں زیوس کے لیے خانقاہ بنا!"، لیکن ایپی می نیدیز کب ماننے والا تھا اپنی سی کر کے رہا ۔ خانقاہ بن گئی ۔ پھر کریت سے تطہیر کی جو رسوم لایا اس نے انہیں رواج دیا ۔ ان میں زیوس پرستی کے اثرات نہ تھے ۔[1]

فاتحین جو دیو مالا لے کر آئے اس کی از سر نو تشکیل ہوئی ۔ اس کی تکمیل میں پرانے نظریے اور پرانی روایتیں کام آئیں ۔ پیلازجیوں کی ریتیں رسمیں کہ سحریاتی عبادات تھیں بنیادی طور پر جوں کی توں رہیں ۔ البتہ ان میں مزید حسن پیدا کیا گیا ۔ قربانی کی ریت ، کھیلوں اور عزائی تمثیلوں کو بے پناہ فروغ ملا ۔ شاعری ، رقص ، موسیقی ، ڈرامہ ، تھیٹر ، فنِ تعمیر ، کوزہ گری ، اور سنگتراشی نے حیرت خیز ترقی کی ۔ آکیائی فن کار بے پایاں صلاحیتیں رکھتے ۔ انہوں نے ڈراما ، تھیٹر ، رزمیہ ، کوزوں ، عمارتوں اور ریتوں کی شکل میں لافانی ثقافتی دولت عطا کی کم و بیش اڑھائی تین ہزار سال سے دنیا قدیم انمول خزائن سے متمتع ہو رہی ہے ۔ اگر ثقافتی تنوع کا یہ پہلو عیاں نہ ہوتا تو آکیاؤں کی شعوری برتری ، نئی دیو مالا کے ارتقاء اور

۱- PROLEGO صفحہ ۳۱۸

امتیاز کا پتہ نہ چلتا۔ انہی فتوحات کے باعث ان زیادتیوں اور سختیوں پہ پردے پڑ گئے جو آکیائوں نے پیلازجیوں پہ روا رکھے۔ نیز پرانی دیومالا کا جو تیا پانچہ کیا گیا اسے بھی نظر انداز کر دیا گیا۔

اگر آکیائی محض منفی قول وعمل رکھتے تو تاریخ انہیں کبھی معاف نہ کرتی۔ اپنے مثبت رویے کی وجہ سے وہ سرخرو ہوئے۔ ان کا دماغ آسمان پہ تھا۔ خیالوں کے ساتھ ان کے حوصلے بھی بلند تھے۔ گو دھرتی ان کے تصرّف میں تھی لیکن وہ محض زرعی معیشت سے جکڑے بندھے رہنا اور نرے دہقان بننا پسند نہ کرتے۔ مہم جُو تھے سپاہی تھے۔ ان کے رقّاص، موسیقار، شاعر، سنگتراش اور نقّاش بھی تیغ زن ہوتے۔ وہ یونان میں آئے لیکن یہیں محصور نہ رہنا چاہتے۔ ان کے ولولے انہیں چین نہ لینے دیتے۔ ہر دم بڑھنے پھیلنے کے لئے بیکل رہتے۔ ان کی آرزو تھی کہ بیرونِ ملک نئی نئی شاہراہیں کھلیں اور بالآخر ساری دنیا ان کی شارعِ عام بن جائے۔

وہ ارضی خداؤں سے کم آمیز رہے بلکہ انہوں نے بڑی حد تک ان سے قطع تعلق کیا۔ وہ نگاہ بلند رکھتے، اپنے خداؤں کو عزائم کے شانوں پہ بٹھا کر فلک پہ لے گئے۔ ان کے ڈرامانگار اس حد تک محتاط تھے کہ خداؤں کے کردار کو باقی کرداروں سے الگ رکھتے۔ خدا کبھی دائرہ رقص (آرکیسترا) میں وارد نہ ہوتے جہاں باقی کردار پارٹ ادا کرتے۔ وہ توصرف سازوسامان والی عمارت (سین) کی چھت پر نمودار ہوتے۔

عہدِ جاہلیت کی عورت کو دھرتی کا رُوپ سمجھا جاتا۔ وہ بعض ایسی فطری کمزوریاں لے کر پیدا ہوئی کہ سدا مرد پہ غلبہ نہ پا سکتی۔ اگر آکیائی ماں کا درجہ نہ گھٹاتے اور پدری نظام کو رواج نہ دیتے تو دنیا کو زیر و زبر کرنے کا خواب بھی نہ دیکھتے۔ یونان کی سرزمین میں قدم نہ دھرتے اور اپلیون (طروسے) کا رخ نہ کرتے۔ پدری نظام ذہنی اپج نہ تھا۔ اس

میں زینت کے تقاضے اور ایک مہم جو قوم کے ولولے کار فرما تھے۔ پدری نظام کا زعیم رب الشمس کا سپوت ہوتا۔ رب برق و برشگال (زیوس) نے بھی زعیم پیدا کئے۔

آکیاؤں کو عہد جاہلیت کا مہیب و سنگین دین کم ہی قبول تھا۔ انہوں نے اس میں ترمیم و اضافہ کیا اور اپنی پسند کی چیزیں شامل کیں۔ وہ کھلنڈرے تھے۔ انہیں تو ایسی عبادات (ریتیں) موافق تھیں جو ہلکی پھلکی ہوتیں، ذہنی اور بدنی دونوں لحاظ سے آسودگی اور توانائی بخشتیں۔ کھیل کے میدان، جمنیزیون (کسرت گاہیں) اور تھیٹر ان کے معبد تھے۔ انہوں نے تفریحی عبادات کو اس قدر عام کیا اور فروغ دیا کہ قبل ازیں یونان میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

ان کا جمالیاتی ذوق اپنے پیش روؤں سے کہیں زیادہ تھا۔ ان کے حسن ترتیب سے دیو مالا نکھر سنور کر نہایت خوبصورت اکائی بن گئی۔ وہی دیوی دیوتا جو عجیب و غریب صورتیں رکھتے۔ جن میں کوئی سانپ تھا اور کوئی پرندہ، انسان نما ہو گئے۔ آکیاؤں نے حسن کی جانچ کے پرانے پیمانے توڑے اور نئے وضع کئے۔ نئی قدریں ابھریں۔ نیا دین ایک نیا جمالیاتی انقلاب لایا۔ رعنائی اور خوبروئی کا سیل آیا۔

بے نام خداؤں کا دور تمام ہوا۔ دودونا کے کاہن نے از رہ مصلحت دارالکہانت کو نئے دین کے لئے ہموار اور زیوس کو برسراقتدار کیا۔ ادھر عہد نو کے شاعروں، نقاشوں، سنگتراشوں، کوزہ گروں، معماروں، مورخوں اور خطیبوں نے جمالیاتی انقلاب برپا کیا انہوں نے معاشرے کے رگ و پے میں نئی حرارت دوڑائی۔ اپنے شعور کی چمک دمک سے پرانے چہرے صیقل کئے اور نئی مورتیاں تراشیں۔ انہوں نے اپنی شبیہ اور اپنے خط و خال پہ نئی دیو مالا تراشی۔ اس میں پرانی تہذیب کا خام مال بھی کھپا اور نیا مواد بھی کام آیا۔ نئی دیو مالا خوبصورتی کا بے مثل نمونہ بن گئی۔ یہ ایک دلاویز غزل تھی۔ دلنشین گیت تھی۔ دلکش تمثیل تھی۔

نئے دین کی تخلیق کے ساتھ ساتھ فن کاروں کی ایک کھیپ پیدا ہوئی۔ حسن وجمال کی ایک نئی دنیا بیدار ہوئی۔ یونانی عظمت اور بانکپن کے دلدادہ تھے۔ ان کے یہاں تو حسن وشباب کا ایک شعبہ تھا جو ربّ الشمس کے سپرد تھا۔

حسن وجمال کے ارتقاء کا یہ عمل بیک جنبشِ ابرو نہیں ہوا یہ ایک طویل اور مسلسل تہذیبی عمل تھا اور خاصا سست، ہوتے ہوتے چہرے صیقل ہوئے، حنا رنگ لائی اور اُملیس کے ایوان جگمگاتے۔

پرانے سے نئے نظام کی سمت ارتقائی سفر کرتے وقت جبلّی تغیر کا حادثہ نہیں ہوا جبلّت کب بدلی ہے؟ سحریات وسفلیات، توہّمات اور مذہب کے اثرات بجا۔ لیکن انسان کا جبلّی رویّہ اور ردِّعمل ہر دور میں یکساں رہا۔ ایک طور سے آدمی سدا اپنی جبلّت کا غلام رہا اور رہے گا۔ ازل سے آدمی کی یہ اٹل تقدیر رہی کہ اس نے جملہ حفاظتی اسباب اور مدافعتی تدابیر کے باوجود خود کو بے پایاں قوتوں کے سامنے بے دست دپا پایا۔ زندگی کبھی رنج والم سے بے نیاز نہ ہوئی۔ حادثاتِ زمانہ پر کبھی اختیار نہ ہوا۔ خوف اور توہّم نے کبھی پیچھا نہ چھوڑا، تعصّب کی چنگاری کبھی نہ بجھی، ناکامی، نامرادی، مایوسی اور بے بسی کی وارداتوں سے سابقہ پڑتا ہی رہا۔ بیماری، آزادی، ضعیفی اور موت آدمی کو ڈستی ہی رہی۔ چنانچہ جب پیلازجیوں کے بعد آکیائی آئے تو ایک زبردست انقلاب ضرور آیا۔ ماحول بدلا، معاشرہ بدلا۔ تقاضے بدلے لیکن آدمی کی کمزوریوں اور جبلّت میں فرق نہ آیا۔ قدرت کی برتری بدستور قائم رہی۔ آکیاؤں کے خدا پیلازجیوں کے خداؤں سے قوی تر نہ تھے۔ لیکن وہ حسین تر تھے۔ نامور تھے۔ فلکی تھے۔ نئے نظریوں اور تقاضوں کی پیداوار تھے۔ نئے معاشرے کے لئے موزوں تھے۔ پیلازجی بھی اپنے خداؤں سے اتنی ہی عقیدت رکھتے جتنی عقیدت آکیائی اپنے خداؤں سے رکھتے۔ انہیں اتنا ہی بڑا جانتے

جتنا بڑا آکیائی اپنے خداؤں کو جانتے، ان سے اتنا ہی کام لیتے۔ جتنا کام آکیائی اپنے خداؤں سے لیتے۔ پھر بھی ہمارے نزدیک دیومالا کا ارتقاء ہوا کیونکہ حسن وصداقت کے نئے پہلو سامنے آئے۔ فکر ونظر کا کینوس بڑھا اور فریب تصور میں مزید جاذبیت پیدا ہوئی۔

دینی ارتقاء کی تحریک میں پرانوں کا تعصب سب سے بڑی رکاوٹ تھا۔ زمینیں پامال کرنا، گچ گارے کے ایوان گرانا۔ سنگ وخشت کے بت اور معبد ڈھانا سہل ہے لیکن دلوں کو مسخر اور روز وشب کو یہ اندازِ دگر معطّر ومنور کرنا۔ خیالوں میں تعمیر کئے ہوئے ایوانوں، بتوں اور معبدوں کو ڈھانا سخت دشوار ہوتا ہے۔ کیونکہ انہیں آبائی تعصّبات سہارا دیتے ہیں۔ یہ تعصّبات پیلازجیوں کے خون میں شامل تھے۔ عہدِ جاہلیت کے قبائل آہنی زنجیروں سے زیادہ نسلی ریتوں اور روایتوں کی گرفت میں تھے۔ تعصّبات نے انہیں سخت جان بنا دیا۔ تاہم آکیائی خالی ہاتھ نہ تھے۔ پیلازجیوں کو قدیم دینی سرمایے سے محروم کر کے وہ انہیں خلاء میں نہ پھینکنا چاہتے۔ انہوں نے اپنی دکان بہ طرزِ نو آراستہ پیراستہ کی تھی۔ وہ قدماء کو ایک دلفریب تر دیومالا اور حسین تر اسلوب زندگی دینا چاہتے تھے

نئی دیومالا جسے نئے شاعروں، کاہنوں اور پیغمبروں نے ترتیب دیا فلک سے تعلق رکھتی۔ زمین سے اس کا تعلق سرسری تھا۔ زمین کے خدا بھی فلکی قیام گاہ میں رہتے۔ اس دیومالا کا سربراہ ربِّ برق ورعد (زیوس) تھا۔ دھرتی دیوی ہیرا اس کی بیوی تھی۔ ربّ الشمس اپالو اور ربّ البحر پوسائیڈن اس کے بھائی تھے۔ ایتھا اینی اس کی بیٹی تھی۔ ہی فیس طس بیٹا تھا۔ یہی خدائی کنبہ کارسازِ حیات تھا۔ کائنات اسی کے تصرّف میں تھی۔ اس دیومالا کے پجاریوں نے دنیا کو خیال کا نیا سلسلہ دیا۔ نئی ثقافتی قدریں اور روایتیں دیں۔ اسی کے بعد یونان میں نیا فکری سیلاب آیا۔

ایک دیومالا گئی (کلیتہً نہ سہی جزواً سہی) دوسری دیومالا آ گئی۔ دیومالا کا بدل دیومالا

ہی تھی۔ یونان ہی نہیں، مصر جو یونانیوں کے لیے علم و دانش کی گراں مایہ اور عظیم الشان درس گاہ تھی۔ اس سے بہت پہلے (اور کم و بیش پانچ ہزار برس تک) زبردست تغیر و تبدل کی آماجگاہ بنی۔

تاریخ، سوانح، اسلامیات

تاریخِ اسلام	عبدالحلیم شرر
تمدّنِ عرب	سیّد علی بلگرامی
تمدّنِ ہند	سیّد علی بلگرامی
عبرت نامہ اُندلس	مولوی عنایت اللہ دہلوی
تاریخِ مدینہ	شیخ عبدالحق محدث دہلوی
اُندلس کا تاریخی جغرافیہ	محمد عنایت اللہ
خلفائے راشدین	یونس ادیب
صحائف	قمر نقوی
مُسلمانوں کا عروج و زوال	مولانا سعید احمد
رسُومِ جاہلیت	مولانا نجم الدین
اسلام اور جادوگری	رحمان مذنب
فتوح الشام	علامہ واقدی
فتوح المصر	علامہ واقدی
دنیائے اسلام	سیّد ہاشم فرید آبادی
مسلمان یورپ میں	محمد احسان الحق سلیمانی
حیاتِ جوہر	عشرت رحمانی
جنگِ آزادی کے مُسلم مشاہیر	محمد صدیق قریشی

لُغت، قواعد

غیاث اللغات	محمد غیاث الدین
نور اللغات	مولوی نور الحق نیر
امیر اللغات	امیر مینائی
کریم اللغات	مولوی کریم الدین
فرہنگِ اثر	اثر لکھنوی
لغات النساء	سید احمد دہلوی
مصباح اللغات	مولانا عبدالحفیظ بلیاوی
بحر الفصاحت	مولوی محمد نجم الغنی
قواعد العروض	سید غلام حسنین قدر
اُردو شاعری کی آخری کتاب	قمر نقوی
محاوراتِ داغ	ولی احمد خان
مخزن المحاورات	منشی چرنجی لال
عمدہ لغات القرآن	شہید الدین احمد
ڈکشنری مضامین القرآن	مفتی شوکت علی فہمی

قائداعظمؒ، پاکستان، سیاسیات

انسائیکلوپیڈیا قائداعظمؒ	زاہد حسین انجم
پاکستان کی اہم سیاسی جماعتیں	ڈاکٹر صفدر محمود
ضیاء کے بعد	ہمایوں ادیب
پاکستان سے پاکستان تک	عشرت رحمانی
تاریخ سیاست ملی	عشرت رحمانی
قائداعظمؒ اور ان کا عہد	رئیس احمد جعفری
خطباتِ قائداعظمؒ	رئیس احمد جعفری
آزادیٔ ہند	ابوالکلام آزاد / رئیس احمد جعفری
پاکستان کا اسلامی پس منظر	آغا اشرف
روداد پاکستان	آغا اشرف
مرقعِ قائداعظمؒ	آغا اشرف
حیاتِ جوہر	عشرت رحمانی
معلوماتِ پاکستان	ناصر نقوی
معلوماتِ قائداعظمؒ	یونس ادیب

ادب، تنقید

جدیدیت کی تلاش	ڈاکٹر وحید قریشی
برسبیلِ تنقید	ڈاکٹر انور سدید
میر انیس کی قلمرو	ڈاکٹر انور سدید
تجاہلِ عارفانہ	عطاء الحق قاسمی
یافت و دریافت	رشید امجد
رویّے اور شناختیں	رشید امجد
اُردو ادب بیسویں صدی میں	پروفیسر حق نواز
زبانِ داغ	داغ دہلوی
مکاتیبِ امیر مینائی	مولوی احسن اللہ خان
شعلۂ چنار	عبدالعزیز خالد
مراۃ الشعر	عبدالرحمٰن
شعر العجم اوّل	شبلی نعمانی
شعر العجم دوم	شبلی نعمانی
نگارستانِ فارس	مولانا محمد حسین آزاد
سخندانِ فارس	مولانا محمد حسین آزاد
بچّوں کا ادب	میرزا ادیب
ادبی خطوط	محمد اجمل خان
مہابھارت کتھن مالا	عبدالعزیز خالد

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

سیرت ابن ہشام	علامہ ابن ہشام
سیرت محمدیؐ	سر سید احمد خان
رسولؐ میدان جنگ میں	سید واجد رضوی
مغازی الرسولؐ	علامہ واقدی
سیرت النبیؐ تلخیص	مولانا شبلی/احسان بی اے
رسولِ عربی	عمر ابو النصر
زاد المعاد	حافظ ابن القیم
معلم اخلاق	عشرت رحمانی
نبیؐ ہمارے سب سے پیارے	محمد جاوید امتیازی